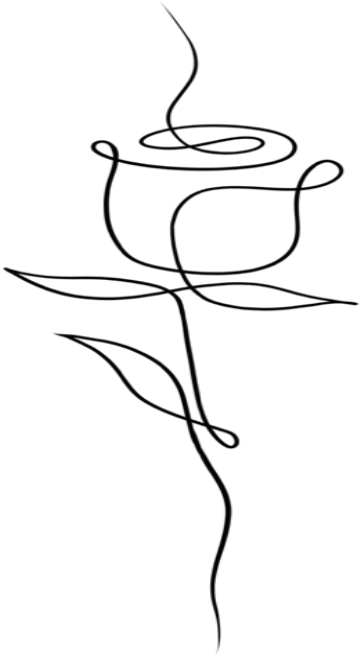

# Legal Notice

ولی محمد از محمد فیضان ایک اصل تخلیقی تصنیف ہے، جس کے تمام حقوقِ اشاعت، طباعت، نقل، تقسیم، ترجمہ، ترمیم، ڈیجیٹل اشاعت اور دیگر متعلقہ حقوق مصنف محمد فیضان کے نام سے محفوظ ہیں۔

اس کتاب کے کسی بھی حصے بشمول متن، کہانی، پلاٹ، کردار، کرداروں کے نام، مکالمے، مناظر، واقعات، تحریری مواد یا دیگر تخلیقی عناصر کو مصنف کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر مکمل یا جزوی طور پر نقل کرنا، دوبارہ لکھنا، شائع کرنا، چھاپنا، فروخت کرنا، تقسیم کرنا، آن لائن اپ لوڈ کرنا، کسی دوسرے نام سے پیش کرنا یا اپنے نام سے منسوب کرنا سختی سے ممنوع ہے۔

خصوصاً کسی فرد، ادارے، ناشر، اشاعتی ادارے، ویب سائٹ، سوشل میڈیا اکاؤنٹ یا کسی بھی دوسرے پلیٹ فارم کی جانب سے اس کتاب یا اس کے کسی حصے کو اپنے نام سے شائع کرنا، اپنے نام سے اعلان کرنا، خود کو مصنف کے طور پر پیش کرنا، یا مصنف کی تخلیقی کاوش سے کسی بھی قسم کا ناجائز فائدہ اٹھانا ناقابل قبول ہوگا۔

بغیر اجازت کسی بھی قسم کی نقل، اشاعت، طباعت، تقسیم، سرقہ یا غلط نسبت کی صورت میں مصنف اپنے دستیاب قانونی حقوق استعمال کرنے اور متعلقہ فرد یا ادارے کے خلاف مناسب قانونی کارروائی، بشمول ہرجانے اور دیگر دستیاب قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

یہ قانونی انتباہ کسی بھی فرد یا ادارے کو اس کتاب کے مواد کے غیر مجاز استعمال سے بری الذمہ نہیں کرتا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا'' کسی غیر مجاز استعمال کو جائز نہیں بناتا۔

مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کے حقوق یا مواد کا کوئی بھی استعمال مجاز تصور نہیں کیا جائے گا۔

© Muhammad Faizan-ALL RIGHTS RESERVED.

محمد فیضان

# ولی محمد

Book Time Publication,
Urdu Bazar, Karachi.
+92 315 2839042

انتساب

میرے جونیئر **ولی** کے نام۔

جس سے کیا گیا ایک وعدہ، آج **"ولی محمد"** کی صورت میں پورا ہو گیا۔

اور ہر اُس دل کے نام، جو اپنے رب کی طرف لوٹ آنا چاہتا ہے۔

ہر اس شخص کے نام جو اپنے بھائی سے بے لوث محبت کرتا ہو۔

جو اپنے وعدے کو آخری سانس تک نبھانا جانتا ہے، جو اپنے رب سے محبت کرتا ہے

اور ہر اس شخص کے نام جس سے میرا "رب" محبت کرتا ہے۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ وعدے وقت کے ساتھ پرانے نہیں ہوتے، بلکہ انسان کے اندر خاموشی سے زندہ رہتے ہیں۔ یہ ناول بھی ایک ایسے ہی وعدے کی تکمیل ہے۔
کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے ایک جونیئر جس کا نام ولی تھا، سے کہا تھا کہ ایک دن اس کے نام پر ایک ناول لکھوں گا۔ شاید اُس وقت ہم دونوں کو بھی اندازہ نہ تھا کہ ایک معمولی سا جملہ ایک دن سینکڑوں صفحات پر پھیل جائے گا۔ آج ''ولی محمد'' اسی وعدے کی تکمیل ہے۔
اس کہانی میں آپ کو کچھ نام ایسے ملیں گے جو محض الفاظ نہیں، بلکہ میری زندگی کی یادیں ہیں۔ ولی، افضال الیاس، قاری ذیشان عزیز اور ابراہیم حقیقی زندگی کے وہ لوگ ہیں جن سے میرا تعلق رہا، جن کے ساتھ میں ہنسا، سیکھا اور زندگی کے کئی لمحے گزارے۔ اسی لیے ان کے نام اس کہانی میں اپنی اصل شناخت کے ساتھ موجود ہیں۔ البتہ حنین، یزمان، فہیم اور بعض دیگر کردار تخیل کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔
یہ ناول صرف ایک کہانی نہیں، ایک سفر ہے۔ کچھ راستے محبت کے ہیں، کچھ جدائی کے، کچھ توبہ کے، کچھ صبر کے، اور کچھ ایسے ہیں جہاں انسان پہلی بار خود کو پہچانتا ہے۔ میری آپ سے صرف اتنی سی درخواست ہے کہ اگر اس سفر کا آغاز کریں تو اسے ادھورا نہ چھوڑیے گا۔ بعض کہانیاں اپنے آخری صفحے پر جا کر اپنا اصل تعارف کراتی ہیں۔
ممکن ہے اس کتاب میں آپ کو کہیں کوئی خامی، کوئی لغزش یا کوئی کمی محسوس ہو۔ اگر ایسا ہو تو
ایک سیکھتے ہوئے قلم کار کی کوشش سمجھ کر درگزر فرمایئے گا۔ میں نے اس کے ہر صفحے پر اپنی
استطاعت سے بڑھ کر اخلاص رکھنے کی کوشش کی ہے۔
یہ کہانی ہر اُس شخص کے نام ہے جو اپنے بھائی سے بے لوث محبت کرتا ہے، ہر اُس دل کے نام جو اپنے خالق کی طرف لوٹنے کی خواہش رکھتا ہے، ہر اُس انسان کے نام جو اپنے کردار کی حفاظت کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے، اور ہر اُس شخص کے نام جو اپنی محبت کو صرف پانا نہیں، بلکہ اسے پاکیزہ انداز میں نبھانا چاہتا ہے۔ اگر اس ناول کے کسی ایک منظر، کسی ایک مکالمے یا کسی ایک جملے نے آپ کے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی خیر، محبت یا اللہ کی طرف رجوع کا احساس پیدا کر دیا، تو یقین جانیے، میرے لیے یہی اس کتاب کی سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔
دعا کیجیے گا کہ یہ قلم ہمیشہ ایسی ہی بات لکھے جو دلوں کو جوڑے، انسان کو انسان سے اور انسان کو اپنے رب سے قریب کرے۔

محمد فیضان

''ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا۔'' (سورۃ البقرۃ)

''بابا! یہ تصویر کس کی ہے؟'' وہ اُن کے پیچھے ہاتھ میں ایک پینٹنگ لیے کھڑا تھا۔

ابراہیم انصر نے آسمان سے نظریں ہٹائیں اور آہستہ سے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''اسماعیل! میں نے تمہیں منع کیا تھا نہ کہ اس پینٹنگ کو دوبارہ وہاں سے مت نکالنا۔'' انہوں نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی کہا۔

وہ سترہ، اٹھارہ برس کا ایک نوجوان تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی پینٹنگ تھی جسے وہ دائیں ہاتھ سے مضبوطی سے تھامے کھڑا تھا۔ وہ پینٹنگ ہمیشہ ابراہیم انصر کی اسٹڈی میں رکھی ایک میز کی دراز میں بند رہتی تھی۔

اسماعیل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اُن کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

''بابا آپ کبھی نہیں بتاتے کہ اس تصویر میں یہ دو لوگ کون ہیں۔'' اسماعیل ہلکا سا منہ بسورے اُن کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم ہر دوسرے دن اس پینٹنگ کو اٹھا کر میرے پاس چلے آتے ہو۔ آخر تم کیوں اس کے پیچھے پڑے ہو؟'' ابراہیم انصر نے دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

''مجھے بس یہ جاننا ہے کہ آپ اسے اتنا چھپا کر کیوں رکھتے ہیں۔۔۔ اور اس پینٹنگ میں یہ دو لوگ آخر کون ہیں اور ہمارا ان سے کیا تعلق ہے۔''

ابراہیم صاحب نے اس کی بات سنی، مگر کچھ نہ بولے۔ چند لمحے وہ خاموشی سے اسی کے چہرے کو دیکھتے رہے، جیسے کسی پرانی یاد نے انہیں یک دم اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔

''یہاں بیٹھو۔'' انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے کرسی کھینچ کر اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔

شام ڈھل رہی تھی۔ وہ دونوں لان میں بیٹھے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وقفے وقفے سے پودوں کی شاخوں کو ہلاتے تو ارد گرد مدھم سی سرسراہٹ گونج اٹھتی۔

''یہ پینٹنگ مجھے دو۔'' اُنہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اسماعیل کی طرف بڑھایا۔

اسماعیل نے بنا کچھ کہے پینٹنگ اُن کے ہاتھ میں دے دی۔ ابراہیم انصر نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھاما اور دیر تک خاموشی سے دیکھتے رہے۔

پینٹنگ میں ایک لڑکا چھوٹی سی دیوار پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے ٹکے ہوئے تھے۔ اس نے آف وائٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور اس کے بال بے ترتیب تھے۔ اس کے چند انچ کے فاصلے پر ایک لڑکی بیٹھی تھی، جس نے سیاہ رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی جبکہ اس کے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ دونوں کو صرف پیچھے سے دکھایا گیا تھا، جیسے کسی نے خاموشی سے ان کی تصویر عقب سے کھینچ لی ہو۔ پینٹنگ کے بائیں کونے میں چھوٹے حروف میں ایک نام لکھا تھا، ''ولی محمد''، اور اس کے نیچے تاریخ درج تھی،

''۲۱ نومبر''۔

پینٹنگ پر نظریں جمائے ابراہیم صاحب کی آنکھیں آہستہ آہستہ نم ہو گئیں۔ انہوں نے لرزتے ہاتھ سے اس پینٹنگ پر انگلیاں پھیریں، پھر دھیرے سے نظریں اٹھا کر اسماعیل کو دیکھا، جو مسلسل انہی کے چہرے کو تک رہا تھا۔

''تمہیں جاننا ہے کہ یہ کون ہیں؟'' وہ جب بولے تو اُن کی آواز ہلکی سی بھرائی ہوئی تھی۔

اسماعیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''وعدہ کرو کہ پھر اس کے بعد کبھی اس پینٹنگ کا ذکر نہیں کرو گے۔'' انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ

اسماعیل کی طرف بڑھایا۔

''وعدہ۔'' اسماعیل نے اُن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ پینٹنگ آج سے چند سال پہلے تمہارے انکل ولی نے بنائی تھی۔ یہ جو لڑکا تمہیں دیوار پر بیٹھا نظر آ رہا ہے یہ ولی انکل ہیں اور ان کے ساتھ ہانی بیٹھی ہیں۔'' انہوں نے پینٹنگ پر انگلی رکھتے ہوئے اسے بتایا۔

''ولی انکل کون ہیں؟'' اسماعیل نے نا سمجھی سے اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ولی انکل میرے کزن تھے جو کہ۔۔۔۔'' وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئے۔ شاید الفاظ جمع کر رہے تھے، یا پھر خود کو۔

آخر کار انہوں نے گہرا سانس لیا، پینٹنگ پر ایک آخری نظر ڈالی اور اپنے بیٹے کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

انہوں نے پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

★。° ✦ °。★

وہ خاموشی سے مائک کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔صاف ستھرا لباس جو کہ کسی بھی قسم کی شکن سے پاک تھا، ٹائی سلیقے سے اپنی جگہ پر اور بال پیچھے کی طرف بنے ہوئے،

چہرے پر ہلکی داڑھی تھی جو خط کی صورت بنی ہوئی تھی۔

اس چہرے پر کچھ اور بھی تھا جو تھوڑا مختلف تھا۔ وہ نگاہیں، وہ اطمینان۔۔۔آہ اُس کا سکون اور اطمینان رشک کے قابل تھا۔

نہ غرور کی کوئی جھلک اور نہ تکبر کا کوئی نشان۔۔۔ایسا سکون جیسے کسی نے کچھ پا لیا ہو، کچھ ایسا جسے حاصل کرنے کے لئے وہ خاموش نگاہ آسمان کی طرف اٹھاتا رہا ہو، ایک بار، دو بار، کئی بار۔

وہ تقریباً تیس برس کا نوجوان تھا، اس نے جب بولنا شروع کیا تو اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ تھا اور الفاظ۔۔۔الفاظ تو ایسے کہ سیدھا دل پر اثر کریں۔

''شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ستار العیوب ہے، جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی، جس کے قبضۂ قدرت میں یہ پوری کائنات ہے، جو ہمارے دلوں کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو خوب خوب جاننے والا ہے۔''

ہال میں بیٹھے تمام لوگ اس ایک شخص کو سن رہے تھے جس کی وجہ سے آج وہ سب دُور دُور سے یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔

اس کے پیچھے اور بھی بہت سی ہستیاں پر اجمان تھیں، چند ایسے لوگ جو اُس کے منہ سے نکلنے والے الفاظوں کو دل کے کانوں سے سنتے تھے۔

''آج جس مقام پر میں کھڑا ہوں یہاں میں اپنی مرضی سے نہیں آیا، یہاں مجھے لایا گیا ہے اور اس جگہ پہنچنے کے لیے جو سب سے بڑی مدد مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہے وہ اللہ رب العزت کی ہے، کیونکہ''

وہ ٹھہر ٹھہر کر پورے ہال میں نظریں گھماتے ہوئے بول رہا تھا۔

''کیونکہ اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے، ''اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔''(53:39)

''میں یہ بات مانتا ہوں کہ میں نے تھوڑی سی کوشش کی تھی۔'' اُس نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ دکھایا تھا۔

''مگر اس کوشش کی ہمت بھی اللہ ہی نے مجھے دی تھی۔''

اُس نے توقف کیا اور ہال میں ایک نظر دوڑائی۔۔۔اس کی آنکھوں میں کسی کی تلاش تھی، وہ کسی کو کھوج رہا تھا مگر اس کی نگاہ ناکامی سے واپس اس کی طرف لوٹ رہی تھی۔

''میرے پاس آج اس موقع پر بولنے کے لیے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے، میں آج اللہ کے بعد ہر اس شخص کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے میرے اس سفر پر میری مدد کی اور میری صحیح راستے کی طرف راہنمائی کی۔''

اس کی آنکھوں میں نمی اُبھر آئی تھی جیسے اُس نے اِس سفر میں کسی کو کھویا ہو، کوئی ایسا جو اُس کے لیے بہت عزیز رہا تھا۔

''میں ہر اس انسان کا احسان مند ہوں جس کی وجہ سے میرے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوئی، جس کی وجہ سے میں نے اللہ کے وجود کو صحیح معنوں میں دل سے تسلیم کیا۔''

اُس کے ذہن کے پردے پر ایک شخص کا چہرے کا عکس لہرایا تھا، ایسا چہرہ جسے وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔۔۔اُسے وہ رات بھی یاد آئی تھی جو بالکل سیاہ تھی مگر اُس رات اُس کے دل میں ایک چراغ روشن ہوا تھی۔

''یہ زندگی ایک سفر ہے جو برسوں سے چلا آرہا ہے، یہ سفر خود سے خدا تک کا سفر ہے، اس میں آزمائشیں بھی آئیں گی، آسانیاں بھی ملیں گی، درد بھی سہنا پڑے گا اور سکون بھی حاصل ہو گا۔''

ہال میں ہر طرف خاموشی پھیلی تھی، تمام لوگ پوری طرح اُس کی طرف متوجہ تھے، وہ جب بھی بولتا تھا تمام لوگ اُسے ایسے ہی سُنا کرتے تھے۔

''جب بھی تمہیں لگے کہ تم تنہا ہو، یہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہاری ہر کوشش کو دیکھ رہا ہے، اور تمہارے ہر قدم کی رہنمائی کر رہا ہے۔''

اُس کے ذہن میں وہ سیاہ رات گھوم رہی تھی جس رات اُس کی زندگی نے ایک الگ موڑ لیا تھا، جس رات باہر تو بالکل خاموشی تھی مگر اُس کے اندر ایک شور اُمڈ آیا تھا، جس رات اُس کے اندر ایک طوفان چل پڑا تھا۔

''جو شخص اپنے اندر کے خوف اور شک کو اپنے ایمان پر حاوی نہیں ہونے دیتا اُسے پھر خود للہ اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔''

اُس نے ایک لمحے کے لیے نظریں نیچی کیں، گلا صاف کیا۔

اُس رات اگر وہ طوفان اس کے دل میں نہ اٹھتا تو شاید آج دنیا کی رنگینی میں کہیں کھو چکا ہوتا، شاید دنیا آج اسے اپنے اندر دھنسا لیتی، شاید دنیا اس کی ذات کو فنا بھی کر چکی ہوتی۔

وہ اپنی بات ختم کر چکا تھا، جو کہنا تھا وہ کہہ چکا تھا، وہ مائک چھوڑ کر مڑ رہا ہی تھا جب ایک 17 سے 18 برس کے نوجوان نے اُسے پُکارا تھا۔

وہ اپنے عقب سے آنے والی آواز کو سن کر رُک گیا تھا، وہ واپس پلٹا اور اُس نوجوان کو دیکھا جو پرجوش سا کھڑا تھا، اُسے مائک تھمایا گیا اور پھر اُس نے بولنا شروع کیا۔

''سر محمد! کیا آپ بچپن سے ہی اتنے دیندار رہے ہیں اور ہمیشہ سے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہے ہیں؟ یا پھر یہ تبدیلی بعد میں آئی ہے؟'' وہ خاموشی سے کھڑا اُس کا سوال سننے لگا تھا۔

''کیونکہ آج کے دور میں لوگوں نے دین کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور اکثریت اسے پرانے زمانے کا دین مانتی ہے۔''

محمد اس کی یہ بات سن کر مسکرا دیا تھا، ایک اداس مسکراہٹ، جیسے اس نوجوان نے اسے ماضی میں دھکیل دیا ہو یا پھر کچھ اور جو اسے کبھی بھول نہ پایا ہو۔

وہ لڑکا، وہ ہال، وہ کراؤڈ۔۔۔ سب کچھ وہیں ٹھہر گیا تھا، ہر چیز ساکن ہو گئی تھی۔

★。° ✦ °。★

چند سال قبل۔

نیلا آسمان اپنی پوری وسعت کے ساتھ چھایا ہوا تھا، جیسے قدرت نے کوئی نیلا پردہ تان دیا ہو، سردیوں کی دھوپ ہر شے کو اپنی کرنوں سے روشن کر رہی تھی۔

ایک وسیع و عریض سڑک جو جدید طرز پر بنی ایک عمارت کی طرف جا رہی تھی، اگر تم اس عمارت کی حدود میں داخل ہو تو تمہیں سامنے گھاس کا بہت بڑا میدان نظر آئے گا جہاں طلباء کی چہل پہل جاری تھی۔

کوئی اُس فارغ وقت میں کوئیز کی فکر میں کتاب اٹھائے ہوئے تھا تو کوئی کینٹین سے کھانے پینے کی اشیاء لا رہا تھا۔

'' تم نے جو گفٹ مجھے دیا ہے اس کے لیے تھینک یو سو مچ، مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھے تھے، ولی کے چہرے پر خوشی کی ایک الگ ہی چمک نظر آ رہی تھی جس کی وجہ اُس کا بھائی '' محمد'' تھا۔

''ولی! تم وہ ڈِزرو کرتے ہو یار، اور ویسے بھی Dodge challenger کی SRT HellCat تمہارا خواب رہی ہے اور اس خواب کو میں نے پورا کر دیا ہے۔'' وہ اُس کے شانے پر ایک ہاتھ دھرتے ہوئے بولا تھا۔

''یار میں HellCat کی بات نہیں کر رہا، تمہیں پتا بھی ہے کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں۔''

''دیکھو! جو میرا ہے، وہ تمہارا ہے، اور جو تمہارا ہے، وہ تو ویسے بھی تمہارا ہی ہے نا۔'' محمد نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

''کیا یہ کوئی جوک تھا؟ اور کیا مجھے اس پر ہنسنا بھی تھا؟'' ولی اُسے گھورنے لگا تھا۔

''وہ تو۔۔۔ ایسے ہی بس۔۔۔ فلو میں میں نے کہہ دیا۔'' محمد کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی تھی۔

''تم اتنے سیریس میٹر کو ایسے کیسے فلو میں بہا سکتے ہو یار؟'' ولی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات کی جگہ اب پریشانی نے لے لی تھی۔

'' میں سب سنبھال لوں گا، یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' محمد کو تو گویا رتی بھر بھی فکر نہیں تھی۔

''تمہیں پتا ہے نہ اگر بابا کو اس کا پتا لگا تو کیا انجام ہو گا؟'' ایک اور خدشہ ظاہر کیا گیا تھا۔

'' اور تمہیں اس سب کی کب سے فکر ہونے لگی؟''

''محمد! میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم یہ جو میری باتوں کو ہوا میں اڑا دیتے ہو نا، اچھا نہیں کرتے۔'' وہ اسے آخری تنبیہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ارے ارے! میرے سوال کا جواب تو دیتے جاؤ۔'' محمد اُسے پیچھے سے آوازیں دینے لگا تھا۔

ولی کے لیکچر کا وقت ہو چکا تھا اس لیے وہ پیر پٹختا اپنی کلاس کی طرف بڑھ چکا تھا اور محمد اپنی جگہ پر بیٹھا بینچ پر ٹیک لگا کر، ٹانگ پر ٹانگ جما کر مسکراتے ہوئے اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔

★。° ✦ °。★

موجودہ دن۔

''سر!۔۔۔سر!''

کسی کی مسلسل دی جانے والے آواز پر وہ واپس حال میں آیا تھا۔ یہ آواز اُس ہی نوجوان کی تھی جو اُس کے سامنے کھڑا اُس سے سوال پوچھ رہا تھا۔

وہ تو اُس کے سوال پر اچانک کہیں کھو گیا تھا، کسی ایسے ماضی میں جو اس کے لیے ہمیشہ یادگار لمحہ

رہا ہو۔

اُس آواز پر وہ اچانک جیسے ہوش میں آیا تھا، کچھ دیر ہال میں نظریں دوڑانے پر اُسے یاد آیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں کیوں موجود تھا۔

'' آئی ایم سوری!''

وہ اپنے اس طرح گہری سوچ میں کھو جانے پر شرمندہ ہوا تھا۔

'' مجھے معاف کرنا مگر کیا آپ اپنا سوال دوبارہ دوہرا سکتے ہیں؟''

وہ اس نوجوان کو سوال دوبارہ دوہرانے کے لیے کہہ رہا تھا، وہ کیسے بھول گیا تھا؟ یہ وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

''سر محمد! کیا آپ بچپن سے ہی اتنے دیندار رہے ہیں اور ہمیشہ سے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہے ہیں؟'' وہ نوجوان پھر سے اپنا سوال من و عن دوہرانے لگا تھا مانو وہ گھر سے یاد کر کے آیا ہو۔

'' نہیں، میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا، بہت سے سال لگے اور سال بھی عَین جوانی کے۔''

اِس جواب کے بعد محمد کی آنکھیں اُداس ہو گئی تھیں۔

آنکھیں دل کا آئنہ ہوا کرتی ہیں۔۔۔دل کا حال چہرے اور آنکھوں پر باخوبی ظاہر ہو جاتا ہے، جواب دیتے ہوئے اُس کا دل اُداس ہو گیا تھا۔۔۔شاید کسی پُرانی کہانی کی وجہ سے، شاید کسی پرانی یاد کے آنے پر یا شاید کسی پُرانے سفر کی وجہ سے۔

''تو پھر آپ یہاں تک کیسے پہنچے؟ اور کتنا عرصہ لگا آپ کو اِس مقام تک پہنچنے میں؟''

وہ نوجوان بھی اس منزل کا مسافر لگ رہا تھا، اُسے روڈ میپ چاہیے تھا۔ وہ آج یہاں راستہ دریافت کرنے آیا تھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے، اس داستان کو پھر کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔'' اُس نے

مسکراتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔

وہ شاید اپنا گزرا ماضی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا یا پھر ''اس'' وقت یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہمارا گزرا ہوا وقت ہمیں ہانٹ کرتا ہے، کوئی بھی اپنے کل کو یاد نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ہر انسان اپنے کل کو بھول جانا چاہتا ہے۔

مگر ہر انسان کے لیے سب سے اہم بھی اس کی یادیں ہی ہوتی ہیں، اگر وہ بری ہوں تو وہ ری کال ہونے پر ہمیں خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر اچھی ہوں تو برا دن بھی اچھا ہو جاتا ہے۔

''میرا ایک اور سوال ہے۔'' اس لڑکے نے اپنا دوسرا سوال پوچھنا چاہا۔

''جی پوچھیں۔'' محمد نے اسے اجازت دی۔

''کیا آپ کو زندگی میں سب کچھ ملا؟'' اس نے محمد کے چہرے پر نظریں ٹکائے ہوئے کہا۔

محمد نے اس کے سوال پر گہرا سانس لیا۔

"نہیں،انسان کو بہت سی چیزیں نہیں ملتی اور مجھے بھی نہیں ملیں۔" اس نے اداس مسکراہٹ سے مختصر جواب دیا۔

اُس نوجوان کے بعد چند اور لوگوں نے بھی اُس سے چند سوالات کیے، جن کے جوابات دینے کے بعد تقریب کا رُخ اصل موضوع کی جانب مڑ گیا تھا۔

اُسے آج ایک اہم ایوارڈ سے نوازا جانا تھا، جو کہ تمام لوگوں کے جمع ہونے کا اصل مقصد تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنا ایوارڈ ہاتھ میں تھامے، اپنی نشست کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ ملے تو یہ پوچھنا ہے مجھے

اب بھی ہوں میں تری امان میں کیا؟

وہ اپنی نشست پر ٹیک لگائے بیٹھا اوپر کی طرف کسی غیر مرئی نقطہ کو دیکھ رہا تھا، اس سے پہلے اُس کی نظریں پورے ہال میں گھوم رہی تھیں، وہ کسی کو تلاش کر رہا تھا یا ہو سکتا ہے اس کے دماغ میں کوئی چہرہ بار بار آ رہا ہو جسے وہ اس ہال میں دیکھنے کا خواہش مند تھا، ہو سکتا ہے۔۔۔ ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

یوں جو تکتا ہے آسمان کو تُو

کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا؟

★。° ✦ °。★

چند سال قبل۔

تاریخ تھی 17 اگست اور وقت تھا صبح 7:00 بجے کا۔

" حنین ! حنین ! جلدی کرو بیٹے ورنہ کالج کے لیے لیٹ ہو جاؤ گی۔"

وہ جھکی ہوئی اپنے شوز کے تسمے باندھ رہی تھی جب اس کی ماں کی آواز اوپر والے کمرے تک پہنچی۔ اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، گہری سانس لی اور تسمہ مضبوطی سے کھینچ دیا، ہاتھ جھاڑے اور بیڈ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ ایک خوبصورت سا چوکور گھر تھا جس پر گرے اور سیاہ رنگ ہوا تھا، گھر کے باہر ایک تختی لگی تھی جس پر " دیوانِ ارحم خان آفریدی" لکھا ہوا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ایک وسیع و عریض سٹنگ ایریا موجود تھا جہاں نفاست سے سجے ہوئے صوفے مہمانوں کے لیے خوشگوار استقبال فراہم کرتے تھے۔

گھر کی پہلی اور دوسری منزل پر موجود کمروں کی وسعت اور ترتیب اس بات کی غمازی کرتی تھی کہ یہ گھر نہ صرف رقبے کے اعتبار سے بڑا تھا بلکہ تعمیر و تزئین میں بھی بے حد مہنگا اور ذوقِ سلیم کا شاہکار تھا۔

ہر کونے سے خوش ذوقی جھلکتی تھی، اور پورا گھر ایک ایسی پُرآسائش زندگی کی علامت تھا جس کا خواب ہر کوئی دیکھتا تھا۔

گھر کے مرکزی ہال کے ایک کنارے پر لکڑی کی نفیس سیڑھیاں اوپر کی جانب جاتی تھیں، جو نہایت خوبصورتی سے تیار کی گئی تھیں۔

سیڑھیاں چڑھتے ہی اوپر ایک کشادہ لابی میں قدم پڑتا تھا، جو نیچے کے حصے کی طرح ذوق و سلیقے کا آئینہ دار تھا۔

اوپر کی منزل پر تین بیڈ رومز تھے، جن میں ہر ایک کا اپنا الگ انداز، اپنی مخصوص آرائش اور اٹیچڈ باتھ روم تھے۔ اوپر موجود کمروں میں سے ایک کمرہ حنین ارحم جبکہ ایک کمرہ یزمان ارحم کا تھا۔

بڑے کمرے کی کھڑکی سے باہر باغیچے کا دلکش منظر دکھائی دیتا تھا، جو صبح کی نرم دھوپ میں نہا کر اور بھی خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔

کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے۔ صبح کی دھوپ کمرے میں پھیل کر اس کی یونیفارم کو اور نمایاں کر رہی تھی۔ صاف استری کیا ہوا یونیفارم، سادہ سا بیگ، اور چہرے پر وہی سنجیدہ سی یکسوئی جو اس کی عمر سے ذرا بڑی لگتی تھی۔

اس نے ہینگر سے اپنا ہلکا سا گاؤن اٹھایا اور اُسے دیکھنے لگی۔ وہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ اُس کے لیے بہت بڑی جنگ لڑ چکی ہو، اور وہ اُس جنگ کی کامیابی کے بعد ملنے والا تحفہ ہو۔

کچھ دیر بعد اُسے یونہی گھورنے کے بعد اُس نے اُسے یونیفارم کے اوپر پہن لیا۔ گاؤن نے اس کی سنجیدگی میں ایک اور تہہ شامل کر دی، جیسے وہ خود کو دنیا کی نظروں سے تھوڑا سا محفوظ کر رہی ہو۔

''جی ممی! بس تیّار ہو گئی ہوں۔'' وہ کمرے میں سے ہی چلائی تھی۔

وہ جلدی جلدی میں اپنا کالج بیگ اٹھاتی کمرے کے بیرونی دروازے کی طرف دوڑی تھی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی نظریں گھڑی پر ٹکی تھیں جس کی سوئیاں اپنی رفتار سے اپنا سفر طے کر رہی تھیں۔ وہاں سے اُس کی نظریں اپنی ماں کو کھوجنے لگی، اُس کی آنکھوں میں ڈر تھا، چال لڑکھڑا رہی تھی اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو رہی تھیں۔ نیچے ڈائننگ روم میں یزمان پہلے سے بیٹھی تھی۔ اُس نے اپنے بالوں کو بے ترتیبی سے کیچر میں مقید کیا ہوا تھا۔ وہ پلیٹ میں پراٹھا توڑتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''واہ، آج تو میڈم بڑی آفیسر لگ رہی ہیں۔'' اس نے حنین کو دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''کالج جا رہی ہوں، کسی ریڈ پر نہیں۔'' حنین نے بھی مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

''ناشتہ کر کے جانا، خالی پیٹ بہادری نہیں چلتی۔'' مسز ارحم نے کچن سے اُنچی آواز میں اُسے تنبیہ کی تھی۔

''جی ممی، بس ایک منٹ۔''

حنین نے بیگ کرسی پر رکھا، جلدی سے یزمان کے سامنے سے ایک لقمہ توڑا، منہ میں رکھا، اُسے چبایا اور اُس کی چائے سے ایک گھونٹ لیا۔

''شریف لوگ کسی کے ناشتے کو بغیر پوچھے ہاتھ نہیں لگاتے۔'' یزمان نے اُس کی پوری کارروائی کو بخوبی نوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''تو تمہیں کس نے کہا میں شریف ہوں؟'' حنین اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے بولی تھی۔

''میں ہی بیوقوف ہوں۔'' یزمان نے منہ بنایا۔

''ویسے اس میں کسی بات کا شک نہیں ہے۔'' حنین اُس کے ناشتے کو مزے سے اپنا بنائے بیٹھی سکون سے کھانے لگی تھی۔

''ممی مجھے بھی ناشتہ لا دیں، میرے ناشتے پر تو اس ڈائن نے قبضہ کر لیا ہے۔'' وہ جلی بھُنی بیٹھی تھی۔

''ڈائن کس کو بولا تم نے یزمان؟'' حنین کا منہ تک جاتا لقمہ رک گیا تھا۔

''آفکورس تمہیں ہی کہا ہے۔'' یزمان نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا تھا۔

''ممی۔'' حنین کو تو مانو سر کی لگی تلوؤں پر بجھی۔

''کبھی سکون سے انسانوں کی طرح بھی ناشتہ کر لیا کرو تم دونوں۔'' مسز ارحم نے اُنہیں کچن سے اُنچی آواز میں ڈپٹا تھا۔

''غلطی اس کی تھی۔'' حنین نے لاپرواہی سے شانے اچکائے تھے۔

''یہ جھوٹ بول رہی ہے ممی۔'' یزمان تو اُسکے ایسے الزام لگانے پر بوکھلا گئی تھی۔

''تم دونوں ہی ایک سی ہو، اچھے سے جانتی ہوں میں تم دونوں کو اور۔۔۔''

کچن سے آتے ہوئے مسز ارحم کی نظر جیسے ہی حنین پر پڑی، وہ وہیں جم گئیں۔

ان کی آنکھیں پھیل گئیں، بھنویں سکڑ گئیں، اور ہاتھ آہستہ سے کمر پر جا ٹکا۔

''یہ کیا پہنا ہوا ہے تم نے؟''

حنین نے گھبراہٹ سے اُن کی طرف دیکھا۔

یزمان نے پہلے حنین کو دیکھا، پھر اپنی ماں کو، ''اوہ نو۔۔۔'' اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا۔

''تم ایسے کالج جاؤ گی؟ سیریئسلی؟''

اس بار ٹون میں حیرت سے زیادہ اریٹیشن تھا۔

''ممی وہ۔۔۔میں'' حنین نے ہمت جمع کر کے بولنے کی کوشش کی۔

''میں کیا؟'' مسز ارحم نے فوراً بات کاٹ دی، وہ ایک قدم آگے بڑھیں۔

''میں نے منع کیا تھا تمہارے بابا کو کہ یہ سب نہ دلوائیں! مگر نہیں۔۔وہ میری سنتے ہی کہاں ہیں۔

''ممی!'' یزمان نے آہستہ سے کہا۔

''تم بیچ میں مت بولو یزمان!''

انہوں نے انگلی اٹھا کر روکا، پھر دوبارہ حنین کی طرف مڑیں۔

''تمہیں آخر ہو کیا گیا؟ پہلے اتنی بڑی چادر لپیٹ کر رکھتی تھی اور آج اچانک یہ؟''

حنین کے ہاتھ کانپنے لگے، اس نے نوالہ واپس رکھ دیا۔

''ممی میں بس۔''

''بس کچھ نہیں! اٹھو، جا کر چینج کرو اسے۔ ابھی۔''

حنین کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''ممی! پلیز۔''

''نو پلیز!''

''ممی! پردہ کر رہی ہے وہ!'' یزمان منمنائی تھی۔

مسز ارحم نے تیز نظر اس پر ڈالی۔

''تمہیں بڑا ڈیفینڈ کرنا آرہا ہے آج کل اسے! کل تک تم دونوں ایک دوسرے کے کپڑے لے کر لڑ رہی تھیں!''

یزمان نے ہلکی سی جھنجھلاہٹ سے سانس خارج کی۔

''وہ الگ بات ہے ممی! یہ سیریئس ہے۔''

''سیریئس؟'' مسزارحم طنزیہ ہنسیں۔

''تم لوگوں کو ہر چیز ٹرینڈ لگتی ہے! آج کل سوشل میڈیا پر 2 ریلز دیکھ لو، اگلے دن لائف اسٹائل بدل جاتا ہے۔''

''پردہ کرنا ٹرینڈ نہیں ہے! یہ چوائس ہے!'' یزمان نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی۔

''چوائس؟'' وہ قریب آئیں، آواز دبی مگر سخت۔

''تم لوگ ابھی بچے ہو، تمہیں نہیں پتا باہر کی دنیا کیسی ہے، سوسائیٹی میں ہمارا ایک سٹیٹس ہے،

کیا منہ دکھائیں گے ہم؟''

''ایگزیکٹلی ممی!'' یزمان پر تو گویا ڈانٹ کو کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''ہم ہی تو باہر جاتے ہیں روز! ہمیں ہی تو آج کی دنیا کا پتا ہے کہ باہر کھڑے مرد کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ نہیں دیکھتیں جو ہم دیکھتے ہیں!''

کمرے میں ٹینشن بڑھ گئی۔

''تو تم یہ کہہ رہی ہو کہ سب مرد خراب ہیں؟'' مسزارحم نے تیز لہجے میں کہا۔

یزمان نے فوراً سر ہلایا۔

''نہیں! سب نہیں۔۔۔ لیکن کچھ مرد ایسے ہیں جن سے بچ کر رہنا پڑتا ہے۔''

وہ تھوڑی آگے جھکی، آواز نیچی مگر بھاری۔

''ممی! آپ نے توجہ نہیں دی؟

بازار میں، یونی میں، یہاں تک کہ فیملی فنکشن میں نظریں کیسے تعاقب کرتی ہیں لڑکی کو؟''

حنین نے خاموشی سے آنسو صاف کیے، مگر اب وہ سن رہی تھی۔

''اگر سامنے والا عزت ہی نہ کرے تو؟ پھر کیا؟''

''تو حل یہ ہے کہ تم خود کو چھپا لو؟'' مسزارحم ایک لمحے کو خاموش ہوئیں، مگر فوراً بول پڑیں۔

''میں عبایا نہیں لیتی مگر کپڑے اس طرح کی پہنتی ہوں کہ باہر موجود انسان کی کھال میں چھپے بھیڑیوں کی نظروں سے بچ سکوں۔'' اُس نے ایک سیکنڈ کے لیے سانس لیا۔

''اور حل یہ ہے کہ ہم خود طے کریں کہ ہمیں کیا آرام دہ لگتا ہے!''

''اور یہ تمہیں آرام دہ لگ رہا ہے؟''

انہوں نے حنین کی طرف اشارہ کیا۔

حنین نے ہمت کر کے سر اٹھایا، آواز ہلکی کانپ رہی تھی۔

''جی ممی! لگ رہا ہے۔'' وہ معصوم سا چہرہ بنائے بولی۔

چند سیکنڈ مکمل خاموشی رہی۔

پھر مسزارحم نے گہری سانس لی، جیسے خود کو کنٹرول کر رہی ہوں۔

''تم لوگ سمجھتی ہو میں تمہاری دشمن ہوں؟ میں نے بھی زندگی دیکھی ہے، میں جانتی ہوں لوگ کیسے ہوتے ہیں۔''

''تو پھر آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں؟'' یزمان نرم پڑی، مگر رکی نہیں۔ وہ اسی وجہ سے تو کرنا چاہتی ہے، تاکہ وہ اُن نظروں سے بچ سکے۔''

مسزارحم نے تھوڑا سا چہرہ موڑا... جیسے بات ٹھیک لگی ہو، مگر ''لوگ کیا کہیں گے'' درمیان میں آڑ بن رہا ہو۔

''بس، بہت ہو گیا۔''

انہوں نے بات ختم کی اور مڑ گئیں۔

''جو کرنا ہے کرو۔''

وہ کچن کی طرف چلی گئیں، قدم پہلے سے تھوڑے بھاری تھے۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

''یار تم نے تو جنگ لڑلی۔'' حنین نے فوراً یزمان کا ہاتھ پکڑا۔

''ہاں، اور ابھی ceasefire ہوا ہے، ختم نہیں ہوئی۔'' پھر وہ ذرا سنجیدہ ہوئی۔

''بس دیکھو، اب تمہیں مضبوط رہنا پڑے گا۔ یہ ایک دن کی بات نہیں ہے۔''

حنین نے آہستہ سے سر ہلایا۔

اس بار اس کی آنکھوں میں صرف آنسو نہیں تھے۔

تھوڑی دیر پہلے ناشتے کی وجہ سے لڑنے والی یزمان اب کہیں نہیں تھی، اب جو حنین کے سامنے بیٹھی تھی وہ یزمان بالکل مختلف تھی۔

تھوڑی دیر بعد ملازمہ یزمان کے سامنے ناشتہ رکھ رہی تھی کہ پہلے والے پر حنین قبضہ جما کر بیٹھی کھانے لگی تھی۔

وہ ناشتہ مکمل کر کے تیزی سے بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دھوپ اب لان میں پوری طرح پھیل چکی تھی۔ ایک لمحے کو اس نے پلٹ کر اُس گرے اور سیاہ پینٹ والی چوکور عمارت کو دیکھا اور پھر قدم باہر رکھ دیا۔

بیرونی گیٹ کے پاس بیٹھے گارڈ نے اُس کے جانے کے بعد دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

تاریخ تھی 17 اگست اور وقت تھا صبح 7 بجے کا۔

اس ہی شہر کی دوسری طرف ایک عالیشان، جدید طرز کا مگر گرمجوشی سے بھرپور گھر، پوری وقار کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُس کی دیوار پر ایک تختی لگی تھی جس پر سنہرے حروف سے '' دیوانِ ریان خان آفریدی'' لکھا ہوا تھا۔

باہر سے دیکھنے پر یہ بنگلہ نہ زیادہ شوخ لگتا تھا نہ سرد، بلکہ اُس کی بناوٹ اور ترتیب میں ایک دھیما سا جلال تھا۔ سنگِ ریت اور ہلکے خاکی رنگ کی بیرونی دیواریں شام کے سورج میں سنہری جھلک دیتی تھیں۔

گیٹ سے اندر داخل ہوں تو دائیں طرف ہری بھری باڑ کے پیچھے ایک ننھا سا باغیچہ مسکرا رہا تھا۔

گھر کے سامنے ایک وسیع لان پھیلا تھا،تازہ کٹی ہوئی گھاس کی خوشبو،درمیان میں پتھروں کا واک وے،اور کنارے پر سفید لکڑی کی میز و کرسیاں، جن پر شام کی چائے کا مزا لیا جا سکتا تھا۔فضا میں سکون ایسا کہ جیسے وقت تھم گیا ہو۔

درمیان میں اُونچا سا پورچ تھا،جہاں سنگل راڈ فانوس کی نرم روشنی رات کو دروازے پر خواب سی روشنی بکھیرتی تھی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی کشادگی کا احساس ہوتا تھا۔سامنے ایک بڑا سٹنگ ایریا،چھت اونچی اور بیچ میں شیشے کا فانوس لٹکا ہوا،جیسے روشنی کو قید کر رکھا ہو۔

فرش پر ایرانی قالین،اور ایک طرف سفید مخملی صوفے،جو خاموشی سے سب کچھ سننے کو تیار رہتے ہوں۔

دائیں طرف سے چوڑی سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں،لکڑی کی ریلنگ اور نیچے نرم کارپٹ لگا تھا۔سیڑھیوں کے نیچے چھوٹا سا اسٹڈی ایریا تھا،جہاں ایک میز،ایک کرسی اور کچھ کتابوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

کچن اندر کی طرف تھا،مگر کھلا ہوا،جدید طرز کا،مگر گرم رنگوں کے ساتھ۔لکڑی کی کیبنٹس، ٹاپ،اور ایک طرف چھوٹا سا بریکفسٹ بار، جہاں دو اونچی کرسیاں رکھی تھیں۔ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پینٹری کمرہ بھی تھا۔

اوپر تین کمرے تھے اور ایک فیملی لاؤنج تھا،ایک بیڈ روم جو اس آفریدی خاندان کے بگڑے ہوئے سپوت کا تھا،لکڑی کا مکمل نمونہ۔کنگ سائز بیڈ، شیشے کی دیوار کے ساتھ نرم پردے،ایک جانب ریڈنگ کارنر جس میں آرم چیئر اور چھوٹی لیمپ لائٹ۔ساتھ ہی ایک دلکش باتھ روم جس میں باتھ ٹب، شاور کیبن اور ماربل سنک موجود تھے۔

یہ وہی کمرا تھا جس میں آفریدی خاندان کا بگڑا ہوا سپوت ''ولی'' بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا،کانوں پر تکیہ رکھے جیسے کسی آواز سے بچنا چاہتا ہو۔ کمرہ تھوڑا بے ترتیب،مگر اُس کی اپنی دنیا۔دیوار پر چند قابلِ اعتراض پوسٹر،اور کونے میں ایک گٹار رکھا ہوا تھا۔اگر واپس نیچے آؤ تو ڈائننگ ٹیبل پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا،صاف ستھرا یونیفارم،بال سلیقے سے بنے ہوئے اور دُھلا دُھلایا چہرہ،اُس کی آنکھوں کا رنگ عام سا تھا،بھورا یا شہد رنگ،مگر اُن میں ایک چارم تھی جس وجہ سے اُنہیں دیر تک دیکھنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ تقریباً ناشتہ مکمل کر چکا تھا اور اب وہ اس کا انتظار کر رہا تھا جو اپنی ماں کی آوازوں کو تکیے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''محمد!تم ولی کو سمجھایا کرو بیٹا،وہ سکول ایک دن جاتا تھا اور چار دن چھٹیاں کرتا تھا اور اب کالج میں بھی شاید اس کا یہی حال رہے۔''مسز ریان کچھ خفا خفا سی تھیں۔

''وہ چار دن چھٹیاں نہیں کرتا تھا مما!بلکہ اُسے پورے پورے ہفتے کے لیے سسپینڈ کیا جاتا تھا۔'' محمد ہنستے ہوئے بولا تھا۔

محمد کی اِس بات پر مسز ریان نے اُسے گھور کر دیکھا جس پر وہ سٹپٹا گیا تھا۔

''اوکے اوکے مما!میں کہتا ہوں جا کر اسے،آپ بے فکر رہیں ۔''وہ فوراً اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولا،گویا دورانِ جنگ سرنڈر کر رہا ہو۔

''تم اس کے بڑے بھائی ہو اور بڑا بھائی تو دوست بھی ہوتا ہے،وہ ویسے بھی تمہاری بات مانتا ہے۔'' مسز ریان سنجیدگی سے کہنے لگی تھیں۔

'' اور یہ کرشمہ کب ہوا مما؟مجھے کیوں نہیں پتا لگا کہ میں اُس کا بڑا بھائی ہوں؟''

محمد حیرت سے اپنے ابرو اُٹھاتے ہوئے بولا تھا۔وہ ایسے حیران ہوا تھا جیسے اُسے کچھ پتا ہی نا ہو اور اتنا بڑا راز آج اُس کے سامنے فاش ہوا ہو۔

''یہ کرشمہ آج سے اٹھارہ سال پہلے ہوا تھا۔'' مسز ریان بھی اسی کے انداز میں بولی تھیں۔

''اور کتنا بڑا ہوں میں اس سے ؟'' وہ سوچنے والے انداز میں اپنی آنکھیں چھوٹی کیے اپنی مما کو دیکھنے لگا تھا۔

''آہاں ! یاد آیا، میں اس سے پورے پانچ منٹ بڑا ہوں۔'' اور پھر اس نے گردن پیچھے گرا کر زوردار قہقہ لگایا گویا کوئی لطیفہ سنا دیا ہو۔

''محمد !'' انہوں نے اُسے فوراً گھوری سے نوازا مگر وہ تھا کہ ہنستا ہی چلا جا رہا تھا۔

'' اوکے اوکے مما ! آپ ناراض نہ ہوں، میں صرف مزاق کر رہا تھا، میں اسے منانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' وہ اپنی ہنسی کو روکنے کے لیے آڑے ترچھے منہ بنانے لگا تھا جبکہ مسز ریان اسے مسلسل گھور رہی تھیں۔

''محمد ! وہ آج کالج جانا چاہیے، مجھے نہیں معلوم کہ تم اسے کیسے لے کر جاتے ہو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔'' وہ اُس کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں جہاں ولی اپنے کان بند کیے اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔

'' وہ میری ذمہ داری کب سے ہو گیا مما؟'' وہ حیرانی سے اپنی پوری آنکھیں کھولے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ وہ چھوٹا ہے اور تم اس کے بڑے بھائی ہو۔'' آخری بات کہہ کر وہ وہاں سے اُٹھ کر چلی گئیں تھیں۔

'' حد ہے ویسے، اب اس نواب کو مناؤ، پتا نہیں کہاں پھنس گیا ہوں میں اِن دونوں ماں بیٹے کی درمیان۔'' وہ منہ میں بڑبڑاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''چلو محمد ! اب اُسے بھی منانا ہے۔۔۔ لگتا تمہارے تو ساری زندگی ایسے ہی گھر کے ہر فرد کو سمجھانے میں گزر جائے گی۔'' اُس کے قدم سیڑھیوں کی طرف تھے جو ولی کے کمرے تک جاتی تھیں۔

''تم میرے ساتھ کالج جا رہے ہو۔''

دروازہ دھیرے سے کھولتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا تھا۔ کمرے میں پردے گرے ہوئے تھے، ہلکی سی مدھم روشنی، اور بیڈ پر ایک لمبا سا وجود تکیے میں منہ دبائے پڑا تھا۔

''ولی ! میں تم سے بات کر رہا ہوں۔''

محمد نے پہلے نرم لہجے میں کہا تھا، پھر جواب نہ ملنے پر بھنویں سکیڑ لیں۔ وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے کھڑا ولی کی ساکت پشت کو گھور رہا تھا۔

بیڈ پر پڑے وجود نے ہلکی سی کروٹ بدلی۔

''مجھے نہیں جانا کالج۔۔۔'' تکیے میں دبی ہوئی، بیزار سی آواز نکلی۔

محمد نے گہرا سانس لیا، گردن ذرا ایک طرف جھکائی۔

''میں نے پوچھا نہیں ہے۔''

ولی نے تکیے سے سر اٹھایا، بال بکھرے ہوئے، آنکھوں میں نیند اور چڑچڑاپن صاف جھلک رہا تھا۔ وہ کہنی کے بل اٹھ کر محمد کو گھورنے لگا۔

''یعنی تم مجھ پر حکم چلا رہے ہو؟''

محمد کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی اور بے نیازی ایک ساتھ تھی۔

''جو تم سمجھو۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر تم یہاں کھڑے کھڑے بوڑھے ہو سکتے ہو، مگر ولی اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلنے والا۔''

وہ ویسے ہی کہنی کے بل ترچھا ہوا اُسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

محمد نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی اور پھر دائیں ہاتھ سے پیشانی مسلنے لگا۔

''اوکے فائن۔۔۔'' وہ بیڈ کے قریب آیا، لہجہ نرم کیا، ''میں تم سے ریکویسٹ کر رہا ہوں۔ پلیز۔''

ولی نے ایک نظر اُسے غور سے دیکھا پھر ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا ''مجھے پھر بھی نہیں جانا۔ اب تم یہاں سے جا سکتے ہو۔ دروازہ وہ رہا۔''

یہ کہہ کر وہ دوبارہ پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ محمد کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھا۔

''مسئلہ کیا ہے؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔ کوئی جواب نہیں۔

''موڈ نہیں ہے؟''

ولی نے تکیے سے کان بند کر لیے۔

''کچھ تو بولو یار!''

''بس دل نہیں کر رہا۔ ہر روز وہی لیکچر، وہی جگہ اور وہی لوگ۔۔۔ بور ہو گیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر، میں بھی نہیں جا رہا۔'' محمد نے لاپرواہی سے شانے اُچکائے۔

''اوئے نہیں! تم کیوں اپنا ریکارڈ خراب کرو گے؟'' ولی نے فوراً سر اُٹھایا۔

''تمہارا بھائی ہوں۔ ساتھ ڈوبیں گے، ساتھ اُبھریں گے۔'' اُس نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

''تم نا۔۔۔ ایموشنل بلیک میلر ہو۔'' ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

''ہاں تو؟'' محمد نے بھنویں اٹھائیں۔

کچھ دیر کی منتوں، ہلکی پھلکی تکرار اور آخر کار ولی کے ڈرامائی آہ بھرنے کے بعد دونوں کار کی طرف جا رہے تھے۔ ولی اب بھی منہ بنا کر چل رہا تھا مگر قدم تیز تھے۔

''میں صرف تمہارے لیے جا رہا ہوں، یاد رکھنا۔'' ولی نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں، مجھے پتا ہے۔ ورنہ تو تم ہارورڈ کے پروفیسر ہوتے۔'' محمد نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

کہنے کو تو محمد ولی کا بڑا بھائی تھا، مگر دونوں کی پیدائش میں صرف پانچ منٹ کا فرق تھا۔ ظاہر اًوہ بھائی کم دوست زیادہ لگتے تھے، ویسے ایک طرح سے دیکھا جائے تو بھائی سے اچھا دوست کون ہی ہو سکتا ہے؟

محمد طبیعتاً سنجیدہ اور اور تھوڑا دین کو اہمیت دینے والا انسان تھا۔ بات سوچ سمجھ کر کرتا، لڑائی سے بچتا۔ لیکن جہاں معاملہ ولی کا ہو جاتا، وہاں اس کی آنکھوں کی نرمی سختی میں بدل جاتی تھی۔

ولی اس کے برعکس تھا۔ جلد باز، تیز مزاج، اور کسی کی فضول بات برداشت نہ کرنے والا۔ اگر کبھی کسی نے حد پار کرنے کی کوشش کی تو اکثر منظر یہی ہوتا کہ پہلے ولی آگے ہوتا اور دو قدم پیچھے محمد، جو بظاہر روکنے آیا ہوتا پھر وہ بھی ولی کے ساتھ مل کر لڑائی میں اپنا بھرپور حصہ ڈال رہا ہوتا۔

کالج جوائن کیے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ دونوں سالِ اول کے طالب علم تھے۔ گروپس الگ تھے، کلاسز بھی الگ، مگر لنچ بریک میں اکثر ایک ہی بینچ پر بیٹھے نظر آتے۔

محمد ہمیشہ سے ہونہار طلبہ میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے نوٹس پورے، حاضری مکمل، اور اساتذہ کی نظروں میں عزت الگ۔

اور ولی؟

وہ وہ طالب علم تھا جس کی وجہ سے پوری کلاس مشہور تھی۔ شرارتیں، اچانک قہقہے، کلاس بنک کرنا، اور پھر بھی سب کا فیورٹ رہنا۔۔۔ یہ اس کا خاصہ تھا۔

مگر ایک بات طے تھی۔

چاہے کلاس روم ہو یا زندگی کا کوئی اور میدان، محمد اور ولی۔۔۔ الگ راستوں پر چلتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اُنہیں شاید بنایا ہی ایسا گیا تھا۔

★。° ✦ °。★

اب ہم چلتے ہیں ایک تیسرے گھر جہاں کا منظر بھی کچھ مختلف نہیں تھا، وہی صبح کی رونق جو ہر گھر میں صبح ناشتے کی میز پر ہوا کرتی ہے۔

یہ تین منزلہ گھر تھا، باہر سے بالکل سادھا اور اندر سے بھی درمیانے انداز کا، صبح کا وقت تھا۔ نرم

دھوپ کھڑکی کے سفید، ہلکے ہلکے ہلتے پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی، جیسے کمرے میں آہستہ آہستہ روشنی بچھا رہی ہو۔ گھر کی خوبصورتی اس کی سادگی میں چھُپی تھی۔ اس گھر کی سادگی ہی آنکھوں کو خیر کر دیتی تھی، اگر کسی کی غلطی سے نظر پڑ جائے تو وہ دوسری دفعہ بھی مڑ کر ضرور دیکھتا تھا۔

ڈائننگ ایریا میں اس وقت زندگی پوری طرح بیدار تھی۔

ٹیبل پر پلیٹوں کی ہلکی کھنک، چمچوں کی مدھم آواز، اور بچوں کی آدھی ادھوری باتیں مل کر ایک مانوس سا شور پیدا کر رہی تھیں۔

ہمایوں انصر کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سیاہ سوٹ میں ہمیشہ کی طرح نفاست جھلک رہی تھی۔ وہ بریڈ کے ایک سلائس پر نہایت اطمینان سے بٹر لگا رہے تھے، ہر حرکت نپی تلی، جیسے انہیں وقت کی کوئی جلدی نہ ہو۔ کبھی وہ بٹر نائف کو سیدھا کرتے، کبھی بریڈ کو ہلکا سا گھما کر دیکھتے۔۔۔ جیسے ایک معمولی کام بھی ترتیب سے کرنا ان کی عادت ہو۔

ان کے دائیں طرف ابراہیم بیٹھا تھا۔ وہ بظاہر ناشتہ کر رہا تھا، مگر اس کی نظریں بار بار اپنی پلیٹ سے اٹھ کر چپکے سے اپنے بابا کی طرف جاتی، پھر فوراً واپس جھک جاتیں۔ اس کے ہاتھ کی حرکتوں

میں ہلکی سی بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

بائیں طرف فہیم خاموشی سے بیٹھا تھا۔ وہ سکون سے سر جھکائے ناشتہ کر رہا تھا جیسے ہر چیز سے بے نیاز ہو یا شاید جان بوجھ کر خود کو بے نیاز ظاہر کر رہا ہو۔

سامنے زائمہ ہمایوں کھڑی تھیں، ایک ہاتھ میں فرائنگ پین اور دوسرے ہاتھ سے اپنی چھوٹی بیٹی کی پلیٹ میں آملیٹ رکھتے ہوئے۔

''جلدی کرو، بس آنے والی ہو گی، ہر روز تم لوگ آخری منٹ پر بھاگتے ہو۔''

''امی بس دو منٹ۔۔۔ واقعی والا دو منٹ!''

''یہ تمہارا دو منٹ پندرہ منٹ کا ہوتا ہے۔'' زائمہ نے ہلکی سی گھوری ڈالی، مگر لبوں پر مسکراہٹ بھی آ گئی۔

اسی دوران ہمایوں صاحب نے بریڈ پر بٹر کی آخری تہہ لگائی، نائف کو آہستہ سے پلیٹ کے کنارے رکھا، اور بغیر کسی خاص تاثر کے ابراہیم کی طرف دیکھا۔

''تو جناب!'' انہوں نے نظر اٹھا کر ابراہیم کو دیکھتے ہوئے کہا، ''آج کل ہونیورسٹی کیسی جا رہی ہے؟''

ابراہیم کا ہاتھ نوالہ منہ تک لے جاتے ہوئے وہیں رک گیا۔اس نے ایک لمحے کو آنکھیں جھپکیں، پھر ہلکا سا کھانسا۔

"جی۔۔۔ٹھیک جا رہی ہے۔"

"اچھا۔" ہمایوں صاحب نے سر ہلایا۔

"وہ ابھی تو۔۔۔اگلے سیمسٹر کی کلاسز سٹارٹ نہیں ہوئیں۔۔۔اس لیے آج کل تو نہیں جا رہا۔"

"تو اس کا مطلب۔۔۔باقاعدہ جانا شروع نہیں کیا تم نے؟"

"ہاں جی۔"

"مگر ابھی تو تم نے کہا کہ ٹھیک جا رہی ہیں۔"

ابراہیم نے ہونٹ بھینچے، پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر پھر واپس کھینچ لیا۔

"جی۔۔۔یعنی۔۔۔آج کل تو نہیں جا رہا۔"

"تمہاری یونیورسٹی ٹھیک نہیں جا رہی یا تم ہی ٹھیک نہیں جا رہے؟"

ایک لمحے کے لیے فضا میں ہلکی سی خاموشی آ گئی۔

"نہیں۔۔۔وہ میں۔۔۔ہو نیورسٹی نہیں جا رہا، کلاسز سٹارٹ ہوں گی۔۔۔تو جانا شروع کروں گا۔" اُس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ منہ میں رکھ لیا۔

"ویسے۔۔۔کل تمہارے ایک پروفیسر کی کال آئی تھی۔"

جملہ ختم ہوتے ہی ابراہیم اچانک سے بری طرح کھانسنے لگا۔

"ارے ارے، آرام سے!" زائمہ فوراً اس کے پاس آئیں، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور گلاس اس کی طرف بڑھایا، "پانی پیو، آہستہ!"

ابراہیم نے جلدی سے گلاس پکڑا، دو تین گھونٹ ایک ساتھ لیے۔اس کی پیشانی پر پسینے کی باریک تہہ اب صاف نظر آ رہی تھی۔

فہیم نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ جانتا تھا کہ کلاسز پچھلے دو ہفتے سے سٹارٹ ہو چکی ہیں اور ابراہیم بابا سے جھوٹ بول رہا ہے، مگر وہ فوراً سر جھکا کر دوبارہ پلیٹ میں مصروف ہو گیا۔

ہمایوں صاحب یہ سب دیکھتے رہے۔ان کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے شرارت چمکی، مگر چہرہ بدستور سنجیدہ رہا۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے بھنویں ہلکی سی اٹھائیں، "اتنا چونک کیوں گئے؟"

ابراہیم نے گلا صاف کیا، انگلیوں سے میز کے کنارے کو پکڑتے ہوئے بولا۔

"نن۔۔۔نہیں بابا! وہ بس۔۔۔نوالہ"

"ہاں، نوالہ۔۔۔" ہمایوں صاحب نے بات کاٹ دی، ہلکا سا آگے جھکتے ہوئے بولے۔"پوچھو گے نہیں کہ کیا کہہ رہے تھے وہ؟"

ابراہیم کے ہاتھ واقعی اب ہلکے سے کانپنے لگے تھے۔

"کک۔۔۔کیا کہہ رہے تھے وہ؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

ہمایوں صاحب نے دونوں بازو میز پر رکھے، انگلیاں آپس میں جوڑیں اور کچھ لمحے بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھتے رہے۔

"پہلے یہ بتاؤ۔۔۔" انہوں نے دھیمی آواز میں کہا، "تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟"

''مم۔۔۔میں نہیں گھبرا رہا بابا!''ابراہیم نے فوراً کہا۔

''لگتا ہے بھائی پھر سے پکڑے گئے ہیں۔'' چھوٹی لڑکی نے اپنی بہن کے کان میں آہستہ سے سرگوشی کی۔

دونوں کے ہونٹوں پر ہنسی آئی، مگر انہوں نے فوراً خود کو سنبھال لیا۔

چند لمحے اور گزرے، پھر اچانک ہمایوں صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''ارے بھئی، میں تو مذاق کر رہا تھا۔''وہ سیدھے ہو کر بیٹھے،اور بالکل نارمل لہجے میں بولے۔

''جی؟'' ابراہیم نے چونک کر سر اٹھایا۔

ایک لمحے کو سب خاموش رہے، پھر زائمہ نے ہلکی سی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا،

''آپ بھی نا، بچوں کو بلاوجہ ڈرا دیتے ہیں۔''

فہیم نے سر جھکائے ہنسی روکی۔

اور ابراہیم۔

اس نے ایک گہری سانس لی، کندھے ڈھیلے چھوڑے،اور گلاس اٹھا کر ایک اور گھونٹ پانی پیا۔

''بابا! یہ ٹھیک نہیں تھا۔'' اس نے آہستہ سے کہا، مگر اب اس کی آواز میں گھبراہٹ نہیں تھی،

ہلکی سی شرمندگی اور تھوڑا سا سکون۔

ہمایوں صاحب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا،

''تو پھر یونیورسٹی جانا شروع کر دو لڑکے!'' ہمایوں صاحب کرسی سے اُٹھ کر کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولے۔

''اس سے پہلے کے بیچ میں کسی پروفیسر کی کال آجائے۔''

ابراہیم نے فوراً نظریں پھیر لیں، ہمایوں صاحب بھاری قدم اٹھاتے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔۔۔ابراہیم نے اُن کے جاتے ہی سُکھ کی سانس لی۔

''آخر آج پکڑے ہی گئے تم!'' فہیم نے ابراہیم کے چہرے کو اپنی آنکھوں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے، باپ ہے وہ میرا، آخر کب تک اُن سے بچ سکتا ہوں۔'' ابراہیم نے ہلکے سے شانے اُچکائے۔

''پھر اب؟'' فہیم نے سوالیہ انداز میں ابرو اُٹھائے۔

''اب کل سے یونیورسٹی۔۔۔اور کیا؟آج بابا نے وارننگ دی ہے، اگلی بار شامت آجانی ہے میری۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تھا، مگر کیوں؟شاید وہ اُن کے غصے میں چھُپے پیار کو محسوس کر گیا تھا۔

باہر بس کے ہارن کی آواز آئی۔

فہیم اور ابراہیم کی گردنیں ایک پل کو بیرونی دروازے کی طرف گھومی اور پھر وہ دوبارہ سے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اوہ بس آگئی!''زائمہ ہمایوں نے جلدی سے کہا۔

بچیوں نے فوراً ناشتہ ختم کیااور کرسیوں سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''چلو چلو، بیگز اٹھاؤ!'' وہ اپنی بچیوں کے ہاتھ تھامے بیرونے دروازے کی طرف بڑھ گئیں جہاں سے ابھی ہمایوں صاحب باہر گئے تھے۔

قدموں کی آوازیں تیز ہوئیں،اور چند لمحوں میں ڈائننگ ایریا پھر سے آدھا خالی ہو گیا۔

فہیم اور ابرہیم ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے، خالی رہ جانی والی کرسیاں خاموشی سے اُن دونوں کی باتوں کو سننے لگی تھیں۔

★。° ✦ °。★

کلاس روم کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔دیواروں پر لگے سپلٹ اے سی آہستگی سے ٹھنڈی ہوا پھیلا رہے تھے۔

آرام دہ سبز رنگ کی گدّی دار کرسیاں قطاروں میں لگی ہوئی تھیں۔سامنے سفید بورڈ کے پاس پروفیسر پوری سنجیدگی سے لیکچر دے رہے تھے۔

کلاس میں زیادہ تر طلبہ خاموشی سے اُنہیں سن رہے تھے۔کچھ نوٹس لے رہے تھے، کچھ نے صرف پین انگلی میں دبوچ رکھا تھا۔

کلاس میں بائیں طرف لڑکیاں بیٹھی تھیں جبکہ دائیں طرف لڑکے بیٹھے تھے، درمیان میں ایک خلا تھا جو آنے جانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

سب کے لیے یہ اردو کی کلاس تھی مگر ولی کے لیے یہ سب ایک لمبی قید جیسا تھا۔

وہ کرسی پر ڈھیلا سا بیٹھا تھا، کبھی گھڑی دیکھتا، کبھی بورڈ کی طرف بے دلی سے دیکھتا۔آخر وہ تھوڑا سا جھک کر اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے سے آہستہ بولا،

''یہ لیکچر ختم کب ہو گا؟''

مگر اُس لڑکے نے مکمل طور پر ولی کو اگنور کر دیا۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں مسٹر!'' ولی نے پھر سے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔

کوئی جواب نہیں۔

''تم سُن بھی رہے ہو؟'' ولی نے جھنجھلا کر اس کے کندھے کو ہلایا۔

''اگر تم باتیں کرنا بند کرو تو شاید جلدی ختم ہو جائے۔'' لڑکے نے گردن ٹیڑھی کر کے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔یعنی وہ سن چکا تھا مگر نا سننے کا ناٹک کر رہا تھا۔

''او مسٹر! میں نے صرف وقت پوچھا ہے۔''ولی نے بھنویں چڑھائیں۔

'' اور تم مجھے ڈسٹرب کر رہے ہو۔'' لڑکا آہستہ مگر صاف لہجے میں بولا تھا۔

''کچھ زیادہ ہی اکڑ نہیں ہے تمہارے اندر؟'' ولی گویا تب سے بیٹھا بیٹھا بور ہو گیا تھا اور اب لڑنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔

لڑکا کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک پروفیسر کی آواز پوری کلاس میں گونجی۔

''پچھلی قطار میں بیٹھے ہوئے آپ دونوں!''

کلاس میں فوراً خاموشی چھا گئی۔

پروفیسر نے عینک کے اوپر سے سیدھا ولی کی طرف دیکھا۔

''ولی صاحب! کھڑے ہو جائیں۔''

چند لڑکے اور لڑکیاں فوراً مڑ کر پیچھے دیکھنے لگے۔ولی نے آہستہ سے کرسی چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے ایک نظر کلاس پر ڈالی۔

پروفیسر چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ان کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی، صرف سنجیدگی۔

''کیا بات کر رہے تھے آپ دونوں؟''

''سر۔۔۔وہ۔۔۔میں۔''

''وہ، میں سے آگے بھی بڑھ لیں آپ!''

''میں سوال پوچھ رہا تھا۔'' ولی سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اُسے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

''اگر آپ عزیر سے سوال پوچھ رہے تھے تو یقیناً لیکچر بھی پوری توجہ سے سن رہے ہوں گے۔'' اُنہوں نے ساتھ بیٹھے لڑکے پر بھی ایک تیز نظر ڈالی تھی۔

کلاس میں چند دبے قہقہے سنائی دیے۔

ولی خاموش کھڑا رہا۔

''بتایئے، میں ابھی کیا سمجھا رہا تھا؟''

ولی نے ایک لمحے کے لیے ادھر اُدھر دیکھا۔ کئی لڑکے مسکرا رہے تھے۔ کچھ لڑکیاں بھی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''جی ولی صاحب؟ ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' پروفیسر نے دوبارہ کہا۔

ولی نے گلا صاف کیا۔

''سر! آپ ادب کے بارے میں بتا رہے تھے۔''

پروفیسر نے ہلکا سا سر ہلایا۔

''یہ تو موضوع ہے۔ سوال یہ ہے کہ میں کیا وضاحت کر رہا تھا؟''

ولی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر آہستہ سے بولا،

''سر۔۔۔شاید۔۔۔ادیبوں کے بارے میں؟''

کلاس میں ایک بار پھر ہلکے ہلکے قہقہے گونج اُٹھے۔

''نہیں۔ میں یہ بتا رہا تھا کہ ادب صرف الفاظ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے شعور اور معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔'' پروفیسر نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا تھا۔

پھر انہوں نے ایک لمحہ رک کر ولی کی طرف دیکھا۔

''ولی صاحب! یہ پہلی بار نہیں ہے کہ آپ لیکچر میں توجہ نہیں دے رہے۔''

کلاس بالکل خاموش ہو گئی۔

''اگر آپ کو پڑھنے میں دلچسپی نہیں ہے تو یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ لیکن کلاس کو خراب کرنا باقی طلبہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔'' پروفیسر نے آہستہ مگر واضح لہجے میں کہا تھا۔

ولی نے کچھ نہیں کہا۔

''اب بیٹھ جائیں، اور کم از کم باقی وقت خاموش رہیں۔'' پروفیسر نے آخر میں مختصر سا جملہ کہا اور پھر سے بورڈ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ولی آہستہ سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

کلاس میں چند طلبہ ابھی بھی ہلکا سا مسکرا رہے تھے۔

ولی نے ایک لمحے کے لیے پہلے چند لڑکوں اور پھر لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی ہنسی روک رہے تھے۔

ولی نے نظریں ہٹالیں اور کرسی سے ٹیک لگالی۔

سامنے پروفیسر دوبارہ لیکچر میں مصروف ہو چکے تھے، مگر کلاس کے کئی طلبہ اب بھی کبھی کبھار پیچھے مڑ کر ولی کو دیکھ لیتے تھے۔

ولی نے آہستہ سے سانس چھوڑا، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور نظریں گھڑی پر جمادیں۔

★。° ✦ °。★

ان لوگوں کو اگر یہیں چھوڑ کر کالج کے دوسری طرف آؤ تو دیکھو گے کہ محمد کی کلاس میں اس وقت اسلامک سٹڈیز کا لیکچر جاری تھا۔ محمد کی طرح پوری کلاس پروفیسر عمران صاحب کو پوری توجہ سے سن رہی تھی، وہ سورۃ الحشر کی آیت نمبر اٹھارہ بیان کر رہے تھے۔

" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص یہ دیکھ لے کہ اس نے کل (یعنی آخرت) کے لیے آگے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔" (سورۃ الحشر:18)

انہوں نے پہلے یہ آیت عربی میں بیان کی اور پھر اس کا ترجمہ اچھے سے سمجھانے لگے۔

"کیا کوئی اس آیت کے متعلق کسی قسم کا سوال کرنا چاہتا ہے؟" وہ اپنی بات مکمل کر کے پوری کلاس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

چند ہاتھ بلند ہوئے جن میں سے ایک ہاتھ محمد کا بھی تھا، پروفیسر نے انگلی کے اشارے سے محمد کو بولنے کی اجازت دی تھی۔

" میرا ایک سوال ہے۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو چکا تھا، پوری کلاس کی گردنیں پیچھے کی طرف مڑیں کیونکہ محمد کی عادت تھی وہ سب سے پیچھے والی کرسی پر بیٹھا کرتا تھا یا پھر سب سے آگے والی کرسی پر۔

" جی بیٹا! کہیے کیا سوال ہے آپ کا؟" سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ نیچے اپنے پاؤں کو، شاید کچھ سوچ رہا تھا یا پھر اپنے الفاظوں کو ترتیب دے رہا تھا۔

کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نظر ہوئے اور پھر اُس نے بولنا شروع کیا۔

" سر! انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ جس سے ڈرتا ہے اس سے کبھی محبت نہیں کرتا۔" وہ دونوں ہاتھ آپس میں مسل رہا تھا۔

"یعنی وہ اس کی رسپیکٹ تو کرے گا لیکن دل سے محبت نہیں کرے گا۔" وہ پروفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

" تو پھر اللہ نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھ سے ڈرو، جبکہ جس سے ڈرا جائے اس سے محبت نہیں کی جاتی۔"

"ہمارے دل میں ڈر اور محبت میں سے ایک چیز رہ سکتی ہے، دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔" وہ اپنا سوال مکمل کر کے پروفیسر کو دیکھنے لگا تھا۔

پروفیسر نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھ جانے کے لیے کہا اور پھر انہوں نے بولنا شروع کیا۔

★。° ✦ °。★

موجودہ دن۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد جب وہ باہر نکلنے لگا تو اسے وہ نظر آ گیا تھا، وہ ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، پاؤں کی قینچی بنائے کھڑا تھا، وہ مسکرا کر محمد کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ ملے تو یہ پوچھنا ہے مجھے

اب بھی ہوں میں تری امان میں کیا؟

محمد بھی جواباً مسکرا دیا تھا،اسے معلوم تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے اور یہ صرف اس کا تصور ہے، تصوّر ہی سہی،اچھا تو ہے۔

حقیقی دنیا سے کہیں زیادہ بہتر تصوّر کی دنیا ہوتی ہے کیونکہ اس دنیا میں ہم مسکرا سکتے ہیں، دل سے مسکرا سکتے ہیں اور اس دنیا میں کوئی غم نہیں ہوتا، غموں کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

وہ جب باہر نکلا تو بہت سی تیز روشنیوں اور کیمرا زنے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ ان سب سے بچتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا کیونکہ اسے وقت پر گھر پہنچنا تھا۔ وہ جیسے ہی کار میں بیٹھا، ڈرائیور

نے زن کی آواز سے گاڑی آگے بڑھادی۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

موجودہ دن۔

اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر وہ تینوں موجود تھے۔ وہ تینوں یعنی محمد، ہانی اور مسز ریان۔

مسز ریان، محمد سے کچھ کہہ رہی تھیں جبکہ ہانی چُپ چاپ کھانا کھا رہی تھی، ریان صاحب بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اس نے بالوں کا ڈھیلا ڈھالا جوڑا بنایا ہوا تھا، سیاہ آنکھوں پر گول فریم کا چشمہ اور چہرہ میک اپ سے بالکل پاک، اُس کے چہرے کے نقوش عام سے تھے مگر اُس میں کشش تھی، ایک الگ قسم کی کشش۔

کچھ لوگ ہوتے ہیں ہیں جو عام ہونے کے باوجود اپنے آپ میں ایک وقار رکھتے ہیں، اُنہیں دیکھنے کا من کرتا ہے، اُنہیں میمورائز کرنے کا جی چاہتا ہے۔

" مبارک ہو بیٹے۔" مسز ریان بہت خوش تھیں اور اس خوشی کی وجہ محمد تھا۔

"خیر مبارک مما! آپ کا اور بابا کا بہت بہت شکریہ، آپ دونوں کی دعا ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہیں جس کی وجہ سے میں یہاں تک پہنچ پایا ہوں۔" وہ اپنی ماں کو تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے

کہہ رہا تھا۔

" ہماری دعاوؤں سے کہیں زیادہ تو تمہاری خود کی محنت ہے اور پھر اللہ بھی تو اس کو نوازتا ہے جسے اپنی مدد آپ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔" وہ اپنے بیٹے کی اس سفر پر کی جانے والی محنت کو سراہ رہی تھیں۔

مگر ایک راز جو صرف وہی جانتا تھا کہ اس سفر پر ایک اور شخص بھی تھا جس نے اُسے یہ راستہ دکھایا

تھا۔ وہ اُس انسان کو کبھی نہیں بھلا سکتا تھا۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔

ایک نام تھا جو اُس کے دماغ میں گونجتا تھا" قاری ذیشان عزیز!" ، جو اُس کا محسن تھا، جس نے اُس کا ہمیشہ بھلا ہی چاہا تھا۔

"لیکن مما! میرا یہ ماننا ہے کہ میری محنت سے کہیں زیادہ آپ کی دعاوؤں کا اثر ہے، کیونکہ والدین کی دعائیں کبھی بھی رد نہیں ہوتیں۔۔۔ اور اُن کی بھی جو ہمارے کچھ بھی نہ لگتے ہوں مگر ہمارے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اُس نے آخری بات بہت دھیمی آواز میں کہی تھی جس کی وجہ سے وہ بات کوئی سُن نہیں پایا تھا۔

" اللہ پاک میرے بیٹے کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔" یہ دعا ان کے دل سے نکلی تھی جو سات آسمان پار کرتی سیدھی عرش پر جا پہنچی تھی۔

محمد نے بھی دل سے آمین کہا تھا۔

''ہانی بیٹا! تم کیوں اتنی خاموش ہو آج؟''انہوں نے اچانک اپنا رخ ہانی کی طرف کیا تھا۔

وہ اپنے چشمے کو بار بار انگلی سے اپنی جگہ پر ٹکاتے ہوئے چُپ چاپ کھانا کھا رہی تھی۔ مسز ریان کے اِس طرح اچانک سوال کرنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

'' آنٹی وہ۔۔۔بس تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''مسز ریان کے اچانک سوال پر وہ کشمکش

کا شکار ہو گئی تھی کہ کیا جواب دے۔

''تو بچے! میڈیسن لی یا نہیں؟''وہ نرمی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''جی آنٹی! دوا لے لی تھی میں نے، کل تک بہتر ہو جاؤں گی، انشاءاللہ''وہ بدقت مسکرائی تھی۔

''کل پھر تم میرے ساتھ جا رہی ہو یا نہیں؟'' مسز ریان پوری طرح ہانی کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

مسز ریان اور ہانی کی گفتگو کے دوران محمد چپ چاپ ٹیبل سے اٹھ کر باہر لان میں آ گیا تھا۔ آنٹی

اور بھانجی کی باتیں اب ختم نہیں ہونے والی تھیں، اس لیے محمد اُنہیں باتیں کرتا چھوڑ باہر آ گیا تھا

کہ اُسے تھوڑی دیر چہل قدمی کرنی تھی۔

★。° ✦ °。★

آدھی رات کا وقت تھا جب محمد معمول کے مطابق لان میں جائے نماز بچھائے تہجد کی نماز ادا کر رہا تھا، ایک طرف دور کوئی ہیولا کھڑا ٹِک ٹِکی باندھے صرف اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

نا جانے وہ تہجد کی نمازوں میں کیا مانگا کرتا تھا، یہ تو بس وہی جانتا تھا یا پھر اس کا خدا جس کے لیے اس نے اپنی پوری زندگی بدل ڈالی تھی۔

کہتے ہیں کہ تہجد کے وقت اگر تم اللہ سے دنیا کی ناممکن شے بھی مانگو گے تو وہ بھی تمہارے قدموں میں لا کر رکھ دی جائے گی۔

تم ایک دفع خدا کے ہو کر تو دیکھو، خدا، یہ دنیا جس کے پیچھے ہر انسان بھاگتا ہے، تمھارے قدموں میں لا کر نا رکھ دے تو کہنا۔

جیسے فجر کی نماز کے لیے آپ کو کوئی الارم نہیں بلکہ آپ کا ایمان بیدار کرتا ہے ویسے ہی تہجد کے وقت آپ کو اللہ کی محبت بیدار کرتی ہے۔۔۔وہ انسان ہر روز تہجد ادا کرتا تھا، شاید اس کی محبت اللہ سے شدید تھی یا اللہ خود اس سے بہت محبت کرتا تھا۔۔۔ویسے کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں نا وہ لوگ جنہیں یہ احساس ہو جائے کہ خود خدا ان سے بہت محبت کرتا ہے۔

وہ کئی کئی دیر سجدے میں سر رکھے سسکیوں کی آواز کے ساتھ روتا رہتا تھا اور پھر سجدے سے اُٹھ کر چُپ چاپ اپنی رُوم میں چلا جایا کرتا تھا۔

---

اس کی شرٹ پوری طرح سے پسینے میں بھیگی ہوئی تھی کیونکہ وہ ابھی صبح کی دوڑ لگا کر واپس گھر لوٹا

تھا۔ گھر آ کر اس نے شاور لیا اور پھر کچھ دیر بعد وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ

رہا تھا۔

اس کا چہرہ بالکل تازہ دم تھا، چہرے پر ہلکی بڑھی داڑھی تھی جسے اس نے خط کی شیپ دے رکھی تھی، بال سلیقے سے پیچھے کی طرف بنے ہوئے تھے۔

وہ جب سیڑھیاں اُتر رہا تھا تو اسے کوئی کال موصول ہوئی تھی جسے سننے کے بعد وہ بنا ناشتہ کیے گھر سے نکل گیا تھا۔

ویسے تو محمد ایک کامیاب بزنس مین تھا جو کہ خود کا بزنس چلا رہا تھا مگر صحیح معنوں میں اسلام کو دوسروں تک پہنچانا بھی اس کی زندگی کا حصہ تھا۔ وہ آئے دن ایسی جگہوں پر مدعو ہوتا تھا جہاں لوگ اس سے اسلام کے متعلق سوال کرتے تھے اور وہ انہیں عقلی دلائل سے سمجھاتا تھا، آنے والا چاہے مسلم ہوتا یا نان مسلم، وہ کبھی کسی کو جج نہیں کرتا تھا بلکہ وہ اس کے سوال کا جواب بہت عقل مندی سے دیا کرتا تھا۔

آج بھی اسے ایک ایسا ہی سیمینار اٹینڈ کرنا تھا۔ ایک ایسا اجتماع جہاں لوگ صرف سننے نہیں، سمجھنے آتے تھے، جہاں کچھ سیکھنے آتے تھے، اور کچھ اپنے دلوں میں برسوں سے پلتے سوالوں کا بوجھ ہلکا کرنے۔

ہلکی سی خنکی لیے صبح کے وقت وہ اُس مخصوص مقام پر پہنچا۔ ہال کے باہر لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ کھڑے دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے، کسی کے ہاتھ میں نوٹ بک تھی، کوئی موبائل پر کچھ ریفرنس دیکھ رہا تھا، تو کوئی بس خاموشی سے اندر جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک وسیع و عریض ہال اس کے سامنے پھیل گیا۔ اوپر چھت سے لٹکتی سفید روشنیوں نے پورے ماحول کو نرم سی چمک دے رکھی تھی۔ کرسیاں باقاعدہ قطاروں میں لگی ہوئی تھیں، اور ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں فضا میں تیر رہی تھیں۔ کہیں ہلکی سی کھنکھناتی ہنسی، کہیں سنجیدہ چہرے، ہر طرف مختلف تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔

چند لمحے بعد وہ اسٹیج پر تھا۔

"السلامُ علیکُم ایوری ون!" اس کی آواز مائیک کے ذریعے پورے ہال میں گونجی۔

اس نے ہلکا سا سر جھکا کر سب کو سلام کیا، دائیں ہاتھ سے مائیک کو تھاما اور بائیں ہاتھ سے ڈائس کے کنارے کو تھام لیا۔ چہرے پر پُرسکون مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں ایک سنجیدہ چمک۔

سامنے ہال میں ہر طرح کے لوگ موجود تھے، نوجوان لڑکے آگے کی قطاروں میں جھکے ہوئے پوری توجہ سے دیکھ رہے تھے، کچھ لڑکیاں نوٹس لینے کے لیے قلم تیار کیے بیٹھی تھیں، پیچھے کی نشستوں پر چند بزرگ خاموشی سے تسبیح گھما رہے تھے، اور درمیان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے چہروں پر واضح تجسس تھا، جیسے وہ یہاں کسی نتیجے تک پہنچنے آئے ہوں۔

یہاں مسلم سے زیادہ نان مسلم موجود تھے، اور یہی اس جگہ کی خاص بات تھی، یہاں سوال پوچھنے کی آزادی تھی، بغیر کسی خوف کے۔

یہاں وہ مسلم بھی سوال لے کر آتے تھے جنہیں اس بات کا ڈر ہوتا تھا کہ اگر وہ یہ سوال کسی مفتی یا مولوی سے پوچھ لیں گے تو ان پر فتویٰ لگا دیا جائے گا یا پھر انہیں کافر قرار دے دیا جائے گا۔

ہمارے یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہم ڈر کی وجہ سے ان سوالوں کا جواب ہی نہیں ڈھونڈتے جو اسلام کے متعلق ہمارے دماغوں میں کھٹکتے ہیں۔ ہمیں بس یہ ڈر ستاتا رہتا ہے کہ کہیں ہم کافر ہی نا قرار دے دیے جائیں، کہیں کوئی ہمیں فتویٰ ہی نہ لگا دے، جبکہ قرآن خود کہتا ہے کہ غور و فکر کرو، تحقیق کرو، خود سوال کا جواب ڈھونڈو۔ اسلام تو ہمیں سوالات کرنے کی کھلی آزادی دیتا ہے۔ اسلام کوئی تنگ نظری جادین تھوڑی ہے۔

"اُمید کرتا ہوں کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔" اس نے مائیک کو تھوڑا قریب کرتے ہوئے کہا، نظریں آہستہ آہستہ پورے ہال پر دوڑائیں، جیسے ہر چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ اکثر اس قسم کے سیمینار اٹینڈ کرتا رہتا تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو اس نے خود اتنی محنت کے بعد حاصل کیا ہے، آج کی نوجوان نسل بھی اسے حاصل کرے، بلکہ ہر انسان اس ہدایت سے آشنا ہو۔

''آج کا سوال کیا ہے؟''اُس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

بہت سے ہاتھ بلند ہوئے تھے، بہت سے لوگوں کی آنکھیں چمکی تھیں، ایک نوجوان لڑکی، جو حلیے سے ہی لبرل لگ رہی تھی، اسے سوال کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔

وہ لڑکی آہستہ سے کھڑی ہوئی۔اس نے بلیو جینز اور سفید ڈھیلی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔اس کے بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے، اور وہ مائیک پکڑتے ہوئے ایک لمحے کو ہلکا سا رکی، جیسے اپنے الفاظ ترتیب دے رہی ہو۔اس کے چہرے پر اعتماد بھی تھا اور ہلکی سی چیلنجنگ مسکراہٹ بھی۔

''سلام مسٹر محمد!'' اس نے واضح آواز میں کہا۔

محمد نے سر ہلکا سا جھکا کر سلام کا جواب دیا، آنکھوں میں نرمی برقرار رکھتے ہوئے۔

لڑکی نے مائیک کو دونوں ہاتھوں سے تھاما، ایک گہری سانس لی، اور پھر بولنے لگی،

'' آپ کی ہولی بُک میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر بیوی نافرمانی کرے تو اسے سمجھاؤ، اگر نا مانے تو اس سے بستر علیحدہ کر لو اور اگر پھر بھی نہ مانے تو اس کو مارو۔''

ہال میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔کچھ لوگ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کچھ نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔سب کی توجہ اب مکمل طور پر اسی مکالمے پر مرکوز ہو چکی تھی۔

''تو کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اسلام جسے دنیا کا بہترین مذہب کہا جاتا ہے وہ عورتوں پر تشدد کو پروموٹ کر رہا ہے؟''وہ لڑکی نے سوال مکمل کیا اور نظریں سیدھی محمد پر جما دیں۔

محمد چند لمحے خاموش رہا۔

اس نے نظر جھکائی، اپنے جوتے کی نوک سے اسٹیج کے فرش کو ہلکا سا چھوا، جیسے سوچ کے دھاگے جوڑ رہا ہو۔پھر اس نے آہستہ سے مائیک کو سیدھا کیا، کندھے سیدھے کیے اور نظریں اٹھا کر لڑکی کی طرف دیکھا۔

''آپ نے قرآن کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 34 ہے۔''اب اس کی آواز پہلے سے زیادہ واضح اور متوازن تھی۔

اس نے بات کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگلی سے ہلکا سا اشارہ کیا، جیسے کسی نکتے کو واضح کر رہا ہو۔

اس آیت کی مِد (درمیان) سے یہ ارشاد شروع ہوتا ہے کہ ''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو پہلے انہیں سمجھاؤ، پھر ان سے بستر الگ کرو اور (اگر پھر بھی نہ مانیں تو) انہیں ہلکا سا مارو۔''اس لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''کیا آپ کو اس آیت کے صرف اتنے حصّے کا ہی علم ہے؟''

محمد نے نرم مگر سیدھے انداز میں پوچھا۔

''جی۔''لڑکی نے مختصر جواب دیا، مگر اس کی گرفت مائیک پر تھوڑی مضبوط ہو گئی تھی۔

محمد نے ایک ہلکی سی سانس خارج کی، چہرے پر سنجیدگی آ گئی۔

''اس ہی لیے کہتے ہیں کہ آدھا ادھورا علم نقصان دہ ہوتا ہے۔''محمد نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں۔'' لڑکی نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھاتا ہوں، اس کے آگے قرآن میں لکھا ہے کہ۔۔۔

''اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر الزام کی کوئی راہ نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ ہی بلند اور بڑا ہے۔''(سورۃ النساء:34)

''یہاں یہ آیت مکمل ہوتی ہے۔''اس نے بات مکمل کر کے ایک لمحے کو توقف کیا، نظریں ہال پر گھمائیں، ہر چہرہ اب پوری توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

چند سیکنڈز کا توقف کیا اور پھر بولنے لگا۔

''جیسا کہ آپ نے کہا کہ اسلام عورتوں پر تشدد کو پرموٹ کر رہا ہے، تو اس کا جواب ہے کہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے، اسلام عورتوں پر کیا، اسلام تو کسی بھی جاندار پر تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔''اس کی آواز میں اب یقین تھا، اور ہال میں بیٹھے لوگ، خاموشی سے، اس یقین کو سن رہے تھے۔

''اسلام نے تو غلاموں پر بھی تشدد کرنے سے منع کیا ہے۔''

اس نے مائیک کو ذرا قریب کیا، اور نظریں ہال پر دوڑا دیں، جیسے وہ ہر سننے والے کو اس جملے میں شامل کرنا چاہتا ہو۔

''ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا۔''

وہ ذرا سا رکا، سانس لی، پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں حدیث سنانے لگا۔

''بے شک تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے اختیار میں دیا ہے۔''

اس کی آواز نرم ہو گئی تھی، ہاتھ کا ہلکا سا اشارہ، جیسے کسی کو سمجھا رہا ہو، ڈانٹ نہیں رہا۔

''انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

اس نے دائیں ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا، جیسے برابر کرنے کی لکیر کھینچ رہا ہو۔

''اور ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر مشکل کام لو، تو خود بھی مدد کرو۔''

چند لوگ سر ہلانے لگے۔ کہیں سے ہلکی سی ''سبحان اللہ'' کی آواز بھی آئی۔

''صحیح البخاری۔۔۔ صحیح مسلم۔''اس نے حوالہ دیتے ہوئے آہستہ سے کہا، پھر ایک لمحہ خاموش ہو گیا۔

''سوچیے ذرا۔۔۔''اس نے آہستہ سے کہا، اور ڈائس سے ہٹ کر ایک قدم سائیڈ پر آ گیا۔

''اس حدیث میں غلاموں پر بھی اُن کی بساط سے بڑھ کر بوجھ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔''پھر اچانک اس کی نظریں اس لڑکی کی طرف اٹھیں۔

''بیوی تو پھر بیوی ہوتی ہے۔''اس نے ہلکا سا توقف کیا۔

''کیا اسلام یہ کہے گا کہ اس پر ظلم کرو؟''آواز میں ہلکی سی سختی آ گئی تھی۔

''اسلام اجازت دے گا کہ ایک عورت پر تشدد کیا جائے؟''اس نے سر ہلایا۔۔۔ نفی میں۔

''ہر گز نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔''الفاظ چھوٹے تھے، مگر وزن رکھتے تھے۔

''اسلام تو غلاموں کو مارنے کی اجازت نہیں دیتا۔''وہ اب آہستہ آہستہ سٹیج پر چلنے لگا تھا۔

''تو بیوی پر تشدد کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟''ہال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ لوگ واقعی سن رہے تھے، صرف سن نہیں، جذب کر رہے تھے۔

''میں آپ کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔''اس نے ہلکا سا مسکرا کر کہا، مگر آنکھوں میں سنجیدگی برقرار تھی۔ چند لمحے وہ خاموش رہا، جیسے ذہن میں الفاظ ترتیب دے رہا ہو۔ پھر بولنا شروع کیا۔

''فرض کریں،ایک طالبِ علم ہے۔''اس نے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا، جیسے کسی بچے کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔

''کلاس میں شرارت کرتا ہے۔''کچھ لوگ ہلکا سا مسکرا دیے۔

''سب سے پہلے کیا ہوتا ہے؟''اس نے خود ہی سوال کیا، پھر فوراً جواب دیا۔

''اسے وارننگ دی جاتی ہے، کہ دوبارہ ایسا نہیں کرنا۔''اس نے انگلی اٹھا کر پہلی اسٹیج واضح کی۔

''اگر وہ نہ مانے۔''وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

''تو اسے الگ بٹھا دیا جاتا ہے، باقی بچوں سے دور، تاکہ وہ اپنی غلطی سمجھ سکے۔''اب اس نے دوسرا اشارہ کیا۔

''اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے۔''

''تو استاد، اسے ڈانٹ دیتا ہے یا ہلکا سا تھپڑ لگا دیتا ہے۔''ہال میں کچھ لوگ سنجیدگی سے سر ہلا رہے تھے۔

''اور اکثر۔۔۔''وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

''اسی مرحلے پر بچہ رک جاتا ہے۔''اسی دوران چند نئے لوگ خاموشی سے آ کر پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کرسیوں کی ہلکی آواز گونجی، مگر کسی کی توجہ نہ ہٹی۔

''تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ۔۔۔کہ سکول بچوں پر تشدد کو پروموٹ کر رہا ہے؟''اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''یا والدین۔۔۔جب بچے کو ہلکا سا تھپڑ لگاتے ہیں۔۔۔تو کیا وہ ظلم کر رہے ہوتے ہیں؟''وہ رکا۔سانس لی۔

''نہیں۔''اس نے خود ہی جواب دیا۔

''کیونکہ ہر سمجھ رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ استاد ہو یا والدین، وہ جو بھی کرتے ہیں۔۔۔اصلاح کے لیے کرتے ہیں۔''وہ اب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سٹیج کے درمیان کی طرف آیا۔

''اب ایک اور بات غور سے سنیں۔''اس کی آواز میں پھر وزن آ گیا تھا۔

''جس سورۃ میں یہ آیت ہے۔۔۔اس کا نام ہی ''نساء'' ہے۔۔۔یعنی، عورتیں۔''چند لوگ فوراً چونک کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''تو کیا یہ ممکن ہے کہ جس سورۃ کا نام ہی عورت پر ہو اس میں ہی عورت پر ظلم سکھایا جائے؟''اس نے خود ہی سر ہلایا۔

''ناممکن۔''پھر اس کی آواز نرم ہو گئی۔''اور ایک بات اور۔۔۔''وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بولا۔

''جن ؐ پر یہ قرآن نازل ہوا۔۔۔ان ؐ کی اپنی گیارہ ازواجِ مطہرات تھیں۔''اس نے احترام سے سر جھکایا، دایاں ہاتھ سینے پر رکھا۔

''انہوں ؐ نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا۔ کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔''چند خواتین کے چہروں پر واضح سکون آ گیا تھا۔

''اگر ایسا حکم ہوتا تو وہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے کیونکہ انہوں نے قرآن کے ہر حکم پر عمل کیا۔''اب وہ سٹیج پر آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا، مائیک ہاتھ میں، نظریں کبھی ایک طرف، کبھی دوسری طرف۔

''عورت۔۔۔''اس نے لفظ کو آہستہ سے ادا کیا۔

''بہت نازک ہوتی ہے۔''اس نے ہاتھ کو آہستہ سے کھولا، جیسے کوئی نرم چیز تھام رکھی ہو۔

''بالکل۔۔۔پھول کی پتی کی طرح یا۔۔۔تتلی کے پروں کی طرح۔''

''اگر آپ تتلی کے پروں کو زور سے پکڑیں۔''اس نے انگلیاں بند کیں، پھر کھول دیں۔

''تو اس کا رنگ۔۔۔آپ کی انگلیوں پر رہ جاتا ہے۔۔۔اور اس کے پر بے رنگ ہو جاتے ہیں۔''ہال میں مکمل خاموشی تھی۔

''اسی لیے۔۔۔تتلی کو ہمیشہ۔۔۔نرمی سے ہاتھ پر بٹھایا جاتا ہے۔''اس نے ہتھیلی کو آہستہ سے اوپر کیا۔

''تاکہ اس کی خوبصورتی برقرار رہے۔''ایک لمحہ رکا۔

''عورت بھی ایسی ہی ہے۔''آواز نرم ہو گئی۔

''پیار دو گے۔۔۔تو کھِلتی جائے گی۔''

''محبت دو گے۔۔۔تو اور حسین ہو جائے گی۔''

''اور اگر نہ دو تو مرجھا جائے گی۔۔۔جس طرح پھول مرجھا جاتا ہے۔''

کچھ لوگ نوٹس لے رہے تھے، کچھ صرف دیکھ رہے تھے، گہری سوچ میں۔وہ دوبارہ سٹیج کے عین درمیان آ کر رُکا۔

''اب آیت کا آخری حصہ۔''

''اگر وہ مان جائیں۔۔۔تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔''اس نے جملہ آہستہ آہستہ ادا کیا، تاکہ ہر لفظ ذہن میں بیٹھ جائے۔اس نے ہاتھ اٹھایا۔

''پہلی کنڈیشن، سمجھانا۔''انگلی ایک۔

''دوسری، بستر الگ کرنا۔''انگلی دو۔

''تیسری، ہلکا سا مارنا۔''انگلی تین۔پھر اس نے ہاتھ نیچے کر دیا۔

''لیکن۔۔۔آیت ختم کہاں ہوتی ہے؟''خاموشی۔

''پہلی کنڈیشن پر۔''اس نے خود جواب دیا۔

''اگر وہ مان جائیں۔۔۔تو بات ختم۔''وہ ہلکا سا آگے جھکا۔

''یعنی مقصد۔۔۔سزا نہیں۔۔۔اصلاح ہے۔''ہال میں بیٹھے لوگ اب واقعی سوچ رہے تھے۔

''اور یاد رکھیں!''اس کی آواز گہری ہو گئی۔

''عورت، مرد کے پاس اللہ کی امانت ہے۔''اس نے سینے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔

''امانت۔''

''اور امانت میں خیانت۔۔۔''اس نے سر ہلایا۔

''برداشت نہیں کی جاتی۔''

''اللہ خود کہتا ہے۔۔۔وہ بلند ہے۔۔۔بڑا ہے۔''

''یعنی۔۔۔تم چاہے جتنا بھی اختیار رکھتے ہو۔''

''تم اس کے ماتحت ہو۔'' اس نے شہادت کی انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ہال میں بیٹھے کئی چہرے سنجیدہ ہو گئے۔

''اگر وہ سدھر جائیں۔۔۔اور تم پھر بھی بہانے ڈھونڈو،''اس نے ہلکا سا توقف کیا۔

''تو یاد رکھو! پھر حساب بھی ہو گا، جواب بھی دینا پڑے گا۔''اب اس کی آواز میں تنبیہ تھی، مگر توازن بھی۔ہال میں خاص طور پر عورتوں کے چہرے بدلنے لگے، کسی کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ، کسی کی آنکھوں میں نمی، کسی کے چہرے پر سکون۔

''اور آخر میں۔۔۔ایک اہم بات۔''اس نے مائیک مضبوطی سے تھاما۔

''آیت میں جو لفظ آیا ہے ''وَاضْرِبُوهُنَّ''اس نے لفظ واضح ادا کیا۔

''یہ 'ضَرَبَ' سے نکلا ہے اور عربی میں ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔''وہ آہستہ سے چلتے ہوئے بولا۔

''یہاں اس کا مطلب سخت مارنا نہیں۔''

''بلکہ بہت ہلکا سا مارنا، جیسے مسواک سے۔''کچھ لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''اور یاد رکھیں۔''اس نے انگلی اٹھائی۔

''یہ تیسری اسٹیج ہے۔آخری۔''

''اور اکثر بات وہاں تک پہنچتی ہی نہیں۔''اس نے گہری سانس لی۔

''اسی لیے آیت کے آخر میں، پھر پہلی بات دہرائی گئی۔''

''اگر وہ مان جائیں، تو الزام کی راہ مت ڈھونڈو۔''وہ خاموش ہو گیا۔

پورے ہال میں اس وقت صرف اس کی آواز کی بازگشت باقی تھی اور سینکڑوں ذہن، جواب واقعی سوچ رہے تھے۔

''جس طرح اللہ نے طلاق کا ایک آپشن دیا ہے مگر اسے پسند نہیں فرمایا۔''وہ آہستہ سے بولا، ایک قدم آگے بڑھا اور مائیک کو ذرا قریب کیا۔

''یعنی حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ عمل طلاق ہے۔''ہال میں خاموشی برقرار تھی مگر کئی چہرے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تو سوال یہ ہے کہ اللہ نے یہ آپشن دیا کیوں؟''چند لمحے اُس نے رُک کر سانس لی اور پھر بولنے لگا۔

''رحمت کی بنیاد پر، حکمت کی بنیاد پر۔''اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

''اسلام صرف نظریاتی دین نہیں، عملی دین ہے۔''وہ اب واپس ڈائز پر آ چکا تھا۔

''زندگی میں ہر رشتہ آسان نہیں ہوتا۔''

''کبھی مزاج نہیں ملتے، کبھی ظلم شروع ہو جاتا ہے۔''

''کبھی جھگڑے اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔''اس نے ہلکا سا سر جھکایا۔

''اور پھر نباہ ممکن نہیں رہتا۔تب اسلام کہتا ہے فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ''وہ آہستہ سے آیت پڑھ کر اُس کا ترجمہ کرنے لگا۔

''یا تو اچھے طریقے سے ساتھ رکھو یا عزت کے ساتھ الگ ہو جاؤ۔''ہال میں چند لوگ سر ہلانے لگے۔

''یعنی پہلے کیا؟''اس نے انگلی اٹھائی۔

''اصلاح کی کوشش، بات چیت، صلح، خاندان کی مدد۔''پھر دوسری انگلی اٹھائی۔

''اور اگر کچھ نہ بنے تب جا کر طلاق کی اجازت۔''اس نے ہاتھ نیچے کر دیا، نظریں سیدھی سامنے۔

''بالکل اسی طرح ہلکا سا مارنا بھی آخری حل ہے، پہلا نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ رک گیا۔ سٹیج کے عین درمیان آکر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے نظریں اٹھائیں، سیدھا اسی لڑکی کی طرف۔

''تو کیا اب بھی آپ یہی کہیں گی۔'' آواز نرم مگر پُر اعتماد تھی۔

''کہ اسلام عورتوں پر تشدد کو پروموٹ کرتا ہے؟'' ہال کی ساری نظریں اب اس لڑکی پر تھیں۔ وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر۔۔۔ پھر اُس نے دم بخود اپنا سر نفی میں ہلتا ہوا محسوس کیا۔

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں۔'' اُس نے اپنے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہوئے محسوس کیے۔ ہال میں ہلکی سی سرگوشی پھیلی۔

محمد نے ہلکا سا مسکرا کر سر جھکایا، پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا ہو، وہ مائیک دوبارہ اپنے چہرے کے نزدیک لایا اور بولا۔

''اسلام ایک دین ہے، مذہب نہیں۔'' اس کی یہ بات ذرا غیر متوقع تھی۔ لڑکی نے بھنویں ہلکی سی سکیڑیں، وہ واضح طور پر نہ سمجھی۔

''آپ نے شروع میں کہا تھا کہ اسلام جسے دنیا کا بہترین مذہب کہا جاتا ہے۔''

محمد نے اُسے یوں کشمکش میں دیکھ کر بات ذرا واضح کی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

''لیکن یہ مذہب نہیں، دین ہے۔'' اس نے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا۔

''اور دین اور مذہب میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔'' چند لمحے خاموشی رہی، پھر اچانک کسی نے زور سے تالی بجائی، پھر کسی دوسرے نے اُس کا ساتھ دیا اور پھر پورے ہال میں تالیوں کی گونج پھیلتی ہی چلی گئی۔

وہ لڑکی بھی مسکرا دی، اس بار پہلے سے زیادہ مطمئن۔

اور محمد۔

وہ بس خاموش کھڑا تھا، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، جیسے اس کا کام مکمل ہو چکا ہو۔

★。° ✦ °。★

کچھ گھنٹے پیچھے چلتے ہیں۔

محمد سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ قدم تیز تھے مگر انداز سنبھلا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ ریلنگ پر تھا اور دوسرے ہاتھ میں اسمارٹ فون۔ اسکرین پر نظر پڑی تو وہ ایک لمحہ رکا، پھر فوراً کال ریسیو کر لی۔

''جی، ہاں، میں نکل رہا ہوں۔'' اس کی آواز سنجیدہ ہو گئی تھی۔

وہ ایک دو سیڑھیاں ایک ساتھ اتر گیا۔ پیشانی پر ہلکی سی شکن آ گئی۔

''نہیں، آپ وہ فائل ابھی بھیجیں، میں راستے میں ہوں، ہاں، میں دیکھ لوں گا۔''

نیچے ڈائننگ ایریا میں ناشتہ سجا ہوا تھا۔ چائے سے ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی، ٹوسٹ اور آملیٹ پلیٹوں میں رکھے تھے، مگر محمد کی نظر ایک بار بھی اس طرف نہ گئی۔

وہ سیدھا ہال سے گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ چلتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی اور قدم مزید تیز کر دیے۔

''آپ انتظار نہ کریں، میں خود ہینڈل کر لوں گا۔''

اُس بیرونی دروازے کے ہینڈل پر گرفت مضبوط کی، اُونچی آواز سے خدا حافظ کہا، دروازہ کھولا، باہر نکلا، اور بغیر پیچھے دیکھے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز پورے گھر میں گونج گئی۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی مسز ریان نے دروازے کی طرف دیکھا، زیرِ لب محمد کو جواب دیا اور پھر ہانی کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ اتنی جلدی میں کہاں جا رہا ہے؟'' انہوں نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

ہانی کرسی پر بیٹھی تھی، دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہوئے۔ وہ دروازے کی طرف دیکھتی رہی، پھر ہلکا سا منہ بنایا۔

''مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے آنٹی!'' اس نے ناراضی سے کہا۔

''میں تو یہاں آپ کے ساتھ بیٹھی انتظار کر رہی تھی، اور جناب بنا ناشتہ کیے ہی چلے گئے۔''

اس نے چمچ اٹھایا، پلیٹ میں ہلکا سا گھمایا، پھر رکھ دیا۔

''ایک تو انتظار کرو، اوپر سے یہ رویہ۔'' وہ دل میں ہی کہہ کر رہ گئی۔

مسز ریان نے اس کے چہرے کے تاثرات غور سے دیکھے اور ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آ گئی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

''آفس میں شاید کوئی ایمرجنسی آ گئی ہو گی۔'' وہ ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر ہانی ابھی بھی خفا تھی۔

''یہ اچھی بات تو نہیں ہے آنٹی۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی، ناک ہلکی سی پھلالی۔

''ہم کب سے انتظار کر رہے تھے، اور ان کے پاس ہمارے ساتھ ناشتہ کرنے کا بھی ٹائم نہیں ہے۔'' اس کا انداز بالکل بچوں جیسا تھا، اور وہ اس حالت میں بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔

اس نے سرمئی رنگ کی لانگ فراک پہنی ہوئی تھی۔ بالوں کی اونچی پونی اس کے چہرے کو اور نمایاں کر رہی تھی۔ گول فریم کے چشمے کے پیچھے اس کی سیاہ آنکھیں ہلکی سی چمک رہی تھیں، اور غصے سے اس کے گالوں پر قدرتی لالی آ گئی تھی۔

مسز ریان ہنس دیں۔

''کوئی بات نہیں ہانی بیٹا۔'' انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''وہ جب واپس آئے گا تب ہم اس سے اپنا بدلہ لیں گے۔'' ہانی نے فوراً ان کی طرف دیکھا، دلچسپی جاگ گئی۔

''اور اس کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا؟'' اس نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا، مگر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ چکی تھی۔

مسز ریان نے معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمائیں۔

''تم شاید بھول رہی ہو کہ تمہیں کل لاہور ایک ایگزیبیشن پر جانا ہے۔'' وہ ایک لمحہ رکیں، پھر مسکرا دیں۔ ہانی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''آہاں، میں سمجھ گئی آنٹی۔'' خوشی کی لہر اُس کے من میں دوڑ گئی تھی۔

''اب ایسا ہی ہو گا، آپ دیکھنا۔'' اس کی ناراضی پل بھر میں ختم ہو گئی تھی۔

''چلو اب ناشتہ کر لو۔'' مسز ریان نے میز کی طرف اشارہ کیا۔

''ورنہ یہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

دونوں نے ناشتہ شروع کیا۔ درمیان میں ہلکی سی باتیں اور مسکراہٹیں چلتی رہیں۔

ناشتہ ختم ہوتے ہی مسز ریان گھر کے کاموں میں لگ گئیں۔ وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے جا رہی تھیں، ملازموں کو ہدایات دے رہی تھیں، کبھی پردے سیدھے کرواتیں، کبھی چیزوں کی
جگہ درست کرواتیں۔

ادھر ہانی سیدھا اپنے سٹوڈیو کی طرف چلی گئی۔

اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔

سب سے پہلے اس نے تمام لائٹس آن کیں۔ کمرہ فوراً روشن ہو گیا۔ دیواروں پر لگے کینوسز جگمگا اٹھے۔

وہ ایڑھیوں پر ہلکا سا گھومی اور چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اسے رنگوں سے کھیلنے کا بچپن سے ہی شوق تھا اور وہ اپنے شوق کو اب پروفیشن میں بدل چکی تھی۔

دائیں اور بائیں دیوار پر مختلف سائز کے کینوس تھے جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے راتوں کو جاگ کر بنائے تھے، چونکہ یہ کام ایک روحانی کام ہے اس لیے اسے کرنے کے لیے پُرسکون ماحول کی ضرورت پڑتی ہے، اس وجہ سے وہ ہمیشہ اپنا یہ کام راتوں کو جاگ کر کیا کرتی تھی جب سب گہری نیند سو رہے ہوتے تھے۔

ہر دیوار پر مختلف سائز کے کینوس لگے تھے۔ کہیں سنہری رنگ میں آیات، کہیں سیاہ پس منظر پر سفید خطاطی، کہیں رنگوں کا حسین امتزاج۔ ہر فن پارہ اپنی جگہ مکمل لگ رہا تھا۔

ہانی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ ایک کینوس کے قریب گئی اور انگلی سے اس کے کنارے کو چھوا، جیسے اپنے کام کو محسوس کر رہی ہو۔ اسے رنگوں سے بچپن سے محبت تھی، اور اب یہی شوق اس کی پہچان بن چکا تھا۔

سامنے والی دیوار پر ایک بہت بڑا کینوس لگا تھا جو تقریباً پوری دیوار کو ڈھانپ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر
اسے دیکھتی رہی، پھر گہری سانس لی۔

"یہ آج مکمل کرنا ہے۔"

اس نے خود سے آہستہ سے کہا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ کام سکون مانگتا ہے، اسی لیے وہ اکثر راتوں میں جاگ کر کام کرتی تھی جب ہر طرف خاموشی ہوتی۔

مگر آج وقت کم تھا۔

کل لاہور میں ایگزیبیشن تھی۔ اس کے کچھ کام ابھی ادھورے تھے اور آج اسے ہر حال میں مکمل کرنا تھا۔

وہ جلدی سے سامان سمیٹنے لگی۔ برش، رنگ، کینوس۔

پھر سب اٹھا کر لان کی طرف آ گئی۔

باہر ہلکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ گھاس پر تازگی تھی، پودوں کے پتے ہلکی ہوا سے ہل رہے تھے۔

اس نے کینوس اسٹینڈ پر لگایا، تھوڑا پیچھے ہٹ کر زاویہ دیکھا، پھر سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔"

وہ اسٹول پر بیٹھی، برش ہاتھ میں لیا، رنگ میں ڈبویا اور کام شروع کر دیا۔
اب اس کے ہاتھ نہایت مہارت سے چل رہے تھے۔ ہر اسٹروک ناپ تول کر، ہر لکیر میں توازن تھا۔
وہ برش کو اس طرح چلا رہی تھی جیسے کوئی لفظوں کو تراش رہا ہو۔
اس کی پوری توجہ کینوس پر تھی۔ نہ آس پاس کی آوازوں کا احساس، نہ وقت کا۔
ہوا ہلکی سی چل رہی تھی، پودے آہستہ آہستہ ہل رہے تھے، اور وہ سب جیسے خاموشی سے اسے
کام کرتے دیکھ رہے تھے۔ وہ دنیا سے بے نیاز تھی۔
صرف اپنے فن میں گم۔

★｡ ° ✦ ° ｡★

سنو جاناں!
تمہیں پتا ہے انت الحیات کا مطلب؟
اس کا مطلب ہے۔۔۔
"تم میری زندگی ہو۔"
زندگی پتا ہے کسے کہتے ہیں؟
سانس لینے کو۔۔؟ نہیں۔۔!
زندہ رہنے کو۔۔؟ نہیں۔۔!
زندگی کہتے ہیں۔۔ تمہاری دید کو۔۔!
زندگی کہتے ہیں تمہاری آواز کو۔۔!
تمہیں، تمہیں کہتے ہیں زندگی۔۔!
تم ہو انت الحیات، "تم ہو میری اَن □ ثُ ال □ حَیَات □ !"
(نامعلوم)

تاریخ تھی 17 اگست اور وقت تھا صبح کا۔
وہ جب گھر سے کالج کے لیے نکلی تو اسے لگا کہ وہ لیٹ ہو جائے گی مگر جب وہ کالج پہنچی تو گیٹ پر کھڑے گارڈ کو دیکھ کر اس نے دوبارہ گھڑی دیکھی۔
ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔
اس نے ہلکی سی سانس لی۔
"بچ گئی۔"
وہ آہستہ آہستہ راہداری سے گزرتی ہوئی اپنی کلاس کی طرف بڑھی۔ کلاس روم میں داخل ہوئی تو
چند طالبات اپنی جگہوں پر بیٹھ چکی تھیں۔ وہ خاموشی سے جا کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

کچھ ہی دیر میں لیکچر شروع ہو گیا۔

اس وقت اردو کا لیکچر چل رہا تھا۔پروفیسر وائٹ بورڈ پر کچھ لکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ سمجھا بھی رہے تھے۔کلاس میں ہلکی سی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

وہ پوری توجہ سے لیکچر سن رہی تھی۔

کلاس میں زیادہ تر طلبہ خاموش تھے۔کچھ نوٹس لے رہے تھے،کچھ صرف بورڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔لڑکیاں بائیں طرف بیٹھی تھیں جبکہ لڑکے دائیں طرف۔درمیان میں خالی راستہ تھا۔

حنین نے ایک جملہ لکھا،پھر رک گئی۔

پیچھے سے ہلکی سی آواز آئی۔

اس کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔

وہ آواز۔۔۔

وہ پہچانتی تھی۔

اس نے بہت آہستہ سے گردن موڑی۔صرف اتنا کہ پیچھے کا منظر نظر آ سکے۔

پیچھے دیکھتے ہی اُس کی نظریں ساکت ہو گئیں،وہ جہاں تھی وہیں تھم گئی ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ اُس کا سانس رک گیا ہے۔

حنین نے فوراً نظریں واپس موڑ لیں۔پین دوبارہ کاپی پر چلانے کی کوشش کی،مگر ہاتھ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"نہیں۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔"

اس نے دل میں خود سے کہا۔

چند لمحے وہ خود کو سنبھالتی رہی۔پھر بے اختیار اس کی نظریں دوبارہ پیچھے اٹھ گئیں۔

وہ واقعی وہی تھا۔

ایک سال میں تھوڑا سا بدل گیا تھا۔قد ذرا لمبا ہو گیا تھا۔چہرے پر ہلکی سی داڑھی آ گئی تھی۔بال پونی میں بندھے ہوئے تھے۔ہاتھ میں بریسلٹ تھے۔مگر انداز۔۔۔وہی تھا۔

حنین نے لب بھینچ لیے اور فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"حنین،مت دیکھو۔"اس نے خود کو روکا۔اسی لمحے پروفیسر کی آواز گونجی۔

"پچھلی قطار میں بیٹھے ہوئے آپ دونوں!"حنین پھر سے چونک گئی۔اس نے فوراً سر اٹھایا۔

کلاس میں خاموشی چھا گئی تھی۔اس کی نظریں خود بخود پیچھے چلی گئیں۔وہ کھڑا تھا۔حنین کا دل زور سے دھڑکا۔

پروفیسر اس سے سوال کر رہے تھے۔وہ جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا،مگر الجھ رہا تھا۔کلاس میں ہلکی ہلکی ہنسی پھیل گئی۔حنین نے نظریں جھکا لیں،مگر لبوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں۔

''اب بھی ویسا ہی ہے۔'' وہ دل میں بولی۔ پروفیسر کی باتیں جاری رہیں۔ وہ اسے ڈانٹ رہے تھے۔ حنین سن تو رہی تھی، مگر اس کی توجہ کہیں اور تھی۔ وہ پھر سے پیچھے دیکھنے سے خود کو روک نہ سکی۔

وہ اب بھی کھڑا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی جھنجھلاہٹ تھی۔ چند لمحے بعد وہ واپس بیٹھ گیا۔

حنین نے فوراً نظریں ہٹالیں اور کاپی کی طرف دیکھنے لگی، جیسے کچھ لکھ رہی ہو۔

مگر حقیقت یہ تھی کہ اس کا دھیان ایک لفظ پر بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہلکا سا سر موڑا۔

وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ بازو سینے پر بندھے ہوئے۔ نظریں گھڑی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہی بے زاری۔ حنین نے چند لمحے اسے دیکھا۔۔۔ پھر آہستہ سے نظریں ہٹالیں۔

اس نے گہری سانس لی اور خود کو دوبارہ لیکچر کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

آج کلاس میں سب کچھ ویسا ہی تھا۔

صرف ایک چیز بدل گئی تھی۔

وہ دوبارہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

★。° ✦ °。★

وہ جب سے گھر آئی تھی تب سے غیر معمولی طور پر خوش تھی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو قدم ہلکے تھے، جیسے زمین کو چھو ہی نہ رہے ہوں۔ بیگ کندھے سے اتارا اور صوفے کے کنارے پر رکھتے ہوئے ایک لمحے کو رکی، پھر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

وہ سیدھی ڈائننگ ایریا کی طرف بڑھی۔ میز پر کھانا لگا ہوا تھا، برتنوں کی ہلکی سی کھنک فضا میں گونج رہی تھی۔ مسز ارحم کرسی پر بیٹھی سلاد پلیٹ میں نکال رہی تھیں، جبکہ یزمان پہلے سے ہی بیٹھ کر موبائل پر اسکرولنگ کر رہی تھی۔ حنین کرسی کھینچ کر بیٹھی اور پلیٹ اپنی طرف کھینچ لی۔ مگر اس کی نظریں کہیں اور تھیں۔ کبھی ہلکی سی مسکراہٹ خود بخود لبوں پر آ جاتی، کبھی وہ نظریں جھکا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی۔

''تم نے چینج نہیں کرنا؟'' یزمان نے اپنی اسکرولنگ روک کر اُس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی سوال بھی کر ڈالا تھا۔

''بھوک لگی ہے مجھے بہن، اس لیے پہلے کھانا پھر چینج۔'' اُس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر معصومیت سے کہا تھا۔

مسز ارحم نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا۔ پھر آخر کار پوچھ ہی لیا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے آج؟'' حنین چونکی۔ چمچ اس کے ہاتھ سے تقریباً چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''جی؟''

''یہ جو تم مسکرا رہی ہو مسلسل، کوئی خاص بات ہے؟'' انہوں نے بھنویں ہلکی سی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

حنین فوراً سنبھل گئی۔ نظریں جھکا لیں اور جلدی سے پلیٹ پر جُھک گئی۔

''نہیں ممی، کچھ بھی نہیں ہوا مجھے تو۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

یزمان نے موبائل ایک طرف رکھا، کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھی اور مسکراتے ہوئے حنین کو دیکھا۔

''کالج کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہو گا ممی!'' اس نے چیخ کر کہا، آنکھوں میں شرارت صاف جھلک رہی تھی۔

حنین نے فوراً سر اٹھا کر اسے گھورا۔آنکھوں میں واضح وارننگ تھی۔

یزمان نے ہونٹ دبا کر ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

''جی ممی،کالج بھی اچھا ہے۔''حنین نے جلدی سے بات سنبھالی۔

''اور سٹاف بھی اچھا ہی معلوم ہوتا ہے۔''اس نے جملہ مکمل کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ لیا،جیسے بات ختم کرنے کی جلدی ہو۔

ساتھ ہی اس نے دوبارہ یزمان کی طرف دیکھا،اس بار ذرا آنکھیں سکیڑ کر۔

''زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔''اس نے بہت آہستہ،صرف ہونٹوں کی جنبش سے کہا۔

یزمان نے فوراً دونوں ہاتھ اٹھا کر سرنڈر کا اشارہ دیا اور ہنستے ہوئے کھانا ڈالنے کے لیے پلیٹ اپنی جانب کھینچ لی۔

مسز ارحم یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''اچھا جی،ہمیں بھی بتا دو،ہم بھی خوش ہو جائیں۔''انہوں نے چھیڑتے ہوئے کہا۔صبح ہونے والی تکرار کا اثر اب کافی حد تک زائل ہو چکا تھا۔

حنین نے سر جھکا لیا،مگر اس کے گالوں پر ہلکی سی لالی آ گئی تھی۔

''ممی واقعی کچھ نہیں ہے۔''اس نے نرمی سے کہا اور جلدی جلدی کھانا کھانے لگی۔

وہ غیر معمولی تیزی سے نوالے منہ میں ڈال رہی تھی۔جیسے اسے وہاں زیادہ دیر بیٹھنا مشکل لگ رہا ہو۔

یزمان اسے دیکھ کر پھر مسکرائی۔

''اتنی جلدی کیا ہے؟کہیں جانا ہے کیا؟''حنین نے فوراً اسے گھورا۔

''یزمان!''اس کی آواز دھیمی تھی مگر تنبیہ واضح تھی۔یزمان ہنس پڑی۔

''اچھا ٹھیک ہے،نہیں بولتی۔''حنین نے جلدی سے کھانا ختم کیا۔گلاس اٹھا کر پانی پیا،پھر کرسی پیچھے سرکائی اور کھڑی ہو گئی۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔''وہ بغیر مزید کچھ کہے پلٹ گئی۔قدم تیز تھے،مگر چہرے پر اب بھی وہی چھپی ہوئی خوشی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا۔بیگ ایک طرف رکھا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔چند لمحے وہ

بس خاموش بیٹھی رہی۔

پھر آہستہ سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھاما،آنکھیں بند کیں۔۔۔اور ایک گہری سانس لی۔

''وہ واقعی تھا۔''وہ آہستہ سے سرگوشی کر رہی تھی۔

پھر خود ہی ہلکی سی ہنسی اس کے لبوں سے نکل گئی۔

اور وہ خوشی۔۔۔جسے وہ باہر چھپا رہی تھی۔۔۔اب پوری طرح اس کے چہرے پر آ چکی تھی۔

اس شہر میں کتنے لوگ ملے،سب بھول گئے کچھ یاد نہیں
اِک شخص کتابوں جیسا تھا،وہ شخص زبانی یاد رہا

★。° ✦ °。★

ایک گھنٹہ پہلے۔

جب وہ دونوں کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو محمد نے خاموشی سے اٹھ کر وضو کیا۔ پانی کے قطروں کو ہاتھوں سے جھٹکا، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، چہرے پر سنجیدگی تھی۔ پھر وہ سیدھا ولی کے کمرے کی طرف آ گیا۔

دروازہ ہلکا سا دھکا دے کر کھولا۔

ولی بیڈ پر پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ ایک ٹانگ ہلکی سی ہوا میں ہل رہی تھی، ہاتھ میں موبائل تھا اور وہ انسٹاگرام کھولے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر مکمل بے نیازی تھی۔

محمد آ کر بیڈ کے کنارے کھڑا ہو گیا۔

''چلو، میرے ساتھ۔'' اس نے مختصر کہا۔

ولی نے نظر تک نہ اٹھائی۔ اسکرین پر انگلی چلتی رہی۔

''مجھے نہیں جانا یار!'' اس نے بے دلی سے کہا۔

''تمہیں جانا ہے تو جاؤ۔'' محمد نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر بیڈ کے قریب آ گیا۔

''ولی! کب تک بھاگتے رہو گے نماز سے؟'' اس کی آواز نرم تھی، مگر سیدھی۔

ولی نے ایک جھٹکے سے موبائل کو ذرا اوپر کیا، جیسے اسے نظر انداز کر رہا ہو۔

''یار مجھے نہیں کرنا یہ سب۔'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

''تمہیں شوق ہے، تم جاؤ۔۔۔ جا کر سجدے کرو۔ مجھے نہیں ہے۔'' وہ واضح طور پر اکتا چکا تھا۔ آواز میں چڑچڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔

محمد نے گہری سانس لی، مگر غصہ نہیں کیا۔ وہ آہستہ سے اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔

''میری بات سنو ولی۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''تم اتنے خلاف کیوں ہو گئے ہو؟'' ولی نے آخر کار موبائل ایک طرف رکھا اور کروٹ لے کر محمد کی طرف دیکھا۔

''تم ہی بتاؤ۔'' اس نے بھنویں چڑھائیں۔

''کیا اللہ کو ہمارے سجدوں کی ضرورت ہے؟ کیا وہ محتاج ہے ہمارے؟'' کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی۔

محمد نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔''

''نہ وہ محتاج ہے، نہ اسے ضرورت ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہم محتاج ہیں ولی۔'' وہ تھوڑا آگے جھکا، ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔

''ہمیں ضرورت ہے اس کی۔ جب ہم سجدہ کرتے ہیں نا۔'' اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

''تو ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔'' اس نے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا۔

ولی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا، مگر چہرے پر اب بھی سختی تھی۔

''وہی مالک ہے۔ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔'' محمد نے بات جاری رکھی۔

''اگر وہ نہ چاہے، تو ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔''

وہ ایک لمحہ رکا، پھر آہستہ سے بولا،

''ہم مٹی سے آئے ہیں اور ایک دن واپس مٹی میں ہی چلے جائیں گے۔''

کمرے میں ایک عجیب سا سکوت پھیل گیا۔ مگر ولی کے تاثرات نہ بدلے۔

اس نے فوراً نظر ہٹالی، پھر موبائل اٹھانے کی کوشش کی۔

''مجھے یہ سب مت سکھاؤ۔''اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''اور پلیز۔۔۔ یہاں سے جاؤ۔''اس نے موبائل ان لاک کیا، مگر انگلی رک گئی۔

''اچھا خاصا موڈ تھا میرا، تم نے خراب کر دیا۔''محمد نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''اتنی بری لگتی ہیں میری باتیں؟''اس نے دھیرے سے پوچھا۔

ولی نے فوراً جواب دیا۔

''سب باتیں نہیں، صرف اس قسم کی باتیں جب تم تھوڑا سا پگلا جاتے ہو۔''

اس نے کنپٹی پر انگلی گھماتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا چودہ سو سال پرانا دین اپنے پاس رکھو۔ میرے پاس نہ آیا کرو۔ اب دنیا ماڈرن ہو چکی ہے یار! آخر کب تک ہم وہی صدیوں پرانی روایات پر چلتے رہیں گے؟''

کمرے کی فضا اب بوجھل ہو گئی تھی۔

محمد چند لمحے خاموش رہا، وہ اسے صرف تاسف سے دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے نظریں جھکالیں،

پھر دوبارہ اٹھائیں۔

''تم یہ تو مانتے ہو نا۔۔۔ کہ کوئی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا؟''اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ولی نے فوراً جواب دیا۔

''مجھے سب پتا ہے۔''اس نے جھٹکے سے کہا۔

''کیا صحیح ہے، کیا غلط۔ تم فکر نہ کرو۔''وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، موبائل ہاتھ میں گھماتے ہوئے۔

''اور میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔''اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

''اپنا یہ دین لے کر میرے پاس مت آیا کرو۔''اس نے گہری سانس لی۔

''اب جاؤ۔ پلیز۔''کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

محمد آہستہ سے کھڑا ہو گیا۔ چہرے پر دکھ تھا، مگر لہجہ اب بھی پر سکون۔

''جا رہا ہوں۔''اس نے دھیرے سے کہا۔

پھر ایک لمحے کو رکا۔ نظریں ولی پر جم گئیں۔

''مگر ایک دن آئے گا۔''اس کی آواز ہلکی سی گہری ہو گئی۔

''جب تم یہ باتیں یاد کرو گے۔''ولی نے ہلکا سا طنزیہ مسکرا کر سر ہلایا۔

محمد نے بات مکمل کی۔

''تم ڈھونڈو گے مجھے، ہر جگہ۔ مگر میں نہیں ہوں گا۔''کمرے میں چند لمحے مکمل خاموشی رہی۔

ولی نے فوراً نظر ہٹالی۔

''ایسا کبھی نہیں ہو گا۔''اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''بھول جاؤ محمد کہ کبھی ایسا دن بھی آئے گا کہ میں تمہاری یہ فضول سی باتیں یاد کروں گا۔۔۔اور ہاں ایک بات یاد رکھنا، میں جب بھی پکاروں اور تم نہ آئے تو اچھا نہیں ہو گا۔''

وہ پھر سے لیٹ گیا، موبائل آن کرتے ہوئے۔

''اور اب جاؤ بھی یار، فضول میں امو شنل بلیک میل کر رہے ہو۔''اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مزید کہا۔

محمد نے ایک لمحے کو اسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے سر جھٹکا۔

کوئی جواب نہ دیا۔

وہ مڑا۔۔۔اور دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھولا، ایک لمحے کو رکا۔۔۔پھر باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز آئی۔

کمرے میں پھر سے وہی سکون لوٹ آیا۔

ولی نے فوراً انسٹا گرام کھولی۔ انگلی دوبارہ اسکرین پر چلنے لگی۔

جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

سب کے ہوتے ہوئے بھی اِک روز وہ تنہا ہو گا

پھر وہ ڈھونڈے گا ہمیں، اور نہیں پائے گا وہ

★。° ✦ °。★

یہ چار منزلہ عمارت تھی جو اسلام آباد شہر میں سر اُٹھائے کھڑی تھی۔ سیاہ رنگ کے شیشے، جن میں سے دن کے وقت اندر سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا، جیسے اپنے اندر کئی راز چھپائے بیٹھی ہو۔

مگر جیسے ہی رات کی سیاہی پھیلتی، ویسے ہی اس عمارت کے اندر جلتی روشن بتیاں باہر سے دیکھنے پر ایک الگ ہی حسن بکھیر دیتی تھیں۔ ہر فلور، ہر کمرہ واضح دکھائی دیتا جہاں لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگتے نظر آتے، جیسے عمارت خود ایک زندہ وجود ہو۔

یہ دن کا وقت تھا، اور آفس میں ہر طرف چہل پہل جاری تھی۔ کوئی سکرین کے سامنے جھکا تیزی سے کی بورڈ پر کھٹاک کھٹاک ٹائپ کر رہا تھا، تو کوئی فائل ہاتھ میں لیے پیشانی پر بل ڈالے اس میں گم تھا۔ ہلکی آوازوں، کلکس اور سرگوشیوں کا ملا جلا شور پورے ماحول میں پھیلا ہوا تھا۔

عمارت کے بیرونی حصے پر، سب سے اوپر والے فلور پر، سیاہ پس منظر کے بیچ ایک گول دائرے میں گھرا ہوا لوگو نمایاں تھا۔ آف وائٹ رنگ کی باریک مگر واضح لائن اس دائرے کو گھیرے ہوئے تھی، جیسے اندھیرے میں کوئی خاموش روشنی ٹھہر گئی ہو۔ دائرے کے اندر ایک سادہ مگر پُراثر ''W'' لکھا تھا، اور اس کے نیچے ''WORK''۔

گرے گلاس پر یہ لفظ ایسے چمک رہا تھا جیسے صرف نام نہیں، بلکہ وقار کی ایک پہچان ہو۔

ٹاپ فلور پر موجود ایک آفس میں وہ بیٹھا کام کر رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ میں ملبوس، بال سلیقے سے سیٹ، کلین شیو، اور ٹائی کی ناٹ بالکل اپنی جگہ پر۔۔۔ ہر چیز ترتیب میں، جیسے وہ خود بھی ایک نظم و ضبط کا عادی ہو۔ اس کی نظریں لیپ ٹاپ کی سکرین پر جمی تھیں اور انگلیاں مسلسل کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد اچانک آفس کا دروازہ کھلا۔ فہیم نے ہلکا سا سر اٹھا کر ایک نظر ڈالی اور فوراً واپس اپنے کام میں مگن ہو گیا، جیسے وہ پہلے ہی جانتا ہو کہ اندر آنے والا جن، ابراہیم ہی ہے۔

دروازے سے ابراہیم مسکراتا ہوا اندر آیا، سیدھا چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور سامنے رکھی کرسی پر دھپ سے بیٹھ گیا۔

فہیم نے اس بار بھی اُسے نظر انداز کیا اور ٹائپنگ جاری رکھی۔

''تم مجھے اگنور کر رہے ہو؟'' چند لمحے خاموشی سے گزرے تو ابراہیم نے ہلکا سا آگے جھکتے ہوئے، بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

''میں کام کر رہا ہوں۔'' فہیم کی نظریں سکرین سے نہ ہٹیں، بس سادہ سا جواب دیا۔

''میں تمہارے پاس آیا ہوں، بندہ مروتاً چائے کافی ہی پوچھ لیتا ہے۔''

ابراہیم نے آنکھیں گھمائیں، کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھا اور ہلکے سے شکوے کے انداز میں بولا۔

فہیم نے بنا وقت ضائع کیے انٹر کام اٹھایا، بیل بجائی اور چائے لانے کو کہہ دیا۔ ریسیور رکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے اسے معلوم ہو کہ یہ مہمان صرف چائے کا ہی شوقین ہے۔

''تم تھوڑی دیر کے لیے کام کو روک نہیں سکتے؟'' اس بار کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے، ابراہیم نے پھر سے بات چھیڑی۔

''ابراہیم! تمہیں دکھ رہا ہے نا کہ میں اس وقت مصروف ہوں؟'' فہیم نے ایک گہرا سانس لیا مگر ہاتھ بدستور کی بورڈ پر چلتے رہے۔

''کام کیا مجھ سے زیادہ ضروری ہے؟'' ابراہیم نے لاپرواہی سے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھ لیے۔

اس بار فہیم نے ٹائپنگ روکی، سر اٹھایا اور ایک لمحے کو اسے دیکھا۔

''نہیں۔''

ایک لفظی جواب اور پھر اسی سنجیدگی سے واپس سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مگر لگ تو نہیں رہا۔'' ابراہیم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

وہ آج براؤن جینز پر آف وائٹ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ گندمی رنگت، وُلف ہیئر کٹ جو اس پر خوب جچ رہا تھا، کلائی پر سادہ گرے واچ اور پاؤں میں سنیکرز۔ اس کا انداز بے فکری لیے ہوئے تھا۔

''میرے خیال سے تمہیں اس وقت یونیورسٹی ہونا چاہیے تھا۔'' فہیم نے آخر کار لیپ ٹاپ بند کیا، کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھا اور بازو سینے پر باندھ لیے۔

''یار! ایک تو تم سب مجھے نکالنے پر ہی لگے رہتے ہو، بابا گھر نہیں رہنے دیتے اور ایک تم ہو جو آفس نہیں آنے دیتے۔'' ابراہیم نے فوراً منہ بنایا۔

''نہ بابا تمہیں گھر سے نکال رہے ہیں اور نہ ہی میں تمہیں آفس آنے سے روک رہا ہوں۔'' فہیم نے پیشانی مسلی اور قدرے نرمی سے بولا۔

ابراہیم خاموشی سے کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''اوکے فائن! چائے کے ساتھ اور کیا لو گے؟'' اُس کی طرف سے کوئی بھی جواب نہ آنے پر فہیم آخر کار ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہار ماننے کے انداز میں کہنے لگا۔

''تمہاری چائے تو ابھی تک نہیں آئی، اُس کے ساتھ جو آنا ہے وہ تو شاید چائے ہضم ہونے کے بعد بھی نہ آئے۔'' ابراہیم نے پہلے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر فہیم کی طرف، فہیم سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

''یار قسم سے! یہ لوگ بہت کام چور ہیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی آگئی تھی، جسے محسوس کرتے ہی فہیم نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ، تمہاری باکسنگ کیسی جا رہی ہے؟'' وہ فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگا۔

اور پھر یہ وہ مقام تھا جسے سنتے ہی ابراہیم کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، آنکھوں میں چمک آگئی۔

''تمہیں پتا ہے، اگلے ہفتے ہی میرا میچ ہے! میں یونیورسٹی بھی اسی وجہ سے نہیں جا رہا، آج کل پوری تیاری کر رہا ہوں۔''

وہ جوش میں ہاتھوں سے ہلکے ہلکے اشارے بھی کرنے لگا تھا، جیسے ہر بات کے ساتھ اپنی محنت کو

بھی بیان کر رہا ہو۔

ابراہیم سے جب کسی نے کوئی بات منوانی ہو تو وہ اُسے باکسنگ کی قسم دے دیتا تھا، اس کے علاوہ ایسا کوئی طریقہ نہیں جس پر ابراہیم انصر نامی انسان کو راضی کر لیا جاتا۔

وہ پروفیشنل باکسر نہیں تھا، مگر باکسنگ اس کی ہابی سے بڑھ کر تھی۔ اُس کا خواب تھا کہ وہ بھی پروفیشنل باکسر بنے مگر بابا اور امی کی وجہ سے ہمیشہ چپ ہو جاتا تھا۔

وہ سب کچھ چھوڑ سکتا تھا مگر باکسنگ نہیں۔ روز گھنٹوں ٹریننگ کرتا، جیسے کسی بڑے انٹرنیشنل مقابلے کی تیاری ہو۔ اس کی انگلیوں پر اکثر زخموں کے نشان رہتے، اور کبھی کبھار وہ چلتے چلتے بھی کسی دیوار یا بیگ پر مکا مار دیتا۔۔۔ کبھی چیز ٹوٹتی، کبھی اس کی اپنی انگلیاں زخمی ہوتیں، مگر وہ باز نہ آتا۔

''ویسے۔۔۔ اس بارے میں امی اور بابا کو معلوم ہے؟'' فہیم نے ہلکا سا آگے جھکتے ہوئے قدرے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''خبردار اگر تم نے اپنے ناپاک ارادوں پر پورا اترنے کی کوشش کی تو اور اگر اُنہیں پتا لگا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' ابراہیم نے فوراً آنکھیں سکیڑیں، پھر ایک ہاتھ کا مکا بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہلکا سا مارا۔

فہیم بے اختیار ہنس پڑا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ابراہیم صرف کہنے کا شیر ہے۔ وہ اپنے بڑے بھائی پر کبھی بھی ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

''ویسے بابا ہیں کدھر؟'' اس نے متلاشی نظروں سے انہیں کھوجنا چاہا، وہ تو بھول ہی گیا تھا بابا کو۔

''وہ اس وقت کانفرنس رُوم میں ہیں، میٹنگ چل رہی ہے اُن کی۔'' فہیم نے ساتھ والے رُوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' ابراہیم نے دونوں ہونٹ گول کیے۔

''تم یہ بتاؤ، آفس کیوں نہیں آنے دیتے مجھے؟''

اس بار فہیم کے چہرے پر مسکراہٹ آہستہ آہستہ مدھم پڑ گئی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری، نظریں کچھ لمحوں کے لیے نیچے جھکائیں۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی عمر کے جس حصے میں ہو، اسے کھل کر جیو۔''

''میں تو کھل کر ہی جی رہا ہوں۔'' ابراہیم نے ہلکی سی نا سمجھی سے سر ٹیڑھا کیا۔

فہیم ہلکا سا مسکرایا، مگر اس مسکراہٹ میں ایک عجیب سی سنجیدگی تھی،

''یہی تو میں چاہتا ہوں کہ تم کھل کر جیو، ابھی تو جی رہے ہو۔۔۔ مگر جب تم میری عمر میں پہنچو گے اور سٹوڈنٹ لائف سے نکلو گے، تو یہی دن تمہیں سب سے زیادہ یاد آئیں گے۔''

''ہاں یار! یہ بھی ایک الگ ہی دُکھ ہے، بعد میں مجھے میری کلاس کی لڑکیاں یاد تو آئیں گی۔'' ابراہیم نے بہت ہی اُداس سا چہرہ بنا کر کہا، اور فہیم اُس کی بات پر ہنس پڑا۔

''میں گرلز کی بات نہیں کر رہا یار!''

''تھوڑا آسان کر کے سمجھاؤ گے؟'' ابراہیم نے بھنویں سکیڑیں۔

فہیم کرسی پر ذرا سا آگے جھکا، ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں۔

''آسان بات یہ ہے کہ جب تک تم سٹوڈنٹ ہو، تم بے فکر ہو۔ یہ ایگزامز، مڈز، بورڈز۔۔۔ یہ سب فکریں، اصل زندگی کی فکروں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔''

وہ چند لمحے رکا، جیسے الفاظ چن رہا ہو۔

''جب تم پریکٹیکل لائف میں آتے ہو تو زندگی اپنا ایک الگ روپ دکھاتی ہے۔ ابھی تمہیں ورک پلیس اچھی لگتی ہے، مگر جب یہی تمہاری ذمہ داری بن جائے گی۔۔۔ تب تمہیں اس کا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس ہو گا۔''

''مگر میں تو چاہتا ہوں کہ جلدی پڑھائی ختم ہو اور میں بھی تمہیں اور بابا کو جوائن کروں۔۔۔ یہی تو اصل زندگی ہے نا؟'' ابراہیم پہلے خاموشی سے سنتا رہا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

فہیم اس کی بات پر مسکرا دیا۔

''ہمیں جوائن کرنا۔۔۔ ضرور کرنا۔ مگر اصل زندگی وہ ہے جو تم ابھی جی رہے ہو۔ جب تم اس جگہ آؤ گے جہاں آج مجھے دیکھ رہے ہو، تو زندگی تمہیں ایسے سبق سکھائے گی جو تم کبھی نہیں بھولو گے۔''

ابراہیم نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے آدھی بات سمجھ آئی ہو، آدھی نہیں۔

''جب وقت آئے گا، سب سمجھ آ جائے گا۔ ابھی۔۔۔ بس جہاں ہو، اسے جیو۔ اسے محسوس کرو۔ آنے والے کل کے لیے اپنا آج خراب مت کرو۔'' فہیم نرم لہجے میں مزید کہنے لگا۔

''نصیحتیں اچھی خاصی کر لیتے ہو تم۔'' ابراہیم نے ہلکا سا مسکرا کر اسے چھیڑا۔

''میں چاہتا ہوں جو زندگی نے ہمیں سکھایا ہے۔۔۔ وہ تمہیں پہلے سے معلوم ہو۔'' فہیم نے ہنستے ہوئے لیپ ٹاپ دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا۔

''تمہاری چائے ابھی تک نہیں آئی۔''

ابھی وہ دوبارہ کام شروع ہی کرنے لگا تھا کہ ابراہیم دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ لوگ واقعی کام چور ہو گئے ہیں، ایک دو کو نکالنا پڑے گا تب سیدھے ہوں گے۔'' فہیم نے

دُکھ سے پیشانی مسلی۔

''اوہو برو!''ابراہیم فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''کسی کو فائر نہ کرو، میں چائے بعد میں پی لوں گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''فہیم انصر کو لوگوں کے رزق پر لات مارنی نہیں آتی۔۔۔کیا پتا کون کس مجبوری میں یہاں نوکری کے لیے آیا ہو۔'' فہیم گہرا سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔

''مگر مفت کی روٹی تو میں بھی نہیں دے سکتا، آج ہی ڈے ڈِ میں ان سب کو سیدھا کرتا ہوں۔جو سیلری لے رہے ہیں۔۔۔حلال تو کریں۔'' فوراً اس کے چہرے پر سختی آگئی تھی۔

پھر اس نے ہلکی سی نظر ابراہیم پر ڈالی۔

''اور اب۔۔۔اگر تمہاری اجازت ہو تو میں کام کر لوں؟''

''Why not, meri jaan!''

ابراہیم مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا، جیب میں ہاتھ ڈالا اور شیشے کے پار باہر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

کچھ لمحوں تک وہ وہیں کھڑا رہا۔

نیچے سڑک پر چلتی گاڑیوں کو دیکھتا ہوا۔چھوٹی چھوٹی نظر آتی گاڑیاں، تیزی سے گزرتے لوگ۔۔۔سب کچھ دور سے کتنا مختلف لگ رہا تھا۔

اس نے ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا، جیسے اپنے ہی خیال پر ہنسا ہو۔پھر پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''میں زندگی کا پہلا میچ کھیلنے جا رہا ہوں اس لیے میچ والے دن ضرور آنا۔'' جاتے جاتے اُس نے بغیر مڑے کہا۔

فہیم کی انگلیاں کی بورڈ پر چلتی رہیں، مگر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

''اگر تم نے خود کو زخمی نہ کیا تو۔۔۔آجاؤں گا۔''

ابراہیم دروازے تک پہنچ کر رکا، ہلکا سا مڑا، آنکھوں میں وہی چمک۔

''زخمی ہونے کی پرواہ نہیں مگر۔۔۔جیتوں گا تو میں ہی۔'' کیا مان تھا اُسے اپنے آپ پر۔ایک لمحے کی خاموشی آئی۔

فہیم نے اس بار سر اٹھایا۔۔۔سیدھا اس کی طرف دیکھا۔

اس کی سنجیدہ آنکھوں میں ایک عجیب سا اعتماد تھا۔

''انشاءاللہ۔''ابراہیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

دروازہ آہستہ سے بند ہوا۔

کمرے میں ایک بار پھر وہی پہلے والی خاموشی لوٹ آئی۔

بس کی بورڈ کی ہلکی ہلکی آواز باقی رہ گئی۔

باہر سورج اپنی روشنی پھیلا رہا تھا اور اندر،

زندگی اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اے زندگی تجھے کیا کہوں؟میرے ساتھ تُو نے کیا کیا

جہاں آس کا کوئی دِیا نہیں، مجھے اس نگر پہنچا دیا

نہ میں بڑھ سکوں نہ میں رُک سکوں
نہ ہی دل کی بات سمجھ سکوں

تُجھے کیا کہوں تُو نے کیا کیا؟
تُجھے کیا کہوں تو نے کیا کیا؟
★。° ✦ °。★

موجودہ دن۔

سیمینار ختم ہوتے ہی وہ ہال سے نکلا تو اس کے قدموں میں ایک ہلکی سی تھکن تھی، مگر چہرے پر عجیب سی سنجیدگی برقرار تھی۔ پارکنگ تک جاتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو گردن گھما کر پیچھے دیکھا، جیسے ذہن ابھی بھی اسٹیج پر بولے گئے الفاظ میں الجھا ہو۔ پھر ہلکا سا سانس لے کر وہ گاڑی میں بیٹھا اور سیدھا آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اپنی پانچ منزلہ عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ عمارت اپنی پوری شان کے ساتھ ایستادہ تھی، جیسے شہر کے شور میں بھی اپنی الگ پہچان رکھتی ہو۔ اس نے دروازہ کھولا، گاڑی سے باہر نکلا، کوٹ کی آستین کو ذرا سا درست کیا اور پراعتماد قدموں سے اندر داخل ہو گیا۔

آفس کے دروازے کو دھکیل کر جیسے ہی وہ اندر آیا، سامنے رکھی خوبصورت میز اس کی نظر میں آئی۔ اس پر مختلف ایپل کے جدید گیجٹس نہایت ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ آئی فون، آئی پیڈ، میک بک اور ایئر پوڈز۔۔۔ ہر چیز اپنی جگہ پر اتنی نفاست سے رکھی تھی کہ دیکھنے والا بے ساختہ متاثر ہو جائے۔

میز کے پیچھے موجود بڑی شیشے کی دیوار سے دھوپ کی نرم روشنی اندر پھیل رہی تھی۔ وہ روشنی اس کے چہرے پر پڑی تو اس نے پلکیں ذرا سی سکیڑیں اور باہر شہر کے پھیلے ہوئے منظر پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اونچی عمارتیں، سڑکوں پر چلتی گاڑیاں، اور دور تک پھیلا ہوا ہلکا سا دھندلا افق۔ سب کچھ ایک لمحے کے لیے اس کی نگاہوں میں ٹھہر سا گیا، پھر وہ جیسے حقیقت میں واپس آ گیا۔

دائیں جانب موجود کتابوں سے بھری دیوار پر اس کی نظر خود بخود ٹھہر گئی۔ وہ چند قدم ادھر بڑھا، ایک کتاب کی پشت پر انگلی پھیرتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ کتابیں اس کے لیے محض شوق نہیں تھیں، بلکہ جیسے اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھیں۔ اور یہ شوق کب اس کے اندر جڑ پکڑ گیا، شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

بائیں طرف کافی میکر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے لمحہ بھر کو رک کر کپ اٹھایا، مگر پھر جیسے کسی خیال نے اسے روکا، اس نے کپ واپس رکھ دیا۔ ایک ہلکی سی کافی کی خوشبو ہوا میں
گھلی ہوئی تھی، جو ماحول کو مزید پرسکون بنا رہی تھی۔

وہ سیدھا اپنی ٹیبل کی طرف بڑھا، کرسی کو ہلکا سا پیچھے کھینچا اور بیٹھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ میک بک آن کی، اسکرین روشن ہوئی تو اس کی آنکھوں میں یکدم سنجیدگی اتر آئی۔ انگلیاں کی بورڈ پر چلنے لگیں، تیز، رواں، بغیر رکے۔

اب وہ اپنے کام میں مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔ارد گرد کی ہر چیز، ہر آواز، ہر خیال جیسے اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا۔اس وقت اس کی پوری توجہ صرف ایک چیز پر مرکوز تھی وہ کام جو آج ہر حال میں مکمل کرنا تھا۔

★。° ✦ °。★

جب وہ آفس سے اپنا کام مکمل کر کے نکلا تو شام اپنے آخری رنگ بکھیر رہی تھی۔گاڑی چلاتے ہوئے اس کی نظریں سڑک پر تھیں مگر ذہن اب بھی ادھورا سا اسی کام میں اٹکا ہوا تھا۔کچھ ہی دیر میں وہ گھر پہنچا تو رات کی ہلکی سی خنکی فضا میں گھل چکی تھی اور اندھیرا آہستہ آہستہ ہر سمت پھیل رہا تھا۔

دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا، اس کے قدم خود بخود لان کی طرف مڑ گئے۔ہلکی روشنی میں اسے ایک اسٹینڈ پر رکھا کینوس دکھائی دیا۔وہ ذرا سست قدموں سے اس کی طرف بڑھا، ہاتھ جیب میں ڈالے، نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔قریب پہنچ کر وہ ٹھہر گیا، بالکل اس کے سامنے۔

کینوس تقریباً مکمل تھا۔

اس نے گردن ذرا سی جھکائی، آنکھیں سکیڑ کر غور سے دیکھنے لگا۔اس پر بڑے واضح انداز میں "اَلرَّحمٰنُ" لکھا ہوا تھا، اور اس کے گرد باریک، نہایت نفیس کام کیا گیا تھا۔باقی آیات کو خوبصورتی سے چھوٹے حروف میں خطِ ثُلث میں سمویا گیا تھا، جیسے ہر لفظ اپنی جگہ سانس لے رہا ہو۔وہ ایک قدم پیچھے ہٹا، پھر دوبارہ آگے آیا، جیسے مختلف زاویوں سے اسے پرکھ رہا ہو۔

اسی لمحے اس کے پیچھے ہلکی سی آہٹ ہوئی، مگر وہ اپنی محویت میں اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ متوجہ نہ ہو سکا۔

"کیسا بنا ہے؟"

آواز اچانک اس کے بالکل قریب سے آئی تو وہ چونکا، پلٹ کر دیکھا، ہانی اس کے پیچھے کھڑی تھی، بازو سینے پر باندھے، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے۔

وہ ایک لمحے کو اسے دیکھتا رہا، پھر نظر واپس کینوس کی طرف موڑ لی۔

"برا نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا، مگر لہجے میں سنجیدہ غور شامل تھا۔

ہانی نے بھنویں ہلکی سی اوپر اٹھائیں۔"بس؟ اتنی محنت کے بعد 'برا نہیں ہے'؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ بُرا ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مگر آپ نے یہ بھی نہیں کہا کہ اچھا ہے۔" وہ ذرا خفا سی ہوئی۔

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر کینوس کے قریب ہوا اور انگلی سے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہاں۔۔۔ یہ جو باریک کام ہے، یہ بہت اچھا ہے۔خاص طور پر آیات کی ترتیب، بہت بیلنسڈ لگ رہی ہے۔"

"یہ تعریف میرا دل خوش کرنے کی کوشش میں کی؟" ہانی نے دونوں آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے بغور دیکھا۔

"تم خود ہی دیکھ کر بتاؤ کہ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" اُس نے کینوس کے اُس حصے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ شرمندہ ہوئی تھی، محمد اُس کی بات پر مسکرا دیا تھا۔

وہ بھلا کیسے کہہ سکتی تھی کہ محمد جھوٹ بول رہا ہے؟ محمد نے تو جھوٹ بولنا سیکھا ہی نہیں تھا،

وہ ہمیشہ سیدھی بات کرنے کا عادی تھا۔ وہ کبھی بھی کسی کو خوش کرنے کی نیت سے جھوٹ بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

پھر اس نے تھوڑا سا سر ایک طرف جھکایا، ''لیکن 'الرّحمٰن' کے گرد جو اسپیس ہے نا۔۔۔ اسے تھوڑا اور اوپن ہونا چاہیے تھا، ابھی تھوڑا سا congested لگ رہا ہے۔''

''ہمم، ہو تو سکتا ہے۔۔۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ہانی نے غور سے اس حصے کو دیکھا، پھر ہلکا سا سر ہلایا۔

''ویسے آپ کو خطاطی کا اتنی باریکی سے کیسے علم ہے؟'' وہ متجسس ہوئی تھی۔

''اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے، کیا کوئی بھی دیکھ کر یہ چھوٹی موٹی چیزیں نہیں بتا سکتا؟'' اُس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

''او نہوں۔۔۔ ایسی غلطیاں صرف وہ انسان بتا سکتا ہے جو اس کام میں ماہر ہو۔''

ہانی اس بات سے بے خبر تھی کہ جو شخص اُس کے سامنے کھڑا ہے وہ کافی عرصہ ایک خطاط کے پاس رہتا رہا ہے، وہ خود ایک ماہر خطاط ہے مگر اُس نے کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

ہانی جن کی کام سے بہت زیادہ متاثر تھی اور وہ جن کی فین تھی، اُس کے سامنے کھڑا وہ شخص اُن کا شاگرد تھا۔ ''قاری محمد ذیشان عزیز'' یہ ایک ایسا نام تھا جو خطاطی ہو یا قرأت دونوں دنیا میں گونجتا تھا۔

وہ دونوں وہیں لان میں کھڑے کچھ دیر تک اسی کینوس پر بات کرتے رہے۔ کبھی وہ کسی لفظ کی باریکی پر تبصرہ کرتا، کبھی ہانی اپنی سوچ بتاتی۔ ہانی درمیان میں کشمکش کا شکار ہو جاتی کہ آخر محمد کو اس فن کا اتنا علم کیسے ہے، مگر وہ پھر اپنی سوچ کو جھٹک دیتی۔ رات کی ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی، اور ارد گرد خاموشی میں صرف ان کی دھیمی آوازیں گھل رہی تھیں۔

آخر کار اس نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے بات کو سمیٹ رہا ہو۔

''Overall۔۔۔ بہت اچھا ہے۔ بس چند چھوٹی چیزیں ٹھیک کر لو تو اور بھی نکھر جائے گا۔''

ہانی کے چہرے پر اطمینان کی ہلکی سی جھلک آئی۔

''ٹھیک ہے، میں دیکھتی ہوں اسے۔''

وہ سر ہلاتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹا، پھر مڑ کر گھر کے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ چلتے ہوئے اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر کینوس کی طرف دیکھا، جیسے آخری بار اسے ذہن میں محفوظ کر رہا ہو، اور پھر سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

★。 ° ✦ ° 。★

اوپر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور ایک لمحے کو وہیں رک گیا۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی، جیسے دن بھر کی مصروفیات کے بعد اسے اپنے اندر سمیٹ رہی ہو۔

اس نے گردن دائیں بائیں گھمائی، کندھے ذرا سا ڈھیلے چھوڑے اور کپ بورڈ سے کپڑے نکال کر سیدھا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں بعد شاور چلنے کی آواز پورے باتھ روم میں گونج رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اس کے سر سے ہوتا ہوا کندھوں تک بہہ رہا تھا۔ جیسے دن بھر کی تھکن، الجھنیں اور خیالات سب پانی کے ساتھ بہہ رہے ہوں۔

اس نے ہاتھ بالوں میں پھیرا، پانی کے قطروں کو پیچھے کیا اور ایک گہرا سانس لیا۔

کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا، بال ہلکے گیلے، چہرہ فریش،اور لباس تبدیل کر کے اب بلیو جینزاور بلیک ٹی شرٹ میں کافی آرام دہ لگ رہا تھا۔ہاتھ میں تولیہ لیے اس نے بال ہلکے سے خشک کیے، پھر ایک

سرسری نظر آئینے میں خود پر ڈالی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

نیچے سے برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں اور کھانے کی خوشبو پورے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔

جیسے ہی وہ ڈائننگ ایریا میں داخل ہوا، مسز ریان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرائیں، مگر آنکھوں میں مانوس سی شکایت بھی تھی۔

''تم آج پھر لیٹ ہو کھانے پر۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا ہی تھا کہ ان کی آواز آئی۔

''مما! میں لیٹ نہیں آتا کھانے پر۔۔۔''

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بات شروع کی، پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''بلکہ آپ لوگ جلدی آجاتے ہیں۔'' وہ اس طرح بے نیازی سے کہہ رہا تھا جیسے وہ واقعی میں جلدی آجاتے ہوں۔

''چلو چھوڑو اس بات کو۔۔۔ ہمیں پتا ہے کہ کون لیٹ آتا ہے اور کون جلدی۔'' مسز ریان نے اسے ایک نظر دیکھا، پھر مسکرا کر سر ہلایا۔

''یہ بتاؤ، آج کا دن کیسا رہا؟'' انہوں نے پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

وہ پلیٹ پکڑتے ہوئے، چمچ سے کھانا نکالنے لگا۔

بلیو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں وہ کافی کیژول لگ رہا تھا، بال ابھی بھی ہلکے گیلے تھے، اور کلائی خالی، ہینڈ واچ شاید اوپر ہی چھوڑ آیا تھا۔

''ہمیشہ کی طرح۔۔۔ خوشگوار۔'' اس نے سر ہلکا سا جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کو کل میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' ابھی اُس نے ایک لقمہ لیا ہی تھا کہ اچانک ہانی کی آواز آگئی تھی۔

وہ رک گیا۔ چمچ ہوا میں ہی ٹھہر گیا، پھر آہستہ سے اس نے گردن موڑ کر ہانی کی طرف دیکھا۔

''کہاں جانا ہے؟''

''لاہور۔'' مختصر، ایک لفظی جواب۔

اس نے ایک ابرو ہلکا سا اوپر اٹھایا، جیسے بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کوئی ضروری کام ہے؟'' وہ پھر سے کھانا کھانے لگا تھا۔

''ضروری نہیں ہے۔۔۔''

ایک لمحے کا وقفہ لیا،

''بہت ضروری ہے۔''

اس نے ہلکا سا سانس خارج کیا، چمچ پلیٹ میں رکھتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

''ہانی! تمہیں معلوم ہے نہ کہ کل میرا ورکنگ ڈے ہے؟''

اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

''اور کچھ ضروری میٹنگز بھی ہیں، جنہیں اٹینڈ کرنا ضروری ہے۔''

''آپ وہاں جاب نہیں کرتے، آپ اُس کمپنی کے آنر ہیں، آپ کو کسی سے چُھٹی لینے کی ضرورت

نہیں ہے۔"

ہانی نے فوراً بات کاٹ دی، لہجہ غیر معمولی طور پر پر سکون تھا۔

"مگر۔۔۔" وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ہانی نے بات کاٹ دی۔

"آپ کل چھٹی کر لیں۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا، جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

"اور جو ضروری میٹنگز ہیں۔۔۔ان کا کیا؟"

"آپ انہیں کینسل یا ری شیڈیول کر سکتے ہیں۔ سمپل۔" ہانی نے شانے ہلکے سے اچکائے، جیسے یہ کوئی بڑی بات ہی نہ ہو۔

ہانی کی بات سن کر اس نے بے اختیار آنکھیں ذرا سی پھیلا دیں۔

"ہانی! تم ایسے کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں میٹنگز کینسل کر دوں؟"

"میں نے ری شیڈیول کا بھی تو کہا ہے۔" اُس نے یاد دہانی کروانا چاہی۔

اسی لمحے مسز ریان نے نرمی سے مداخلت کی۔

"صحیح تو کہہ رہی ہانی، میٹنگز تو ہوتی رہیں گی۔" انہوں نے پیار سے کہا۔

"اب اگر ہانی کو لاہور جانا ہے تو وہ کیسے جائے؟ اور کس کے ساتھ جائے؟"

"مما! ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیں اور۔۔۔"

"محمد میں کیسے اپنی بچی کو ڈرائیور کے ساتھ اتنی دور بھیج سکتی ہوں؟" مسز ریان کی لہجے میں ہلکی سی خفگی آ گئی تھی۔

"کل میں آپ کے ساتھ لاہور جا رہی ہوں۔۔۔اور یہ فائنل ہے۔" ہانی نے موقع پا کر فوراً اعلان کیا تھا۔

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی، پھر اس نے نظریں جھکا کر ہلکی سی مسکراہٹ

دبائی، جیسے جان گیا ہو کہ بحث بے کار ہے۔ وہ اپنی ماں اور ہانی سے کبھی بھی نہیں جیت سکتا تھا، وہ ہمیشہ اس قسم کی بحث کرنے میں ذرا نکما تھا۔

ڈنر خاموشی اور ہلکی ہلکی باتوں میں ختم ہوا، مگر اس کے ذہن میں کل کا شیڈول تیزی سے بدل رہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ ایک طرف ہٹ کر فون نکالتے ہوئے قدرے سنجیدہ ہو گیا۔ چند

سیکنڈ بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"فرقان، کل کی تمام میٹنگز ری شیڈیول کر دو۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک کونے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں، جو ارجنٹ ہیں انہیں بھی آگے شفٹ کر دو۔۔۔میں کل نہیں ہوں گا۔"

فون بند کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، جیسے خود کو قائل کر رہا ہو۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا، ہانی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔

اور سچ تو یہ تھا، وہ خود بھی کبھی اس کی ضد کے آگے نہیں ٹھہرتا تھا۔

کام اس کی پہلی ترجیح تھا، ہمیشہ سے۔

مگر جب بات ہانی کی آتی۔۔۔تو اس کے اپنے بنائے ہوئے اصول بھی کہیں پیچھے رہ جاتے۔

وہ اس کے لیے اپنے rules بدل دیتا تھا، یا خاموشی سے انہیں نظر انداز کر دیتا تھا۔

شاید اس لیے کہ وہ ہانی کو ہمیشہ ایک خاص انداز میں دیکھتا تھا۔

جیسے کوئی کسی ضدی بچے کو دیکھتا ہے، جس کی ہر ضد مان لینا ہی آسان لگتا ہے۔اور ہانی؟

وہ واقعی اکثر ویسی ہی ضد کرتی تھی، بچوں جیسی۔۔۔مگر پوری شدت کے ساتھ۔

چند لمحوں بعد ہی اس کا موبائل تھرتھرایا۔اس نے فون چہرے کے سامنے کیا تو کسی کا میسج جگمگا رہا تھا۔

وہ اُسے شاید ملنے کے لیے بلا رہا تھا۔محمد نے چند سیکنڈ اس میسج کو دیکھا اور پھر جواب دے کر فون واپس جیب میں ڈال لیا۔

★。゜ ✦ ゜。★

چند سال قبل، تاریخ تھی 17 اگست۔

کلاس روم میں کھڑکیوں سے آتی ہلکی دھوپ فرش پر پھیل رہی تھی۔پنکھے اپنی رفتار سے گھوم

رہے تھے اور ماحول میں ایک خاموش سی سنجیدگی تھی۔کلاس روم کے اے سی اس وقت بند تھے شاید اُن میں کوئی خرابی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا، نظریں سیدھا پروفیسر پر جمائیں اور قدرے ٹھہراؤ کے ساتھ بولنے لگا۔

"سر! انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ جس سے ڈرتا ہے اس سے کبھی محبت نہیں کرتا۔یعنی۔۔۔وہ اس کی رسپیکٹ تو کرے گا، مگر دل سے محبت نہیں کرے گا۔"

کلاس میں چند نظریں اس کی طرف اٹھیں، مگر وہ رکا نہیں۔

"تو پھر اللہ نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھ سے ڈرو۔۔۔جبکہ جس سے ڈرا جائے، اس سے محبت نہیں کی جاتی۔"

اپنا سوال مکمل کر کے وہ آہستہ سے بیٹھ گیا۔پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے، جیسے یہ سوال وہ پہلے بھی سن چکے ہوں۔

"اللہ کا یہ حکم قرآن میں کئی جگہ آیا ہے کہ 'اس سے ڈرو'۔۔۔" وہ آہستہ آہستہ بولتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور کلاس پر نظر دوڑائی۔

"مگر ہم نے شاید کبھی اس بات پر غور ہی نہیں کیا اور اس حکم کو اس انداز میں لیا کہ ہم نے خدا

سے ڈرنا ہی چھوڑ دیا۔"

وہ چند قدم چلتے ہوئے رکے۔

"کہا جاتا ہے کہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا مگر آج کا مسلمان اتنا نڈر ہو گیا ہے کہ اس نے اپنے خدا سے بھی ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔یقین نہ آئے تو مساجد دیکھ لو۔۔۔ویران اور پارٹیز دیکھ لو۔۔۔آباد۔"

اسی لمحے ایک ننھی چڑیا کھڑکی سے اندر آ گئی۔وہ گھبرا کر پورے کمرے میں چکر لگانے لگی، جیسے

راستہ بھول گئی ہو۔چند طلبہ کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں، مگر پروفیسر نے بات جاری رکھی۔

"میں آپ کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔" انہوں نے ہلکا سا توقف کیا، جیسے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

"آپ میں سے کون کون اپنے والدین سے سچی محبت کرتا ہے؟"

پورے کلاس کے ہاتھ بیک وقت بلند ہو گئے۔

انہوں نے سر ہلایا، پھر دوسرا سوال کیا۔

''اور۔۔۔اپنے والدین سے ڈرتا کون کون ہے؟''

اس بار بھی وہی منظر تھا۔سب کے ہاتھ بلند۔

ان کی نظر اسی دوران چڑیا پر گئی جو ابھی بھی بے چینی سے اڑ رہی تھی۔

''انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے،اس کے لیے حساس ہو جاتا ہے۔ایک لمحے کی دوری بھی برداشت نہیں ہوتی دل چاہتا ہے کہ وہ ہر وقت سامنے رہے۔''

کلاس میں خاموشی گہری ہو گئی تھی۔اسی دوران ایک لڑکا جلدی سے اٹھا اور جا کر پنکھے بند کر دیے تاکہ چڑیا کو نقصان نہ پہنچے۔چڑیا اب نسبتاً سکون سے ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی۔

پروفیسر نے یہ دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیے۔

''آپ میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جب کالج سے گھر جاتے ہیں،تو سب سے پہلے اپنی ماں کو ڈھونڈتے ہیں؟ چاہے کوئی کام ہو یا نہ ہو مگر گھر جاتے ہی دل چاہتا ہے کہ سب سے پہلے ماں کو دیکھیں؟''

پھر سے پوری کلاس کے ہاتھ بلند ہوئے۔

''آپ ایسا اس لیے کرتے ہیں کیونکہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے۔۔۔یہی محبت ہے۔''

انہوں نے ایک نظر اس لڑکے پر ڈالی جس نے پنکھا بند کیا تھا۔

''اور۔۔۔ایک چڑیا کے لیے پنکھا بند کر دینا کہ کہیں اسے چوٹ نہ لگ جائے یہ بھی محبت ہے۔''

لڑکا ہلکا سا مسکرا دیا۔

پروفیسر کی آواز اب اور نرم ہو گئی تھی۔

''انسان اپنے محبوب کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا۔وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس سے ناراض نہ ہو چاہے وہ والدین ہوں،بہن بھائی ہوں یا کوئی اور۔''

انہوں نے ہاتھ ڈائس پر رکھا اور ہلکا سا جھک کر بولے۔

''للہ فرماتا ہے کہ مجھ سے ڈرو یعنی میری ناراضی سے ڈرو،میری نافرمانی سے ڈرو۔کیونکہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو وہ تم سے ناراض ہو جائے گا۔۔۔بالکل اسی طرح جیسے تم اپنے والدین کی ناراضی سے ڈرتے ہو،حالانکہ تم ان سے بے تحاشہ محبت بھی کرتے ہو۔''

محمد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔اسے جواب ملنا شروع ہو گیا تھا،مگر وہ اب بھی پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

''اگر آپ اپنے والدین کی بات نہ مانیں۔'' پروفیسر نے آہستہ کہا۔

''تو وہ فوراً سزا نہیں دیتے۔کھانا بھی ملتا ہے،کپڑے بھیا ور پیسے بھی۔مگر وہ آپ سے بات کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔''

کلاس میں ایک گہرا سکوت چھا گیا۔

''اور جو اس بات سے ڈرتا ہو کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائیں وہ کبھی ان کی نافرمانی نہیں کرتا۔''

وہ سیدھے ہوئے اور دوبارہ چلنے لگے۔

''بالکل اسی طرح اللہ کہتا ہے مجھ سے ڈرو۔ نہ فوراً عذاب آتا ہے، نہ ہی تمہارے گناہ ظاہر ہوتے ہیں رزق بھی ملتا رہتا ہے، زندگی بھی چلتی رہتی ہے۔ مگر تم اُس سے بات کرنے سے قاصر ہو جاتے ہو۔''

انہوں نے پوری کلاس پر نظر ڈالی۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟ کوئی بتا سکتا ہے؟''

''آپ ہی بتا دیں سر!'' کلاس میں ایک لڑکے کی آواز گونجی۔

کلاس میں ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پروفیسر بھی مسکرا دیے۔

''جب بندہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے بات کر رہا ہوتا ہے۔۔۔ سجدے میں جا کر اپنے دل کا حال سناتا ہے۔ اور جب اللہ ناراض ہوتا ہے تو وہ سجدے کی توفیق چھین لیتا ہے۔''

ان کی آواز میں اب گہرائی تھی۔

''وہ اذان سنتا ہے مگر اٹھتا نہیں۔ قرآن پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ملتی کیونکہ قرآن میں اللہ اپنے بندے سے بات کر رہا ہوتا ہے۔'' اسی لمحے بیل بجی۔

مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

''یاد رکھو۔۔۔'' انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''لوگ ناراض ہو جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں مگر اللہ ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ لوگوں کا معیار بدلتا رہتا ہے۔۔۔ مگر اللہ کی رضا سب سے اہم ہے۔''

لیکچر ختم ہو چکا تھا۔ پروفیسر نے اپنا سامان سمیٹا اور آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھے، ایک لمحے کو رکے۔۔۔ جیسے کچھ اور کہنا چاہتے ہوں، مگر پھر خاموشی سے باہر نکل گئے۔

کلاس میں غیر معمولی سکوت چھا گیا تھا۔

کسی نے بات نہیں کی۔

کوئی ہنسا نہیں۔

سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے تھے مگر جیسے ہر کوئی اپنے اندر کہیں کھو گیا ہو۔

محمد کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی سنجیدگی اتر آئی تھی، جیسے اسے صرف جواب نہیں، بلکہ اپنے کچھ سوال بھی مل گئے ہوں۔

اسی دوران ایک لڑکا اٹھا اور آہستہ سے پنکھے دوبارہ چلا دیے۔

ہوا کا ہلکا سا جھونکا پورے کمرے میں پھیل گیا۔

محمد کی نظر بے اختیار اس کونے کی طرف گئی جہاں وہ ننھی چڑیا کچھ دیر پہلے بیٹھی تھی۔

وہ اب وہاں نہیں تھی۔

اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا پردہ ہلکا سا ہل رہا تھا۔

شاید۔۔۔اسے راستہ مل گیا تھا۔

محمد نے آہستہ سے آنکھیں بند کیں،ایک گہری سانس لی۔اور دل ہی دل میں ایک خیال ابھرا،

''کاش۔۔۔انسان کو بھی ہر بار راستہ بھٹکنے کے بعد۔۔۔اتنی ہی آسانی سے واپسی کا راستہ مل جایا کرے۔''

★。° ✦ °。★

اگلا دن،یعنی 18 اگست۔

اس وقت کار کے اندر ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی،ایسی خاموشی جس میں صرف انجن کی مدھم آواز اور سڑک پر ٹائروں کی سرسراہٹ شامل تھی۔محمد پوری توجہ کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا،اس کی نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں،جبکہ ولی ساتھ والی سیٹ پر نیم ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔

ولی نے گردن ذرا بائیں طرف موڑی ہوئی تھی،کھڑکی سے باہر تیزی سے پیچھے بھاگتے مناظر کو وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی اور دنیا میں کھو گیا ہو۔اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا،فکر سے آزاد،جیسے وقت اس کے لیے تھم گیا ہو۔

اس کی کلائیوں میں بندھے دھاگے اور بریسلٹس ہلکی روشنی میں چمک رہے تھے،بال پونی میں بندھے ہوئے،آنکھوں پر سن گلاسز،بائیں کان میں سیاہ چھوٹی پلیٹ جیسا ٹاپس۔۔۔اس کا پورا حلیہ بے فکری کی تصویر لگ رہا تھا۔

محمد نے ایک لمحے کو نظر گھما کر اسے دیکھا،پھر دوبارہ سڑک پر جما دی۔

''آج کا دن کیسا رہا تمہارا؟'' اس نے ہلکے لہجے میں پوچھا،اسٹیئرنگ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے۔

ولی خاموش رہا۔نہ کوئی حرکت،نہ کوئی جواب۔

محمد نے بھنویں سکیڑیں،جیسے سوچ رہا ہو کہ اس نے سنا نہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کیا ہے۔

''ولی!''اس نے ذرا جھک کر اس کے کندھے کو ہلکے سے چھوا۔

ولی چونک کر سیدھا ہوا،سن گلاسز کے پیچھے آنکھیں جیسے ایک دم واپس حقیقت میں آئی ہوں۔

''کہاں گم ہو؟'' محمد اُس کی طرف غور سے دیکھنے لگا تھا۔

''نن۔۔۔نہیں،کہیں بھی تو نہیں۔'' اس نے ہلکی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ جواب دیا،ہاتھ بے اختیار اپنی کلائی کے بریسلٹ سے کھیلنے لگے۔

محمد نے اسے بغور دیکھا،پھر آدھی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

''مجھے تو لگا تم کہیں کھوئے ہوئے ہو،میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔''

ولی نے پیشانی سکیڑی،جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کیا پوچھا تھا تم نے؟میں نے تو کچھ بھی نہیں سنا۔''محمد نے ہلکا سا سر ہلایا،پھر نرم لہجے میں کہنے لگا۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں،کیا سوچ رہے تھے؟کوئی پریشانی ہے؟کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کرو۔''

''تم تو کہتے ہو نا کہ تمہیں میرے دل کی باتوں کا الہام ہو جاتا ہے تو اب کیوں نہیں ہوا؟'' ولی کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔وہ تھوڑا سا سیدھا بیٹھا۔

محمد نے ہلکی سی ہنسی دبائی،ایک نظر اس پر ڈالی۔

''دیکھو ولی،میں کوئی نجومی کی اُولاد تو ہوں نہیں۔۔۔ہاں مانتا ہوں کہ کبھی کبھی تمہیں سمجھ لیتا ہوں،مگر ہر وقت نہیں۔کبھی کبھی تم سمجھ سے باہر ہو جاتے ہو۔''

ولی نے ایک گہری سانس لی،سر سیٹ کے ساتھ ٹکا دیا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ۔۔۔'' وہ رک گیا۔

''کہ؟'' محمد نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔ولی نے آنکھیں بند کر لیں،جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

''رکو۔۔۔شاعرانہ انداز میں بتاتا ہوں۔''

''اوہ۔۔۔تو آج ولی صاحب شاعر بھی بن گئے ہیں؟'' محمد کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ آ گئی۔

''شاعر نہیں،کسی کی غزل ہے،بس سہارا لے رہا ہوں۔'' ولی نے منہ سا بنایا،ہلکا سا سر جھٹکا۔

''تو عرض کیا ہے کہ۔۔۔''

''ارشاد ارشاد۔۔۔'' محمد نے مسکرا کر کہا،ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے،دوسرے سے تالیاں بجانے کا انداز بنایا۔

ولی نے آنکھیں آہستہ سے کھولیں،نظریں کہیں دور جما دیں،اور دھیمی آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

دیکھوں جو آسماں سے تو اتنی بڑی زمیں

(وہ ہلکا سا اوپر دیکھنے لگا،جیسے واقعی آسمان کا تصور کر رہا ہو،انگلی سے فضا میں ایک دائرہ سا کھینچ دیا)

اتنی بڑی زمین پہ چھوٹا سا ایک شہر

(ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ آئی،سر ذرا سا جھک گیا)

چھوٹے سے ایک شہر میں سڑکوں کا ایک جال

(اس نے ہاتھ سے جال بننے کا اشارہ کیا،انگلیاں آپس میں پھنسا دیں)

سڑکوں کے جال میں چھپی ویران سی گلی

(آواز ذرا دھیمی ہو گئی،نظریں کھڑکی کے باہر کسی سنسان جگہ پر ٹک گئیں)

ویراں گلی کے موڑ پہ تنہا سا اک شجر

(اس نے سر کو ذرا ایک طرف جھکایا،جیسے کسی تنہا درخت کو دیکھ رہا ہو)

تنہا شجر کے سائے میں چھوٹا سا اک مکاں

(ہونٹوں پر ہلکی سی اداسی ابھری،سانس کچھ بھاری ہوئی)

چھوٹے سے اس مکان میں کچی زمیں کا صحن

(اس کی انگلیاں سیٹ پر ہلکی تھپتھپاہٹ دینے لگیں،جیسے کسی صحن کی مٹی محسوس کر رہا ہو)

کچی زمیں کے صحن میں کھلتا ہوا گلاب

(ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی،آنکھوں میں ہلکی چمک آ گئی)

کھلتے ہوئے گلاب میں مہکا ہوا بدن

(اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، جیسے خوشبو کو محسوس کر رہا ہو)

مہکے ہوئے بدن میں سمندر سا ایک دل

(اس کا ہاتھ آہستہ سے اپنے سینے پر آ گیا، انگلیاں ہلکی سی دب گئیں)

اس دل کی وسعتوں میں کہیں کھو گیا ہوں میں

(آواز مدھم پڑ گئی، چہرے پر کھو جانے کا سا تاثر آیا)

یوں ہے کہ اس زمیں سے بڑا ہو گیا ہوں میں

(اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں، ایک عجیب سا سکون چہرے پر پھیل گیا)

چند لمحے کار میں پھر خاموشی چھا گئی۔

''واہ جی واہ! کمال کر دیا ولی! ویسے کس کے دل میں اتنی گہرائی سے کھو گئے ہو؟'' محمد مسکرا کر بولا۔

ولی نے فوراً نظریں چرا لیں، کھڑکی کی طرف رخ موڑ لیا۔

''بس۔۔۔ہے کوئی۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

محمد نے اسے دیکھا، پھر زور سے ہنس پڑا۔

''ہاں ہاں۔۔۔ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں ہوں!''

اس کی ہنسی ابھی پوری طرح ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں بریک پر آ پڑا۔

ٹائر سڑک پر چرچرا اٹھے۔ کار ایک جھٹکے سے رکی۔

ولی کا جسم بے اختیار آگے کو اچھلا، اس کا سر بمشکل ڈیش بورڈ سے ٹکرانے سے بچا۔ وہ فوراً سیدھا ہوا، ماتھے پر بل ابھر آئے۔

''محمد دد د! دیکھ کر نہیں چلا سکتے یار؟!''

محمد نے اس کی طرف دیکھنے کے بجائے سیدھا سامنے نظریں جما دیں۔ اس کے ہونٹوں پر اب ہلکی سی سنجیدہ مسکراہٹ تھی، وہی مسکراہٹ جو کسی آنے والی گڑبڑ کی خبر دیتی ہے۔

''سامنے دیکھو میری جان!'' اس نے آہستگی سے کہا۔

اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ ولی کی جھنجھلاہٹ ایک دم تھم گئی۔ اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے سامنے دیکھا۔

ان کی کار کے عین سامنے تین بائکس ترچھی کھڑی تھیں، جیسے جان بوجھ کر راستہ روکا گیا ہو۔ ہر بائیک پر تین لڑکے سوار تھے اور ان کے ہاتھوں میں موجود ہتھیار دھوپ میں ہلکی سی چمک چھوڑ رہے تھے۔

کار کے اندر ایک لمحے کو مکمل خاموشی چھا گئی۔

محمد کی نظریں سامنے جمی رہیں۔ اس نے نہ گھبراہٹ دکھائی، نہ کوئی جلدی بس ایک ٹھنڈی سی نظر سب پر ڈالی، جیسے صورتحال کو تول رہا ہو۔ پھر آہستہ سے اس نے گردن موڑی اور ولی کی طرف دیکھا۔

اس کی ایک ابرو ہلکی سی اوپر اٹھی نگاہوں میں صاف سوال تھا۔

''واللہ! میں نے کچھ بھی نہیں کیا یار۔'' ولی نے وہ نظر پڑتے ہی فوراً دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے، جیسے پہلے ہی صفائی دینا ضروری ہو۔

محمد نے چند سیکنڈ تک اسے خاموشی سے گھورا۔ آنکھیں ذرا سی سکیڑیں، جیسے جھوٹ اور سچ کے بیچ فرق تلاش کر رہا ہو۔

''رئیلی؟'' اس نے آہستہ سے کہا، لہجہ ہلکا تھا، مگر یقین بالکل نہیں تھا۔

محمد نے ایک گہری سانس لی، اسٹیئرنگ پر انگلیوں سے ہلکی سی تھپتھپاہٹ دی پھر جیسے کسی نتیجے پر

پہنچ گیا ہو۔

''ہمم۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

وہ آہستگی سے سیٹ بیلٹ کھولنے لگا۔

''چلو۔'' اس نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا، ''اب ذرا ان سے نمٹ ہی لیتے ہیں۔''

آخری جملے میں ہلکی سی سختی خود بخود شامل ہو گئی تھی۔

وہ دونوں شرٹ کے کف فولڈ کرتے ہوئے کار سے باہر نکلے تھے، ولی نے اپنے سن گلاسز اُتار کر شرٹ کے بٹن میں اڑس لیے تھے۔ وہ دونوں سینے پر ہاتھ باندھ کر کار کے بونٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''تم دونوں میں سے ولی کون ہے؟'' ان سامنے کھڑے لڑکوں میں سے ایک نے پوچھا تھا۔

''یہ ہے ولی، کوئی کام ہے اس سے تم لوگوں کو؟'' محمد نے چہرہ سنجیدہ رکھتے ہوئے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کر کے ایک انگوٹھے سے اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''تمہارے بھائی نے میرے بھائی کو مارا ہے، یہ دیکھو اس کا پورا منہ سوج چکا ہے اور آنکھوں تلے

نیل کے نشان بھی ہیں۔'' وہ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے غصّے سے پھنکارتے ہوئے بولا تھا۔

''ہاں تو؟ تمہارے بھائی کی ہی غلطی ہو گی نا، چلو شاباش اچھے بچوں کی طرح ہمارا راستہ چھوڑو۔'' محمد نے اس کی بات کو زیادہ اہمیت ہی نہ دی تھی اور واپس گاڑی کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

''تمہارے بھائی نے میرے بھائی کو اتنی بے رحمی سے مارا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ راستہ چھوڑوں؟'' وہ چلایا تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں کو شوٹ کر دے۔

''ہم یہاں پر تمہارا بھاشن سننے نہیں آئیں ہیں، اور نا ہی یہ کہ اگر تم کہو گے کہ ہم واپس چلے جائیں تو واپس چلے جائیں گے، ہم بدلہ لینے آئے ہیں اور لے کر جائیں گے۔'' ان میں سے ایک اور لڑکا اونچی آواز سے بولا تھا۔

''دم ہے تو لے کے دکھاؤ۔'' اس بار جواب ولی نے دیا تھا جو تب سے سینے پر ہاتھ باندھے خاموش کھڑا تھا۔

محمد ایک ہاتھ گاڑی کے ڈور پر رکھے سکون سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا، محمد اور ولی کا یہ سکون انہیں اور غصہ دلا رہا تھا۔

''تم دونوں میں سے کوئی بھی ایک آگے آئے اور چپ چاپ اس ہی طرح مار کھا کر واپس چلا جائے جیسے میرے بھائی کو مارا ہے۔'' سب سے آگے کھڑا لڑکا ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تھا۔

ان دونوں نے پہلے ان سب کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اور پھر زوردار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے تھے۔

وہ دونوں ہنستے ہی جا رہے تھے ایسے جیسے انہوں نے کوئی لطیفہ سن لیا ہو یا پھر ان کا دماغ چل گیا ہو۔

سامنے کھڑے سارے لڑکے ایک دوسرے کو نا سمجھی سے دیکھنے لگے تھے جیسے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟

''اوہ رئیلی؟ تمہیں لگتا ہے کہ تم ہم دونوں میں سے کسی ایک کو ہاتھ بھی لگا سکتے ہو؟'' ولی پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنستے ہوئے ان سے پوچھ رہا تھا۔

''لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں، ہمارا راستہ چھوڑو اور جس طرح آئے ہو اس ہی طرح واپس چلے

جاؤ اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو، ورنہ۔۔۔۔'' ولی نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''ورنہ کیا کر لو گے؟'' ان میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا تھا۔

وہ سب سڑک کے بیچوں بیچ، ہاتھوں میں ہتھیار، چہروں پر غصہ، اور آنکھوں میں انتقام لیے کھڑے تھے۔

یہ سڑک بہت کم استعمال ہوتی تھی اس لیے اس وقت یہاں کوئی بھی آنے جانے والی گاڑی یا موٹر سائیکل موجود نہیں تھی، یہ کارپٹ روڈ تھی مگر بالکل سنسان۔

''چلو آج دکھا ہی دیتے ہیں محمد ان کو کہ ہم کیا کر لیں گے۔''ولی، محمد کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تھا۔

اگلے ہی لمحے دو لڑکے آہنی راڈ لے کر ولی پر لپکے تھے، لیکن ولی نے قدم پیچھے کیے بغیر اُن کا وار روک کر راڈ پکڑا اور سیدھا ان کی پسلیوں پر ایسا زوردار گھونسا مارا کہ لڑکے زمین پر جا گرے اور راڈ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

دو لڑکے محمد کی طرف بڑھے، ان کے ہاتھوں میں مختلف ہتھیار تھے، محمد نے تیز رفتاری سے ان

کا ہاتھ موڑا اور ایک کے ہاتھ سے چاقو فضا میں گھوما اور زمین پر جا گرا پھر محمد نے ان کی گردن کو کوہنی سے دبا کر زمین پر گرا دیا تھا۔

دو لڑکے دونوں کی طرف دیکھ کر پیچھے ہٹے، لیکن ولی نے اگلے ہی لمحے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ان کا گریبان پکڑا، ایک زوردار تھپڑ ان دونوں کے کان کی نیچے لگایا اور ان کے کان سے خون بہنے لگا تھا۔

''ہمیں بدلہ لینا تھا، جنگ نہیں چھیڑنی تھی!''ان میں سے ایک لڑکا گھبراتے ہوئے بولا تھا۔

ولی نے اس کی طرف قدم بڑھائے، مگر محمد نے اسے روک دیا۔

''تم لوگ بھول گئے تھے کہ ولی سے بدلہ لینا۔۔خودکشی کے برابر ہے۔'' ولی غراتے ہوئے بولا تھا۔

محمد نے آہستہ سے جھک کر زمین سے وہی آہنی راڈ اٹھایا، اور لڑکوں کے قریب پھینک دیا تھا۔

''لے جاؤ یہ راڈ، اگلی بار جو آئے، وہ مرد بن کے آئے۔'' محمد ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

سارے لڑکے ہانپتے ہوئے، زخمی، خوف زدہ، پیچھے ہٹنے لگے تھے۔

محمد نے گاڑی کا دروازہ کھولا، ولی خاموشی سے اندر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہوا۔ گاڑی کا انجن سٹارٹ ہوا، اور وہ کار دھول اڑاتی ہوئی سڑک پر آگے بڑھ گئی

۔

★。° ✦ °。★

شام ڈھل رہی تھی۔

آسمان پر نارنجی اور جامنی رنگ آپس میں گھل رہے تھے...

اور شہر کے ایک بڑے انڈور اسٹیڈیم کے باہر غیر معمولی رش لگا ہوا تھا۔

اونچی اونچی لائٹس... بڑے بڑے بینرز... اور لوگوں کا شور۔

سب کچھ بتا رہا تھا کہ آج کوئی عام دن نہیں ہے۔

ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ چاروں طرف بیٹھے لوگ، سیٹیاں، تالیاں، آوازیں، ایک بے قابو سا جوش فضا میں پھیلا ہوا تھا۔

رِنگ کے اوپر لٹکی سفید لائٹس سیدھا اس کے بیچ پر پڑ رہی تھیں... جیسے جنگ کا میدان ہو۔

بیک اسٹیج پر ہلکی روشنی... پسینے، لیدر اور دوا کی ملی جلی خوشبو۔

ابراہیم ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر بینڈیج لپیٹی جا رہی تھی۔

ہر لپیٹ کے ساتھ کپڑا اس کی جلد سے چپک رہا تھا، اور وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی

سانسیں ہلکی مگر گہری تھیں۔ چہرہ سنجیدہ، مگر آنکھوں میں وہی چمک۔

"ریڈی؟"

کوچ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ابراہیم نے گردن گھمائی... آہستہ سے سر ہلایا۔ وہ کھڑا ہوا۔ گردن کو دائیں بائیں گھمایا... کندھے ڈھیلے کیے... اور ایک دو ہلکے مکے ہوا میں مارے۔

ادھر... ہال کے ایک کونے میں فہیم اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ لائٹ گرے سوٹ میں، ہمیشہ کی طرح سلیقے سے... مگر اس بار اس کی نظریں لیپ ٹاپ پر نہیں تھیں۔

وہ رِنگ کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ پُر سکون تھا... مگر انگلیاں آپس میں جڑی ہوئی تھیں، جیسے انجانے میں ٹینشن ظاہر کر رہی ہوں۔ اس کے پاس بیٹھے لوگ شور مچا رہے تھے... مگر وہ خاموش تھا۔ صرف دیکھ رہا تھا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین!"

اچانک مائیک پر گونجتی آواز نے پورے ہال کو ہلا دیا۔

روشنی ذرا مدھم ہوئی... پھر ایک دم رِنگ پر فوکس ہو گئی۔

"Tonight... we have an exciting match for you!"

تالیاں، سیٹیاں، شور۔

"Introducing... the new boxer..."

روشنی ایک طرف گئی۔

"ابراہیم انصر!"

ابراہیم اسٹیج کے پیچھے سے نکلا۔ قدم مضبوط... رفتار متوازن۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کر دیکھ رہے تھے،

وہ نیا باکسر تھا اس لیے اس کے لیے تالیاں بجانے والا صرف فہیم تھا، باقی جو تالیاں اور شور تھا

وہ اس کے مقابل کے لیے تھا۔

ہر قدم کے ساتھ اس کے جوتوں کی ہلکی آواز فرش پر گونج رہی تھی۔ اس کی شرٹ کو اگر پیچھے سے دیکھو تو اس پر "ابراہیم انصر" ہوا تھا۔

وہ رِنگ کی طرف بڑھا... آنکھیں سیدھی سامنے۔ نہ ادھر دیکھا، نہ اُدھر۔ جیسے دنیا میں صرف ایک ہی چیز باقی

ہو۔۔۔ یہ مقابلہ۔

فہیم کی نظریں اس پر جم گئیں۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی... مگر آنکھوں میں فکر بھی ساتھ تھی۔

ابراہیم رِنگ میں داخل ہوا۔ رسیوں کے بیچ سے اندر آیا... اور ایک لمحے کو کھڑا ہو کر گہرا سانس لیا۔ روشنی سیدھا اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

پسینے کی ہلکی نمی... مٹھیاں بند... جبڑا کسا ہوا۔ اس نے سر اٹھایا، سامنے اس کا مخالف کھڑا تھا۔ لمبا... بھاری... اور نظروں میں چیلنج۔

ریفری درمیان میں آیا۔ دونوں کو قریب بلایا۔

"Clean fight. No dirty moves."

دونوں نے سر ہلایا۔ ابراہیم نے ایک لمحے کو اپنی مٹھی دیکھی... پھر سامنے والے کی آنکھوں میں۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

پہلا راؤنڈ شروع ہوا اور اگلے ہی لمحے۔۔۔ ابراہیم نے پہلا قدم آگے بڑھایا۔

"Come onnnn!"

"Hit him!"

"Let's go Vicky!"

آوازیں چاروں طرف سے گونج رہی تھیں۔ ابراہیم نے پہلا قدم آگے بڑھایا۔

اس کے پاؤں ہلکے مگر کنٹرول میں حرکت کر رہے تھے... آنکھیں صرف اپنے مخالف پر جمی تھیں۔

مخالف نے دائرہ بناتے ہوئے گھومنا شروع کیا۔

ایک لمحہ... دو لمحے...

پھر اچانک، پہلا پنچ۔ ابراہیم نے تیزی سے سر سائیڈ پر کیا۔ مکا ہوا میں کٹ گیا۔

مخالف ایک قدم پیچھے ہٹا... پھر فوراً سنبھل گیا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جیسے اسے مزہ آ رہا ہو۔

ابراہیم تیزی سے موو کر رہا تھا۔ بائیں... دائیں... آگے... ابراہیم نے ایک پنچ مارا جسے مخالف نے اس بار بلاک کیا... پھر فوراً کاؤنٹر کیا، ایک بھاری مکا سیدھا ابراہیم کے گارڈ پر لگا۔

اثر محسوس ہوا۔ ابراہیم کے قدم ایک لمحے کو رکے... مگر وہ پیچھے نہیں ہٹا۔ اس نے دانت بھینچے... اور دوبارہ آگے بڑھا۔

مکوں کا تبادلہ شروع ہو گیا۔ ہجوم کھڑا ہو رہا تھا... چیخیں... تالیاں... سیٹیاں، سب ایک ساتھ۔

اچانک! ایک بھاری رائٹ ہُک۔ یہ سیدھا ابراہیم کے چہرے پر لگا۔ اس کا سر جھٹکے سے سائیڈ پر گیا... جسم لڑکھڑایا اور وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

فہیم کا دل جیسے رک گیا۔ وہ فوراً آگے کو جھکا آنکھیں پھیل گئیں۔

"ابراہیم!" فہیم کے لبوں سے آہستہ سا نکلا۔

ابراہیم کے کانوں میں آوازیں مدھم پڑنے لگیں۔ سانس بھاری ہو گئی۔ آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کو دھند سی چھا گئی۔

مخالف نے موقع دیکھا، وہ آگے بڑھا۔ ایک اور مکا آنے ہی والا تھا کہ، ابراہیم نے اچانک سر اٹھایا۔ آنکھوں میں پھر سے فوکس واپس آ گیا۔

اس نے تیزی سے جھک کر مکا بچایا اور نیچے سے ایک زوردار اپر کٹ مارا۔

مخالف کا سر پیچھے کی طرف جھٹکا کھا گیا۔

ہجوم پھٹ پڑا۔

"اوہہہہہہ!!"

ابراہیم نے موقع ضائع نہیں کیا۔ مسلسل تین تیز پنچز۔ مخالف پیچھے ہٹنے لگا...رسیوں تک جا پہنچا۔

فہیم کے چہرے پر تناؤ کے ساتھ ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔اس نے آہستہ سے سر

ہلایا۔ابراہیم کا سانس تیز ہو چکا تھا۔پسینہ ماتھے سے بہہ کر آنکھوں کے قریب آ رہا تھا، مگر وہ رُکا نہیں۔

اس نے ایک اور زوردار مکا مارا، مخالف کا گارڈ ٹوٹا۔

ہجوم سے شور اٹھا۔

مگر اسی لمحے مخالف نے موقع پکڑا۔ایک لمحے کا بھی وقفہ نہیں دیا۔اس کا جسم اچانک تیزی سے گھوما اور پوری طاقت کے ساتھ ایک سیدھا، صاف اور خطرناک کراس چھوڑا!!!

یہ مکا ابراہیم کے چہرے کے عین درمیان لگا۔وقت جیسے رک گیا ہو۔ابراہیم کی آنکھیں ایک لمحے کو کھلیں... پھر خالی سی ہو گئیں۔اس کے پاؤں ڈگمگائے۔اور وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا

ہوا کینوس پر جا گرا۔

پورا ہال شور سے گونج اُٹھا، مگر وہ شور اب پہلے جیسا نہیں تھا۔اس میں ایک جیت کا جوش تھا۔

فہیم فوراً اپنی سیٹ سے اٹھا۔اس کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔ابراہیم زمین پر پڑا تھا۔سانس ٹوٹی ہوئی...آنکھوں کے سامنے دھند... جسم جیسے اس کا نہیں رہا تھا۔

اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی... مگر بازو بھاری لگ رہے تھے۔

ریفری اوپر جھکا۔

"ONE!"

ابراہیم نے دانت بھینچے۔زمین کو ہاتھ لگایا... اٹھنے کی کوشش کی، مگر جسم نے ساتھ نہیں دیا۔

"TWO!"

ہجوم کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔اس کے کانوں میں صرف ایک بھاری سی گونج تھی۔

"THREE! FOUR!"

اس نے ایک گھٹنا زمین پر لانے کی کوشش کی...مگر فوراً واپس گر گیا۔

فہیم کی مٹھی بند ہو گئی۔اس کے چہرے پر اب کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔صرف خاموشی تھی۔

"FIVE! SIX"

ابراہیم نے آخری کوشش کی۔وہ آدھا سا اٹھا، مگر اس بار بھی توازن نہ رکھ سکا۔

"SEVEN! EIGHT!"

اس کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔جسم شکست مان رہا تھا... مگر دل نہیں۔

"NINE!"

ایک لمحہ... کوئی حرکت نہیں۔

"TEN!"

"اٹس اور۔"

ہال میں ملا جلا شور تھا... مگر فیصلہ واضح تھا۔ ابراہیم ہار چکا تھا۔ وہ وہیں کینوس پر لیٹا رہا۔ چھت کو دیکھتا ہوا... سانس آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا۔ آنکھوں میں شکست کی تلخی تھی... مگر کہیں نہ کہیں ایک خاموش سی سمجھ بھی۔

فہیم آہستہ آہستہ واپس بیٹھ گیا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا۔

روشنیوں سے جگمگاتے اس ہال میں

ایک فائٹر جیت گیا تھا...

اور ایک فائٹر نے پہلی بار واقعی ہار کو محسوس کیا تھا۔

★。° ✦ °。★

"غلطی کس کی تھی؟" وہ اسٹیئرنگ پر ایک ہاتھ جمائے، ونڈ اسکرین سے باہر نظریں ٹکائے، لہجے میں ہلکی سی سختی لیے پوچھ رہا تھا۔ اس کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر بے دھیانی میں ہلکی ہلکی ٹیپ کر رہی تھیں، جیسے وہ جواب سننے سے پہلے ہی ساری بات سمجھ لینا چاہتا ہو۔

"تمہیں پتا ہے میں بلاوجہ جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔" ولی نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر گردن ہلکی سی موڑ کر سنجیدگی سے بولا۔

اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا، مگر آنکھوں میں ایک واضح اصرار جھلک رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے،" محمد نے فوراً جواب دیا، "لیکن میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔"

اس بار اس نے پورا رخ اس کی طرف موڑ لیا تھا، جیسے جواب صرف لفظی نہیں، مکمل وضاحت چاہتا ہو۔

"ظاہر ہے اُسی کی غلطی تھی۔ میں تو بس چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا تھا، وہ خود آیا اور بدمعاشی شروع کر دی۔" ولی نے ہلکی سی سانس خارج کی، کندھے سیدھے کیے۔

"اس نے میرا گریبان پکڑا تھا۔" اس نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر آواز میں سختی بڑھ گئی۔

محمد کی آنکھیں فوراً پھیل گئیں، حیرت واضح تھی۔

"او تیری... اس نے گریبان پر ہاتھ ڈالا تھا؟" اس نے بے اختیار ولی کی طرف دیکھا۔

ولی نے ہلکا سا سر ہلایا، چہرے پر اب بھی غصے کی پرچھائیں تھیں۔

"ہاں، اس نے گریبان پکڑا اور کہا سیٹ چھوڑ دو۔ میں نے سیٹ تو نہیں چھوڑی، لیکن اسے دو چار ضرور چھوڑ دیے۔" وہ ایک ہاتھ کو مکا بنا کر دکھا رہا تھا، جبکہ دوسرے ہاتھ سے اپنی کلائی کو تھامے ہوئے تھا، جیسے ابھی بھی وہ لمحہ اس کے جسم میں موجود ہو۔

محمد نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر کی طرف نظریں کر لیں۔

"اس نے گریبان پکڑا اور تم نے اس کی مرمت کر دی..." اس کے لہجے میں طنز کم اور مزاح زیادہ تھا۔

''ظاہر ہے۔آج اُس نے گریبان پکڑا تھا، کل پوری کلاس کے سامنے ہاتھ اٹھا دیتا۔تو میں کیا کر لیتا؟اس لیے پہلے ہی روکنا ضروری تھا۔'' ولی نے فوراً گندھے اچکائے، جیسے معاملہ بالکل سادہ ہو۔

''ورنہ لوگ حدیں کراس کر لیتے ہیں۔اور تمہیں پتا ہے... ولی کو لوگوں کو ان کی حدود میں رکھنا آتا ہے۔'' آخری جملے پر اس نے ہلکی سی مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

محمد نے سر ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا،

''ہاں ہاں... میرے ساتھ رہ کر تم تو کافی سمجھدار ہو گئے ہو۔''

اس جملے پر وہ ہلکا سا اسے گھورنے لگا، پھر دونوں ہی ایک دوسرے کی بات پر خود پر قابو نہ رکھ سکے۔لمحے بھر میں گاڑی کے اندر ہلکی سی ہنسی گونج اٹھی ایک ایسی ہنسی جس میں صرف دوستی کی گرمجوشی تھی۔

★。˚ ✦ ˚。★

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچی تھی۔اس کی عادت تھی کہ کالج سے واپس آتے ہی سب سے پہلے شاور لیتی، پھر سکون سے لنچ کرتی۔

ابھی بھی وہ نہا کر نکلی تھی۔اس نے چُوڑی دار پاجامے پر parrot کلر کی لانگ فراک پہن رکھی تھی جو ٹخنوں تک آ رہی تھی۔اس کے بال آدھے سوکھ چکے تھے جنہیں اس نے لاپروائی سے کیچر میں سمیٹ رکھا تھا۔چند باریک لٹیں پھر بھی نکل کر اس کے کانوں کے قریب آ گری تھیں۔

کانوں میں ننھے سے ہیرے والے ٹاپس جھلملا رہے تھے۔اسے ویسے بھی چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہننے کا بے حد شوق تھا۔اس کے پاس ان کی اتنی تعداد موجود تھی کہ شاید ہر جوڑے کے ساتھ الگ ٹاپس میچ کر سکتی تھی۔مگر ہیرے والے سیٹس صرف دو ہی تھے،اور وہ انہیں خاص پسند کرتی تھی۔

اس کی سیاہ آنکھوں پر گول فریم کا چشمہ ٹکا تھا جو بار بار پھسل کر ناک کی نوک تک آ جاتا،اور وہ بنا جھنجھلائے انگلی سے اسے واپس اوپر دھکیل دیتی۔

دوپٹہ اس نے گردن کے گرد ڈھیلے سے لپیٹ رکھا تھا۔وہ کسی سوچ میں گم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی یزمان کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

گھر کے ماحول میں آج ایک عجیب سی مصروفیت گھلی ہوئی تھی۔

ہر طرف کھانوں کی خوشبو پھیلی تھی؛۔مصالحوں، تلی ہوئی پیاز اور گرم گھی کی ملی جلی خوشبو۔کچن کی طرف سے برتنوں کی ہلکی آوازیں اور مسز ارحم کی ہدایات مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔

''ارے وہ ڈش ابھی ٹیبل پر مت رکھو... پہلے سلاد نکالو۔

''اور ہاں، سویٹ ڈش فریج میں رکھ دو ابھی۔''

''لگتا تھا آج گھر میں خاص مہمان آنے والے تھے۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

حنین نے یزمان کے کمرے کے دروازے پر دو انگلیوں سے ہلکی سی دستک دی اور پھر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

یزمان نے آواز پر سر اٹھایا،ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر دوبارہ ویسے ہی گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر بیٹھ گئی۔

وہ بیڈ کے کونے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد بندھے ہوئے تھے اور بال چہرے پر بکھرے پڑے تھے۔

حنین چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی اور بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس نے ذرا جھک کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔''اور ممی اتنا کھانا کیوں بنوا رہی ہیں؟''

یزمان نے آہستہ سے چہرہ اٹھایا۔

اس کی آنکھوں میں خفگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہیں نہیں پتا کیا؟''

''بھئی مجھے کیسے پتا ہوگا؟'' حنین نے بے زاری سے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو کالج سے آئی ہوں، اور تب سے یہی سب دیکھ رہی ہوں۔''

اس نے انگوٹھا کچن کی طرف گھمایا جہاں سے اب بھی آوازیں آرہی تھیں۔

یزمان نے لمبی سانس لی، پھر منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''یار... کوئی فیملی آرہی ہے مجھے دیکھنے کے لیے۔''

''اب تم ہی بتاؤ، میں بھلا کوئی دکان کی ریک میں رکھا کھلونا ہوں جو دیکھنے آرہے ہیں؟'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

حنین ایک پل کی لیے اسے گھورتی رہی... پھر اچانک اس کا سر پیچھے کی طرف گرا اور وہ زور سے ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی پورے کمرے میں گونج گئی۔

یزمان نے پہلے حیرت سے اسے دیکھا... پھر اس کی آنکھیں باریک ہونے لگیں۔ حنین بمشکل اپنی ہنسی روک پائی تھی۔

''سوری... سوری...!'' وہ ہنسی کے درمیان بولی۔ ''یار، تم نے جس انداز میں کہا نا کہ 'میں کیا دکان میں کی ریک میں رکھا کھلونا ہوں'... مجھے بس ہنسی آگئی۔''

یزمان اب منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر یقیناً یہی لکھا تھا کہ کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔

اس کے گال غصے سے سرخ ہو گئے۔

''دفع ہو جاؤ تم میرے کمرے سے!'' وہ اچانک پھٹ پڑی۔ ''دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔''

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔ حنین فوراً سنبھلی۔ وہ ذرا اس کے قریب کھسکی اور شرمندہ سا چہرہ بنایا۔

''یار معافی مانگ تو رہی ہوں... اب اتنا بھی کیا غصہ کرنا؟'' مگر اس کے ہونٹوں کے کناروں پر اب بھی دبی دبی ہنسی پھسل رہی تھی، اور یہی چیز یزمان کو مزید چڑا رہی تھی۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' یزمان نے رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ ''جاؤ یہاں سے... تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔''

حنین نے ہلکی سی آہ بھری، پھر بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے... میں جاتی ہوں۔'' وہ جان بوجھ کر اٹھنے لگی، پھر فوراً واپس بیٹھ گئی۔

''لیکن پہلے ایک ہگ تو دے دو۔'' یزمان نے اسے گھورا۔

''بالکل نہیں۔''

''آدھا ہگ؟''

''حنین!''

''چلو ہاتھ ہی ملا لو؟''

یزمان نے لب بھینچے مگر اگلے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

حنین نے فوراً موقع پکڑا اور فاتحانہ انداز میں انگلی اس کی طرف کی۔

''دیکھا! تم ہنس دی ہو۔''

''میں نہیں ہنسی۔''

''اچھا جی؟ تمہارے کندھوں پر بیٹھے فرشتوں سے گواہی لے لیں؟'' اور پھر ہمیشہ کی طرح دونوں کی ناراضی چند منٹوں میں ہوا ہو گئی۔

اب وہ دونوں بیڈ پر ساتھ بیٹھی تھیں، ایسے جیسے تھوڑی دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بہنوں کی لڑائیاں بھی عجیب ہوتی ہیں... پل بھر میں ناراض، پل بھر میں راضی۔

حنین اس وقت یزمان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اس سے باتیں کر رہی تھی، اور یزمان بھی اب نارمل انداز میں جواب دے رہی تھی۔

اس لمحے حنین اس کی بڑی بہن لگ رہی تھی، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مگر رشتوں میں عمر کہاں معنی رکھتی ہے... کبھی چھوٹے بھی بڑے بن جاتے ہیں۔

''اچھا چلو، یہ سب چھوڑو۔'' حنین نے ذرا آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ لڑکا کون ہے؟''

یزمان نے بے بسی سے کندھے گرائے۔

''یار حنین، یہی تو مسئلہ ہے... مجھے کچھ بھی نہیں پتا۔ بس اتنا پتا ہے کہ اپنے خاندان سے ہی آ رہے ہیں۔''

حنین اسی دوران بیڈ سے اتری اور سیدھا کمرے کے کونے میں رکھی cupboard کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کپ بورڈ یزمان کی چھوٹی سی خفیہ دنیا تھی، جہاں وہ چپس، چاکلیٹس، بسکٹس اور ہر وقت کچھ نا کچھ کھانے کی چیزیں جمع کر کے رکھتی تھی۔

حنین نے دروازہ کھولا تو فوراً مسکرائی۔

''واہ... خزانہ ابھی تک سلامت ہے۔''

اس نے ایک ہاتھ میں لیز کے دو پیکٹ اور دوسرے میں ڈیری ملک پکڑی، پھر فاتحانہ انداز میں واپس آ کر بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

پلاسٹک کے پیکٹ کی کڑک کی آواز کے ساتھ اس نے لیز کھولی۔ کمرے میں فوراً چپس کی نمکین خوشبو پھیل گئی۔ یزمان خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ بولی نہیں، مگر اس کی نظریں صاف کہہ رہی تھیں یہ سب میرا تھا۔

حنین نے ایک کرسپی لیز دانتوں سے کاٹی۔

''یار ایسے مت دیکھو... پیسے دے دوں گی۔''

''ضرورت نہیں ہے۔'' یزمان بے اختیار ہنس دی۔

حنین مزے سے چپس کھاتی رہی۔

کبھی ایک چپ انگلیوں میں گھماتی، کبھی پورا مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لیتی۔

پھر اس نے چاکلیٹ کا ریپر کھولا۔ میٹھی cocoa کی خوشبو فوراً ہوا میں گھل گئی۔

''ہمارا تو خاندان بھی اتنا بڑا ہے یار...'' وہ چاکلیٹ کی ایک بائٹ لیتے ہوئے بولی۔ ''ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ کون آنے والا ہے۔''

یزمان نے گھٹنوں پر کہنی ٹکا کر رخ دوسری طرف کر لیا۔

''تم پریشان کس بات پر ہو؟'' حنین سے اس کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

''پتا نہیں۔''ایک لفظی جواب۔

''پتا نہیں یا بتانا نہیں چاہ رہی؟'' حنین نے سوچنے والے انداز میں اُسے گھورا۔

''میں..... تم لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔''آخر کو اُس نے اپنے دل کی بات کر ہی دی تھی۔

''Awwwww!! How sweet yaar.''حنین نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''اچھا اچھا اب زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' یزمان نے اُسے جھاڑتے ہوئے ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

''شرمندہ تو نہ کرو یار! اب میں کیا اترا بھی نہیں سکتی۔''حنین خفا ہوئی تھی۔

یزمان کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا، وہ ویسے ہی بیٹھی تھی، اُداس اور پریشان۔

''چلو، تم زیادہ اداس نہ ہو۔'' حنین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''اگر لڑکا پسند نہ آیا تو سیدھا بابا کو منع کر دینا۔''

''یہ جُرأت تم میں ہے؟'' یزمان نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب حنین کی تیزی سے چلتی زبان کو بریک لگ گئی تھی، وہ اچانک سے سکتے میں آ گئی تھی جیسے اسے پہاڑ توڑنے کا کام تھما دیا گیا ہو۔

ہمارے معاشرے میں پائے جانے والی بُرائیوں میں سے یہ بُرائی آج بھی پہلے نمبر پر ہے کہ ہم نے لڑکی سے اُس کا حق چھین لیا ہے، اُسے کبھی اپنا حق مانگنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

ہمارے معاشرے کے والدین کو یہ بات کبھی محسوس ہی نہیں ہوئی کہ وہ جانے انجانے میں کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ آج کے معاشرے میں اگر والدین ہر لحاظ سے پرفیکٹ بھی ہوں تو وہ اس جگہ پر آ کر پھسل جاتے ہیں۔

پسند کی شادی کا حق تو عورت کو اسلام نے خود دیا ہے، ہمارے پیارے نبی ﷺ سے بڑھ کر کونسا باپ ہے جو پرفیکٹ ہو سکتا ہے؟۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔ مگر جب حضرت علی ابنِ ابی طالبؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو اس بارے میں آگاہ کیا اور اُن سے پوچھا۔ اُنؓ کی رضا کے بعد اُنؓ کا نکاح کروایا گیا۔

مگر ہمارے معاشرے میں صرف لڑکی کو اعلان کر کے بتایا جاتا ہے، تمام فیصلے خود سے کر لیے جاتے ہیں تمام تیاریاں بھی خود سے پوری کر لی جاتی ہیں، کبھی لڑکی سے پوچھا ہی نہیں کہ وہ کیا چاہتی ہے، کبھی لڑکی کو کہا ہی نہیں گیا کہ وہ بھی کچھ کہے۔۔۔۔ مگر پھر وہ کیا کرتی ہیں؟ وہ اپنے والدین کی خوشی کی خاطر اپنے دل کو مار لیتی ہیں۔ وہ پھر بھی اپنے والدین سے محبت کرتی ہیں، کیونکہ والدین تو والدین ہوتے ہیں۔

صرف چھوٹا سا نقطہ ہے جو والدین کو سمجھنا چاہیے، لڑکی کے لیے آنے والے کسی بھی پروپوزل کو خود سے ہاں نہ کر دیا کریں، ایک دفعہ اپنی بیٹی سی بھی پوچھ لینا چاہیے، کیا پتہ اُسے وہ پروپوزل پسند نہ آئے مگر آئندہ آنے والا پسند آ جائے۔ بس۔۔۔ جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

یزمان خاموشی سے بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں دیوار پر کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔

پھر اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''کسی کو پسند... یا ناپسند... کس بنیاد پر کیا جاتا ہے حنین؟''

حنین کا ہاتھ، جو دوبارہ لیز اٹھانے جا رہا تھا، ہوا میں رک گیا۔

''کیا مطلب؟''

یزمان اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

''یعنی... اگر کسی انسان کو اپنانا ہو تو ہم کیا دیکھ کر کریں؟ اور اگر ریجیکٹ کرنا ہو... تو کس چیز کی بنیاد پر؟''

حنین چند سیکنڈ اسے دیکھتی رہی۔

پھر اس نے آہستہ سے لیز کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا اور خود چاکلیٹ کی ایک اور بائٹ لے لی۔

''یہ بڑا اچھا سوال کیا ہے تم نے، یزمان۔'' وہ تھوڑی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''اچھا یہ بتاؤ... تمہیں بابا پسند ہیں؟'' یزمان نے فوراً جواب دیا۔

''ظاہر ہے۔ ہر کسی کو اپنے بابا پسند ہوتے ہیں۔ مجھے بھی ہیں۔''

''میں ہر کسی کی بات نہیں کر رہی۔'' حنین نے انگلی اٹھا کر اسے ٹوکا۔

''میں تم سے پوچھ رہی ہوں... تمہیں بابا کیوں پسند ہیں؟'' وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے کچھ ڈھونڈ بھی رہی تھی، شاید کوئی اور snack، مگر اس کی پوری توجہ پھر بھی یزمان پر تھی۔

یزمان نے سوچتے ہوئے نظریں جھکائیں۔

''میں...'' وہ رکی۔ ''میں بابا کو ان کی اچھائی کی وجہ سے پسند کرتی ہوں... ان کی سچائی... ان کا وعدے پورے کرنا... کسی کو دھوکا نہ دینا...'' وہ بولتے بولتے نرم پڑتی جا رہی تھی۔

''ان کے اخلاق... اور ان کی وہ ویلیوز ...جو ان میں ہیں۔ شاید اس لیے۔'' اس دوران اس کے ہاتھ میں پکڑا لیز کا آخری ٹکڑا بھی ختم ہو چکا تھا۔

اس نے خالی پیکٹ گول مول کیا اور ہلکے سے اچھال کر ڈسٹ بین میں پھینک دیا۔

پیکٹ سیدھا جا کر اندر گرا تو حنین نے فوراً دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے۔

''Yes! Perfect shot!'' اس کے بعد وہ پھر سے یزمان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''بالکل صحیح۔ کسی بھی انسان کو ہم اس کی سچائی، اس کی اچھائی، اس کی ویلیوز، اور اس کے اخلاق کی وجہ سے ایکسیپٹ یا ریجیکٹ کرتے ہیں۔ اگر تو وہ ایک سچا، کھرا، وعدوں کا پکا، اخلاق کا اچھا اور رحم دل ''انسان'' ہے تو ہم اسے ایکسیپٹ کر سکتے ہیں۔''

اس نے انسان کے لفظ پر خاص زور دیتے ہوئے کہا تھا، جیسے وہ صرف ظاہری شخصیت نہیں بلکہ اندر کے کردار کی بات کر رہی ہو۔

''اور اگر وہ ان سب چیزوں سے کوسوں دور ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اسے ریجیکٹ کر دیں۔''

وہ ذرا آگے جھک کر یزمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

یزمان نے ہلکا سا لب کاٹا۔ وہ واقعی اس کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔

''تو پھر ہمیں کیسے پتا لگے گا کہ سامنے والا انسان کیسا ہے؟ کیونکہ ہم کسی کو ایک دفعہ دیکھنے سے تو جج نہیں کر سکتے نا۔''

اس کی آواز میں الجھن صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے۔'' حنین نے فوراً سر ہلایا۔''ہم کسی کو پہلی دفعہ دیکھ کر یا پہلی دفعہ مل کر جج نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کو جاننے کے لیے اس کے ساتھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔''

''اور یہ جو کہتے ہیں نا First impression is the last impression... یہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ first impression کبھی بھی last impression ہو ہی نہیں سکتا۔''

''ہمیں کسی بھی انسان کو سمجھنے کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے۔ ہم کسی کو بھی دیکھ کر یا اس سے ایک دفعہ مل کر اسے اچھا یا برا ہونے کا ٹائٹل نہیں دے سکتے۔''

بات کرتے کرتے اس کی نظر اچانک یزمان کی واٹر بوٹل پر جا ٹھہری۔ شاید چاکلیٹ کھانے کے بعد اب اسے پیاس لگ رہی تھی۔

اس نے فوراً بوتل اٹھائی، ڈھکن کھولا اور اگلے ہی لمحے بوتل کو منہ سے ذرا اوپر کیے غٹا غٹ پانی پینے لگی۔ وہ کبھی بھی بوتل کو منہ نہیں لگاتی تھی، چاہے بوتل اپنی ہی کیوں نہ ہو۔

''لیکن کسی اجنبی انسان کے ساتھ وقت گزارنا بھی تو غلط بات ہے نا؟'' یزمان خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔

حنین نے بوتل کا ڈھکن بند کیا اور واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''بالکل غلط بات ہے۔ میں نے کب کہا کہ کسی اجنبی یا نامحرم کے ساتھ وقت گزارو۔''

تو پھر کیسے جانیں اگلے انسان کو؟'' یزمان کا سوال ابھی بھی وہیں تھا۔

''اس کا راستہ بھی اسلام نے دکھایا ہے اسی وجہ سے اسلام کزن میرج کو اہمیت دیتا ہے۔'' وہ اب مکمل سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

''سائنس تو کزن میرج کو لے کر بہت سے آبجیکشنز کرتی ہے، مگر یہ بات تو ہمیں پتا ہے نا کہ سائنس پرفیکٹ نہیں ہے۔ وہ غلطیاں کرتی ہے۔ لیکن اسلام پرفیکٹ ہے۔ اسلام میں کہیں کوئی غلطی نہیں ہے۔ آج تک کبھی کوئی اسلام کے اصولوں میں غلطی نہیں نکال سکا۔'' اس کے لہجے میں عجیب سا یقین تھا۔

''اور کزن میرج کا یہ فائدہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اچھے سے جانتے ہوتے ہیں۔ اکثر خاندان اکٹھے رہتے ہیں، تو ان کے بچے بھی ساتھ بڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف ہوتے ہیں۔''

یزمان اب بھی خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ ہر لفظ اپنے ذہن میں اتار رہی ہے۔

''لیکن اگر بات کسی اجنبی انسان کے انتخاب پر آ جائے... تو کیا کیا جائے؟''

وہ آخر کار اپنی الجھن زبان پر لے ہی آئی۔

حنین نے اس کی طرف دیکھا، پھر اپنی دائیں آنکھ کا ابرو ذرا سا اوپر اٹھایا۔

''تمہیں نہیں پتا کہ جو انسان جیسا ہوتا ہے، اسے ویسے انسان ہی اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں؟''

یزمان نے نفی میں گردن ہلا دی۔ حنین ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اس کے ہاتھ میں اب ڈیری ملک کا آدھا بچا ہوا ٹکڑا تھا جسے وہ آہستہ آہستہ توڑ کر کھا رہی تھی۔

''جوانسان جیساہوتاہے،اس کی وائبز بھی ویسے انسان سے ہی میچ کریں گی۔اب یہ تم پرانحصار کرتاہے کہ تم خود کیسے ہو۔''

اس نے چاکلیٹ کا چھوٹاسا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

''اگر تم خوداچھے ہو،تو تم اچھے لوگوں کی طرف متوجہ ہوگے،اوران سے اچھی وائبز آئیں گی۔اوراگر تم خود برے ہو،تو تم برے لوگوں کی طرف متوجہ ہوگے،اور تمہاری وائبز ان سے ملیں گی۔''

یزمان چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتی رہی،پھر ہلکاسا مسکرائی۔

''کافی سمجھدار ہوگئی ہو۔اتناتو مجھے بھی علم نہیں پتا جتنا تمہیں علم ہے۔''وہ جان بوجھ کراسے چھیڑتے ہوئے بولی تھی۔

حنین نے فوراًناک ذراسی چڑھائی،پھراگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر عاجزی آگئی۔

''یہ میرے اللہ کافضل ہے... ورنہ میں بھی ایک عام انسان ہی ہوں۔''اللہ کانام لیتے ہوئے اس کالہجہ نرم پڑگیاتھا۔

پھر وہ جانے کے لیے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے یزمان کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ایک آخری بات بھی سن لو...''

وہ دروازے کے قریب جاکر رکی،پھر پلٹ کراسے دیکھا۔

''سفر لمباہوگا زندگی کا،اس لیے خوبصورت سے پہلے ایک ''انسان'' اور سمجھدار کو چننا۔'' وہ بار بار لفظ انسان پر زور دے رہی تھی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھاگئی تھی۔یزمان خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔حنین کی باتیں جیسے اس کے دل کے کسی کونے میں اترتی چلی جارہی تھیں۔

پھراس نے آہستہ سے تکیے سے ٹیک لگائی،نظریں جھکائیں اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

''خوبصورت کامیں بھی کیاہی کروں گی... کیونکہ اگر مخلص نہیں،تو کچراہے۔''حنین کے لبوں پر بےاختیار مسکراہٹ آگئی۔

اس نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگاکرایک لمحہ اسے دیکھا،پھر ہلکے سے سر ہلایا۔

''Exactly''اور پھر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

یزمان وہیں بیٹھی رہی۔

اس کی انگلیاں بےدھیانی میں چاکلیٹ کے خالی پیکٹ کے کنارے موڑ رہی تھیں،جبکہ ذہن میں حنین کی آخری بات بار بار گونج رہی تھی۔

''خوبصورت سے پہلے ایک انسان اور سمجھدار کو چننا۔''

باہر گھر میں مہمانوں کی تیاریوں کا شوراب بھی جاری تھا...

مگراس کے اندر پہلی بارایک عجیب سی خاموشی اترنے لگی تھی۔

لازم نہیں حیات میں احباب کا ہجوم
مل جائے وفادار تواِک، شخص بہت ہے

★。˚ ✦ ˚。★

وہ جب یزمان کے کمرے سے باہر آئی تو اپنے رُوم میں جانے کے بجائے سیدھا لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔
وسیع و عریض لاؤنج اپنی نرم زرد روشنیوں کے ساتھ ہمیشہ کی طرح پُر سکون لگ رہا تھا۔ دیوار پر لگی بڑی سی ایل ای ڈی بند پڑی تھی جبکہ سامنے پڑے صوفوں پر رنگ برنگے کوشن ترتیب سے
رکھے ہوئے تھے۔
کچن کی طرف سے اب بھی برتنوں کی آوازیں اور کھانوں کی خوشبو مسلسل ماحول میں گھل رہی تھیں۔
حنین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک ٹانگ دوسری پر چڑھائی اور سامنے پڑا ریموٹ اٹھالیا۔ وہ ابھی ایل ای ڈی آن کرنے ہی والی تھی کہ باہر گیٹ پر گاڑی کے ہارن کی آواز گونجی۔ اس کی انگلی ریموٹ کے بٹن پر ہی رک گئی۔
''لگتا ہے مہمان آ گئے...'' وہ خود ہی بڑبڑائی۔
اس نے گردن موڑ کر داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور ایک وجود اندر داخل ہوا۔ وہ شاید کوئی لڑکا تھا... اکیلا۔
نہیں...
وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا یا شاید... کوئی اور تھی۔
حنین نے آنکھیں سکیڑ کر انہیں غور سے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں خوشی سے پھیل
گئیں۔ وہ تین لوگ تھے، مرد، عورت اور ایک چھوٹی سی بچی۔
''اوہ مائی گاڈ!'' وہ خوشی کے مارے تقریباً چیختی ہوئی ننگے پاؤں صوفے سے اتری اور دوڑتی ہوئی دروازے تک گئی۔
سامنے والے شخص نے ابھی مکمل طور پر اندر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ حنین نے اسے زور سے گلے لگا لیا۔
''وائے ار قم بے! (واؤ ار قم صاحب)'' وہ خوشی سے تقریباً اچھل پڑی تھی۔
''آج یہ چاند کیسے اچانک غلطی سے ہمارے گھر اتر آیا ہے؟'' اُس کی بات سُن کر ار قم بے اختیار
ہنس پڑا۔
''بس دیکھ لو بھئی... سوچا اس دفعہ سب کو سرپرائز دیتا ہوں۔'' وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولا، پھر مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
''اور تم نے یہ ترکش کہاں سے سیکھی ہے؟''
اتنے میں پیچھے کھڑی زیمل ار قم (ار قم کی بیوی) مسکراتے ہوئے آگے بڑھی تو حنین فوراً اس سے لپٹ گئی۔
''ناولز کا چکر ہے ار قم بھیّا... ناولز کا چکر۔'' پیچھے سے آتی یزمان نے ہنستے ہوئے اس سوال کا جواب دیا تھا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی، اور اس کے چہرے پر بے اختیار نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
ار قم نے حیرانی سے دونوں بہنوں کو دیکھا۔
''تم لوگ اس سوشل میڈیا کے دور میں بھی ناولز پڑھتے ہو؟''
''ناولز پڑھنا بھی ایک نشہ ہے ار قم بھائی...'' حنین نے ایک آنکھ دباتے ہوئے شرارتی انداز میں
کہا۔
''اور ہم دونوں آج کل نشے میں ہیں۔''

''اوہ... تو اس کا مطلب اب ہمارے گھر میں نشئی بھی پائے جاتے ہیں؟''اس کی بات پر تینوں بہن بھائی ہنس پڑے۔
باتیں کرتے ہوئے وہ سب لاؤنج کی طرف بڑھ آئے تھے۔ارقم نے کوزل سی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جبکہ اس کے بال پہلے سے ذرا لمبے ہو گئے تھے۔

چہرے پر ہلکی بیرڈ اسے پہلے سے زیادہ سنجیدہ بنا رہی تھی۔
دوسری طرف زیمل اپنی ہلکی خافی رنگ کی شرٹ میں ہمیشہ کی طرح نہایت خوبصورت لگ رہی تھی۔
''کون آیا ہے؟اور کس کے ساتھ اتنا اونچا اونچا ہنس۔۔۔۔۔''کچن سے نکلتی مسز ارحم کی بات ادھوری رہ گئی۔
ان کی نظریں جیسے ہی ارقم پر پڑیں،ان کے چہرے پر حیرت اور خوشی ایک ساتھ پھیل گئی۔
''ارقم!'' اُنہوں نے خوشی کے مارے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔
''السلامُ علیکم مما... کیسی ہیں آپ؟''ارقم فوراً آگے بڑھا تھا۔
مسز ارحم نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا،جلدی سے اس کے قریب آئیں،اس کا
ماتھا چوما اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
''وعلیکم السلام...''ان کی آواز بھرا سی گئی تھی۔
ارقم نے بھی مضبوطی سے اپنی ماں کو بانہوں میں بھر لیا۔اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں،جیسے کئی مہینوں کی تھکن صرف اس ایک لمحے میں اتر رہی ہو۔

ماں سے دور رہنا واقعی آسان نہیں ہوتا۔
کچھ لوگوں کے پاس ماں جیسی نعمت موجود ہوتی ہے مگر مجبوریاں انہیں دور رکھتی ہیں... اور کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن سے یہ نعمت ہمیشہ کے لیے چھن چکی ہوتی ہے اس لیے اپنی ماں سے دور رہنا اُن کی مجبوری ہوتی ہے۔ورنہ اپنی ماں سے دور تو شاید ہی کوئی خوشی سے رہتا ہو۔

ارحم فرید کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔
ارقم اپنی دونوں بہنوں میں سب سے بڑا تھا۔
شادی سے پہلے وہ اسکالرشپ کے ذریعے ترکی گیا تھا اور پھر وہیں سیٹل ہو گیا تھا۔اس نے شادی
بھی ایک ترکش لڑکی،زیمل،سے کی تھی۔
شروع میں مسز ارحم اس بات پر راضی نہیں تھیں۔ان کی خواہش تھی کہ ارقم واپس پاکستان آجائے اور شادی بھی کسی پاکستانی لڑکی سے کرے،مگر آخر کار وہ بیٹے کی خوشی کے آگے مان گئی تھیں۔ارحم فرید نے تو شروع دن سے ہی خوش دلی سے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا۔
ارقم شادی کے بعد کئی بار پاکستان آچکا تھا،مگر اس دفعہ اس نے کسی کو بھی اپنی آمد کی خبر نہیں دی تھی۔اسی لیے اس کا اچانک سامنے آجانا سب کے لیے ایک بے حد خوشگوار سرپرائز تھا۔
''لگتا ہے آج میرے علاوہ بھی کوئی گھر آنے والا ہے۔''ارقم نے گھر کی غیر معمولی رونق،سجے کوشن اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھی extra crockeryدیکھتے ہوئے کہا۔

''تم بالکل صحیح وقت پر آئے ہو ارقم۔''مسز ارحم نے خوشی سے بتایا۔

''آج تمہارے ماموں اپنی فیملی کے ساتھ آرہے ہیں۔''

یزمان اس دوران زیمل کو لے کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی، جبکہ حنین وہیں ارقم کے قریب ہی بیٹھی رہی۔اسے اپنے بھائی سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی۔وہ جب بھی ترکی سے آتا،

سب سے زیادہ سامان حنین کے لیے ہی لاتا تھا۔

''ان کی فیملی...؟''ارقم نے سوال ادھورا چھوڑا مگر مسز ارحم فوراً سمجھ گئی تھیں۔

''وہ یزمان کے رشتے کے لیے آرہے ہیں۔تم سے کچھ دن پہلے ذکر بھی کیا تھا میں نے... بھول گئے؟''

''اوہ ہاں...''ارقم نے فوراً ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''انہوں نے آج آنا ہے؟ پھر تو واقعی میں بالکل صحیح وقت پر پہنچا ہوں۔''وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

حالانکہ چند دن پہلے اس نے خود اپنی ماں کو یہی کہا تھا کہ اسے چھٹی نہیں ملے گی۔

اصل میں وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا،اور اب اسے اپنی ٹائمنگ پر خود بھی ہنسی آرہی تھی۔

''کون صحیح وقت پر پہنچ گیا ہے؟''تبھی لاؤنج میں داخل ہوتے ارحم فرید کی آواز سنائی دی۔شاید انہوں نے ارقم کے آخری الفاظ سن لیے تھے۔

ارقم فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''السلامُ علیکم بابا!''ارحم فرید نے جواب دینے کے بجائے سیدھا اسے سینے سے لگالیا۔ان کے چہرے پر وہی مضبوط سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں نمی واضح تھی۔

ارقم بھی خاموشی سے اپنے باپ کے سینے سے لگا رہا۔کئی مہینوں کی دوری شاید اس ایک لمحے میں سمٹ آئی تھی۔

''اگر باپ بیٹوں کا پیار ختم ہو گیا ہو تو بھیّا آپ جا کر فریش ہو آئیں۔''تبھی یزمان کی آواز سنائی دی جو ابھی واپس لاؤنج میں آئی تھی۔

ارقم ہنستے ہوئے اپنے باپ سے الگ ہوا جبکہ ارحم فرید نے مصنوعی خفگی سے یزمان کو دیکھا۔

''برخوردار،ایسے اچانک؟ آنے سے پہلے بندہ اطلاع کر دیتا ہے۔''

''آپ لوگوں کے لیے سرپرائز تھا نا۔''ارقم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ارحم فرید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''چلو،اب جاؤ اور فریش ہو آؤ۔باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

ارقم نے سر کو خم دیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

زیمل بھی یزمان کے ساتھ اوپر جا چکی تھی جبکہ حنین بھی جلدی جلدی اپنے کمرے کی طرف

بھاگی۔

آخر آج اس کا بھائی آیا تھا...

اور وہ اس کے سامنے ایسے بکھرے بالوں اور گھر والے حلیے میں تو بالکل نہیں رہ سکتی تھی۔

★。˚ ✦ ˚。★

یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔

سورج کب کا افق کے پیچھے ڈوب چکا تھا اور رات کی سیاہی آہستہ آہستہ پورے شہر پر اپنے پَر پھیلا رہی تھی۔ صبح سے محوِ سفر رہنے والے پرندے بھی اب اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ چکے تھے۔

ہوا میں ہلکی سی خنکی گھلنے لگی تھی جبکہ دور کہیں مسجد سے عشاء کی اذان کی مدھم آواز اب بھی ماحول میں تیر رہی تھی۔

ارحم فرید کے گھر کا لاؤنج آج معمول سے زیادہ روشن اور آباد لگ رہا تھا۔ درمیانے میز پر سجے خشک میوے اور چائے کے کپ ماحول کو مزید پُر تکلف بنا رہے تھے۔

ہمایوں انصر اپنی فیملی کے ساتھ آ چکے تھے اور اس وقت سب لاؤنج میں ہی موجود تھے۔ اگر کوئی

غائب تھا تو وہ ابراہیم تھا، وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

حنین اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی اور کھڑکی سے بچوں کی طرح بار بار چوری چوری فہیم انصر کو دیکھ رہی تھی، جو انتہائی سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھا تھا۔

وہ بے باک نہیں تھی، وہ ایسے ہی کسی کے بھی سامنے نہیں آجایا کرتی تھی، وہ اپنی پوری کوشش کرتی تھی کہ جہاں مرد موجود ہوں وہاں سے گزرے بھی نہ مگر ادب کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے اُسے سلام کرنے کے لیے جانا پڑتا تھا اور ماموں تو محرم ہی تھے مگر اُسے تھوڑا سا مسئلہ تھا تو فہیم سے۔

فہیم انصر کے چہرے پر نہ ضرورت سے زیادہ مسکراہٹ تھی اور نہ ہی بے جا اعتماد، وہ بس خاموشی سے سب کی باتیں سن رہا تھا۔

"دکھنے میں تو ایک دم ہینڈسم اور اسمارٹ ہیں جیسے پہلے تھے... باقی اللہ جانے۔" حنین نے اسے اوپر سے نیچے تک ایک بار دیکھا، پھر ہونٹ سکیڑ کر آہستہ سے بڑبڑائی۔

وہ ابھی اپنے ماموں کے بیٹے کو جانچ ہی رہی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہو گئی۔ وہ دستک سن کر ایک لمحے کے لیے چونک گئی تھی، جیسے کسی نے اسے کسی غلطی میں پکڑ لیا ہو، مگر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال گئی۔

اُسے اچھی طرح پتا تھا کہ دروازے پر کون ہے... اور کیوں آیا ہے۔

"حنین! تم اندر ہو؟" باہر سے مسز ارحم کی ہلکی سی آواز آئی تھی۔

"جی ممی! بس آ رہی ہوں۔" وہ بے اختیار دانتوں سے ناخن کترتی کھڑکی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کا دل اب بھی ہلکا ہلکا تیزی سے دھڑک رہا تھا، حالانکہ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ آخر وہ اتنی نروس کیوں ہو رہی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی الماری تک گئی۔ الماری کھولتے ہی ہلکی سی عطر کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ نکالا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اُسے اچھی طرح سر اور پورے وجود پر پھیلا لیا۔

چند آوارہ لٹیں اب بھی چہرے کے گرد بکھری ہوئی تھیں جنہیں اس نے جلدی سے کانوں کے پیچھے اڑس لیا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

سیڑھیوں کے قریب پہنچتے ہی نیچے سے لوگوں کی دھیمی دھیمی آوازیں، برتنوں کی کھنک اور کبھی کبھار ابھرتی ہلکی ہنسی اس کے کانوں میں پڑنے لگی۔
وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہی تھی، جیسے ہر قدم کے ساتھ خود کو مزید کمپوزڈ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔اسی دوران فہیم انصر نے نظر اٹھا کر اسے ایک دفعہ دیکھا تھا۔
بس ایک دفعہ۔ مگر وہ نظر نہ بے ادب تھی، نہ ضرورت سے زیادہ ٹھہری ہوئی۔اس نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر فوراً دوبارہ باقی سب کی طرف متوجہ ہو گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔
حنین نے اس دوران ایک دفعہ بھی فہیم انصر کی طرف نہیں دیکھا تھا۔یا شاید... جان بوجھ کر نہیں دیکھا تھا۔وہ سیدھا اپنے ماموں اور ممانی کے پاس آئی، دھیمے لہجے میں سلام کیا اور پھر اپنی بھانجی کو گود میں اٹھا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔
بچی فوراً اس کے دوپٹے سے کھیلنے لگی تھی جبکہ حنین مصنوعی سنجیدگی سے اس کی ننھی انگلیاں پکڑ کر بیٹھ گئی۔
وہ فہیم انصر کے پچھلی طرف اس انداز سے بیٹھی تھی کہ فہیم اُسے بنا مڑے دیکھ نہیں سکتا تھا... اور وہ جانتی تھی کہ مڑنے والی غلطی، فہیم انصر کرنے والا نہیں تھا۔
''ارحم صاحب! آپ کو تو پتا ہی ہے کہ آج کون سی خاص وجہ مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔''
ہمایوں صاحب مسکراتے ہوئے ارحم فرید کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔ان کے لہجے میں اپنائیت بھی تھی اور خوشی بھی۔
اُن کی یہ بات سُن کر سب کے چہروں پر خوشی کی ایک چمک آ گئی تھی۔
''ہم آپ کی بڑی بیٹی کی خاطر آئے ہیں...'' انہوں نے ایک نظر یزمان پر ڈالی جو تب سے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔
''ہم اسے اپنے گھر کی بہو بنانا چاہتے ہیں۔''
لاؤنج میں موجود تقریباً سب ہی نظریں اس وقت یزمان پر جا ٹکی تھیں۔
یزمان نے فوراً شرما کر نظریں مزید جھکا لیں۔اس کی انگلیاں بے اختیار دوپٹے کے کنارے کو مروڑنے لگی تھیں۔
حنین بمشکل اپنی ہنسی روک رہی تھی۔
''ہمیں بھی بہت خوشی ہو گی کہ یزمان آپ کے گھر کی بہو بنے۔'' ارحم فرید نے تحمل سے جواب دیا۔
''لیکن اگر آپ ہمیں مزید تھوڑا سا وقت دے دیں تو اچھا ہو گا۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے شفقت بھری نظر اپنی بیٹی پر ڈالی۔
''آپ کو جتنا وقت چاہیے، آپ لے سکتے ہیں۔'' ہمایوں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ہمیں کوئی اعتراض نہیں... بس ہم تو اچھی خبر کی ہی امید رکھیں گے۔''
''یزمان کے علاوہ آپ سب کا کیا جواب ہے؟'' اس بار مسز ہمایوں نے مسکراتے ہوئے باقی سب کی طرف دیکھا تھا۔
''بھئی ہمیں تو بہت خوشی ہو گی۔'' مسز ارحم فوراً بولی تھیں۔
''پہلے تو صرف ایک رشتہ تھا، مگر اب وہی رشتہ اور مضبوط ہو جائے گا۔اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر...''
انہوں نے ایک نظر یزمان کی طرف دیکھا۔

''ہمیں یزمان کی اجازت درکار رہے گی۔'' آہ یہ رسمی اجازت۔۔۔سب کو معلوم تھا کہ فیصلہ ہو چکا ہے، مگر رسمی اجازت بھی تو ضروری ہے، اگر وہ نہ کہہ دے تب بھی اُسے ایموشنل بلیک میک کر کے منا ہی لیا جاتا۔

''اس سے اچھی بات تو واقعی کوئی نہیں ہو سکتی۔'' ہمایوں صاحب بھی خوش دلی سے بولے۔

''کیا کر رہے ہو فہیم تم آج کل؟''اس بار مسزار حم نے گفتگو کا رخ اس کی طرف موڑا۔

''آنٹی، میں بابا کے ساتھ کمپنی میں ہوتا ہوں۔شروع میں تو کافی نقصان میں جا رہی تھی...'' فہیم نے ذرا سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے احترام سے جواب دیا۔

''مگر پچھلے ایک سال سے الحمد للہ کافی گرو ہونا شروع ہو گئی ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''اور میرے بعد تو ویسے بھی فہیم اور ابراہیم نے ہی سنبھالنا ہے کمپنی کو۔'' ہمایوں صاحب نے فوراً مداخلت کی تھی۔

''اللہ پاک مزید کامیابیوں سے نوازے آپ کو، آمین۔''مسزار حم کی دعا پر تقریباً سب نے ایک ساتھ ''آمین'' کہا تھا۔

''ویسے ابراہیم نظر نہیں آ رہا۔'' مسزار حم نے اچانک پوچھا تھا۔

''پھوپھو وہ بس آتا ہی ہو گا، اُس کی گاڑی پنکچر ہو گئی تھی۔'' فہیم نے فوراً جواب دیا تھا۔

''یزمان بھی آئی ٹی میں ماہر ہے۔

حنین فرید نے مسکراتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

''بلکہ وہ تو ہیکنگ میں ماہر ہے۔گھر بیٹھے کسی کا بھی ڈیٹا اُڑا لے...''

''مگر وہ اپنے اس ٹیلنٹ کا غلط استعمال نہیں کرتی!''آخر اسے بھی تو اپنی بہن کی تعریف کرنی تھی۔

''ہمیشہ مثبت استعمال ہی کیا ہے اس نے۔''اس کی بات پر لاؤنج میں ہلکی سی ہنسی پھیل گئی جبکہ یزمان نے شرمندگی سے اسے گھورا۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''مسز ہمایوں نے دلچسپی سے یزمان کی طرف دیکھا۔

''کوئی کمپنی وغیرہ جوائن کی ہوئی ہے؟''یزمان نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

''جی... ایک کمپنی ہے جو جوائن کی ہوئی ہے۔گھر بیٹھے سب کچھ مانیٹر کرتی ہوں۔''وہ پُرسکون انداز میں بول رہی تھی۔

''میں اپنے کام میں ایکسپرٹ تھی اور سب کچھ اچھے سے ہینڈل کر لیتی تھی، اس لیے کمپنی نے خود ہی ورک فرام ہوم کا آپشن دے دیا۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''مسز ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر تم شادی کے بعد کام نہ بھی کرنا چاہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''یزمان اس بات پر صرف ہلکا سا سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

حنین تب سے مسلسل اس کے چہرے پر کچھ ڈھونڈ رہی تھی... شاید خوشی، گھبراہٹ یا شرمندگی۔

''ارقم بیٹا! تم کب آئے ہو ترکی سے؟''ہمایوں صاحب نے اس بار گفتگو کا رخ ارقم کی طرف موڑا۔

ارقم اس وقت ایک طرف سنگل صوفہ پر آرام سے بیٹھا تھا۔

''میں بھی انکل آج ہی آیا ہوں۔آپ لوگوں کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی پہنچا ہوں۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''واہ... پھر تو ٹائمنگ بڑی زبردست رہی۔''ہمایوں صاحب ہنس دیے۔

اسی دوران بیرونی دروازے پر اچانک گاڑی کے ہارن کی آواز گونجی تو سوائے حنین کے تقریباً
سب ہی اس طرف متوجہ ہو گئے۔لاؤنج میں چلتی گفتگو ایک لمحے کے لیے مدھم پڑ گئی تھی۔
''شاید ابراہیم آ گیا ہے۔''فہیم نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
حنین البتہ اب بھی اپنی ہی دنیا میں مگن تھی۔وہ اپنی بھانجی کو گود میں لیے اس کے نرم نرم ہاتھوں سے کھیل رہی تھی۔کبھی اس کی ناک دباتی، کبھی اس کی انگلی پکڑ کر ہلاتی،اور بچی ہر بار کھلکھلا کر ہنس دیتی۔
اسی لیے نہ اسے ہارن سنائی دیا تھا... اور نہ ہی فہیم کی بات۔
دوسری طرف فہیم کے چہرے پر واضح فکر مندی پھیل گئی تھی۔اسے ڈر تھا کہ میچ کے دوران لگنے والی چوٹیں کہیں ابراہیم کے چہرے پر نمایاں نہ ہوں،خاص طور پر اس ماحول میں جہاں سب لوگ موجود تھے۔
چند لمحوں بعد گاڑی کے دروازے بند ہونے کی آواز آئی، پھر بیرونی دروازہ کھلا۔ابراہیم انصر سیدھا لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔
اُسے دیکھتے ہی فہیم نے بے اختیار ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ابراہیم کے ہونٹ کا کنارہ ہلکا سا زخمی تھا،اور وہ نشان روشنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔
''السلامُ علیکم!''ابراہیم نے اندر آتے ہی پُر اعتماد مگر نرم لہجے میں سب کو سلام کیا اور آ کر فہیم
کے مقابل رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔
اُس نے کارکول گرے سوٹ پہن رکھا تھا۔بال ہمیشہ کی طرح نہایت سلیقے سے set تھے،اور اُس پر وولف ہیئر کٹ بے حد جچتا تھا،اسی لیے وہ ہمیشہ وہی style رکھتا تھا۔بال اتنے نفاست سے تراشے گئے تھے کہ صرف کانوں کی لو نمایاں ہو رہی تھیں۔وہ واقعی ایک خوبرو نوجوان تھا۔
حنین ابھی بھی اُس سب سے بے خبر بچی کے ساتھ کھیل رہی تھی۔چونکہ ابراہیم، فہیم کے
بالکل سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھا تھا اور حنین، فہیم کے پیچھے بیٹھی تھی،اس لیے ابراہیم اُسے صاف دیکھ سکتا تھا۔
وہ چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔دوپٹے میں لپٹی، بچی کے ساتھ کھیلتی، بے خبر سی حنین۔
''سلام کا جواب دو حنین!''مسز ارحم نے جب اُسے پکارا تو اُس نے چونک کر نظر اٹھائی۔
جیسے ہی حنین نے نظریں اٹھائیں، سامنے بیٹھے ابراہیم سے اُس کی نظریں ٹکرا گئیں۔ابراہیم کو لگا کہ جیسے وہ سانس لینا بھول گیا ہو،اُس کے دل کی دھڑکن اچانک سے بے ترتیب ہونے لگی تھی۔چشمے کے پیچھے سے جھانکتی حنین کی سیاہ آنکھیں۔۔۔کیا تھا اُن آنکھوں میں۔۔۔؟ یا کیا نہیں تھا اُن میں؟
ابراہیم کی ہتھیلیوں میں پسینہ آنے لگا تھا،دل کی دھڑکن کی آواز کانوں تک آ رہی تھی ایسے جیسے ابھی سینا چیر کر باہر نکل آئے گا۔۔۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ جسم کا اتنا مضبوط مرد ایک لڑکی کی سیاہ آنکھوں سے ہی مات کھا جائے گا۔
حنین بھی جیسے ایک دم ساکت رہ گئی۔اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب آ کر اُس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔چند لمحوں کے لیے اُس کا دماغ خالی ہو گیا۔چہرے پر واضح گھبراہٹ پھیل گئی تھی، جیسے اچانک کسی نے اُسے سب کے سامنے کھڑا کر دیا ہو۔
''و... وعلیکم السلام۔''

حنین نے بمشکل جواب دیااور فوراًبچی کواس کی ماں کی گود میں تھماتے ہوئے تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔اس کے قدم تقریباًبھاگتے ہوئے کچن کی طرف بڑھے تھے۔

اس نے جلدی سے ایک گلاس پانی بھرااورایک ہی سانس میں آدھاگلاس اپنے اندر اُنڈیل لیا۔پھر کرسی کھینچ کراس پر بیٹھ گئی۔اس کادل اب بھی عجیب انداز میں دھڑک رہاتھا۔

''میں دیکھتی ہوں... وہ ذراشرمیلی ہے۔''یزمان فوراًماحول سنبھالتے ہوئے مسکراکر بولی تھی اور پھر چند لمحوں بعد خود بھی کچن میں آگئی۔

''تمہیں کیاہواہے؟'' وہ آکر حنین کے بالکل سامنے کھڑی ہوگئی۔

حنین نے فوراًخفگی سے سراٹھایا۔

''بناتبائے ایسے کون آتاہے؟''اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

یزمان کوبےاختیار ہنسی آگئی مگراس نے خود کو سنبھال لیا۔

''اُس نے اونچی آواز سے سلام کیاتھاحنین !تم نے ہی نہیں سنا۔''وہ ہاتھ باندھ کراسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اوراُس سے پہلے گاڑی کاہارن بھی دیاتھا۔''

''اوہ گاڈ!''حنین نے دونوں ہاتھوں سے اپناماتھا پکڑ لیا۔

''کتناعجیب لگااُس وقت مجھے کہ... کہ وہ بالکل میرے سامنے بیٹھاتھااور مجھے خبر ہی نہیں تھی۔''اس کے کانوں تک سرخی پھیل گئی تھی۔

یزمان اب بمشکل اپنی ہنسی روک رہی تھی۔

''چلو،کچھ نہیں ہوتا۔''وہ اس کے قریب آکر نرمی سے بولی۔

''اب باہر آؤ،کھانا بھی کھاناہے۔سب انتظار کررہے ہوں گے۔''

''تم جاؤیزمان... میں نہیں آرہی۔''حنین نے سرجھکائے ہی جواب دیا۔

''اور تمہاری اس حرکت پر ماموں لوگ کیاسوچیں گے؟تمہیں اندازہ بھی ہے؟''اس بار یزمان نے لہجہ ذراسنجیدہ کیاتھا۔

حنین نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''یزمان... مجھے نہیں بیٹھناایسے سب میں۔''اب کی بار اُس کی آواز واقعی کمزورلگ رہی تھی۔

آنکھیں ہلکی سرخ ہورہی تھیں۔

یزمان نے بےبسی سے اُسے دیکھا۔

''وہ سب اپنے ہی ہیں حنین... تمہیں کیاہوگیاہے؟''حنین نے فوراًنظریں اٹھائیں۔

''مگرابراہیم بھائی اور فہیم بھائی تومرد ہیں نا... اور نامحرم بھی۔''یزمان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگئی۔

شایداُسے اندازہ نہیں تھاکہ حنین اس بات کواس زاویے سے سوچ رہی ہے۔

''تم اُن کے سامنے نہ بیٹھنا۔''وہ آخرکار نرمی سے بولی۔

''میں تمہیں ایک طرف جگہ بنادوں گی یار۔''حنین نے کچھ نہیں کہا۔

وہ بس خاموش بیٹھی اپنے دوپٹے کے کونے کوانگلی میں لپیٹتی رہی۔

کچن کے باہر سے لوگوں کی ہلکی ہلکی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں، مگر اس وقت حنین کو اپنا ہی دل سب سے زیادہ شور کرتا محسوس ہو رہا تھا۔
آخر چند لمحوں بعد اُس نے آہستہ سے گہری سانس لی، کرسی سے اُٹھی اور دوپٹہ ایک بار پھر اچھی طرح اپنے گرد سمیٹ لیا۔
"بس... زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔
یزمان کے چہرے پر فوراً اطمینان آیا۔
"Good Girl!" حنین نے اسے گھورا، مگر اگلے ہی لمحے دونوں ساتھ ساتھ کچن سے باہر نکل گئیں۔
اس کے بعد کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں چلتی رہیں۔
کہیں بزنس ڈسکس ہوا، کہیں ترکی کے قصے، اور کہیں بچپن کی یادیں۔ ڈنر کے دوران بھی ماحول
خوشگوار ہی رہا۔ کھانوں کی خوشبو، برتنوں کی ہلکی آوازیں اور لوگوں کی دھیمی ہنسی پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔
آخر کافی دیر بعد ہمایوں صاحب اور ان کی فیملی اجازت لے کر واپس چلی گئی۔ مسز ارحم اور ارحم صاحب جب اُنہیں سی آف کر کے واپس آئے تو گھر
ایک دم خالی خالی سا محسوس ہونے لگا تھا۔
دروازہ بند ہوتے ہی گھر میں ایک عجیب سی خاموشی اتر آئی۔ جیسے کچھ دیر پہلے کی رونق اچانک سمیٹ لی گئی ہو۔ یزمان خاموشی سے اپنے کمرے کی
طرف چلی گئی۔
اس کے قدم آہستہ تھے، جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔
اور ہمیشہ کی طرح...
حنین بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔
باقی سب بھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔
آخر رات کافی ہو چکی تھی، اور گھر پر اب آہستہ آہستہ نیند اترنے لگی تھی۔
★｡˚ ✦ ˚｡★
موجودہ دن۔
آج اسلام آباد پر صبح بڑی خوشگوار اتری تھی۔ رات گئے ہونے والی بارش نے جیسے پورے شہر
کو دھو کر نکھار دیا تھا۔ فضا میں مٹی کی بھیگی ہوئی خوشبو اب بھی رچی ہوئی تھی جبکہ نرم دھوپ آہستہ آہستہ ہر شے پر اتر رہی تھی۔
ریان صاحب کے گھر کے وسیع لان کی گھاس پر بارش کے ننھے ننھے قطرے ابھی تک موجود تھے، جو سورج کی روشنی پڑتے ہی ہیروں کی طرح چمکنے
لگتے۔
کیاریوں میں لگے رنگ برنگے پھول پوری آب و تاب سے کھلے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دھیرے دھیرے جھوم رہے تھے،
جیسے خاموشی سے کوئی رقص کر رہے ہوں۔
گزشتہ رات ہانی کی وجہ سے محمد کو اپنی تقریباً ساری میٹنگز ری شیڈیول کرنی پڑی تھیں کیونکہ آج اسے ہانی کو لے کر لاہور جانا تھا۔ اور سچ تو یہ تھا کہ وہ
صرف میٹنگز ہی نہیں... ہانی کے لیے کچھ بھی ری شیڈیول کر سکتا تھا۔

وہ ہمیشہ اس کے لیے اپنے تمام کام روک دیا کرتا تھا، جیسے دنیا کا ہر کام ایک طرف ہو... اور ہانی ایک طرف۔ اگر اس کی زندگی میں واقعی کوئی چیز اہم تھی، تو وہ صرف ایک انسان تھا... جس کا نام ہانی تھا۔

ہانی کی ایک آواز پر وہ کہیں بھی پہنچ جایا کرتا تھا، چاہے اس کے لیے اسے اپنا کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ آج دونوں کو لاہور جانا تھا کیونکہ وہاں ایک ایگزیبیشن تھی، جسے ہانی پہلی بار خود اٹینڈ کرنے والی تھی۔

ورنہ وہ ہمیشہ صرف اپنا کام ایگزیبیشن میں بھیج دیا کرتی تھی۔ لوگ اس کے فن کو جانتے تھے... اس کے نام کو جانتے تھے... مگر اسے خود شاید ہی کبھی کسی نے دیکھا ہو۔ اس نے گمنام رہ کر بھی اپنا ایک نام بنایا تھا۔

مسز ریان اور ہانی پہلے ہی کھانے کے ٹیبل پر موجود تھیں اور محمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ ڈائننگ ایریا کی بڑی کھڑکیوں سے آتی دھوپ پورے ماحول کو نرم سی روشنی دے رہی تھی۔

ہانی آج خاموش لگ رہی تھی۔ وہ کبھی چائے کے کپ کو دیکھتی، کبھی باہر لان کی طرف۔ تھوڑی دیر بعد سیڑھیوں سے اترتے قدموں کی آواز سنائی دی اور اگلے ہی لمحے محمد نیچے آتا دکھائی دیا۔

اس نے گہرے گرے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ کلائی پر بندھی گھڑی ہمیشہ کی طرح نفیس لگ رہی تھی جبکہ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ بارش کے بعد کی تازہ صبح میں اس کا چہرہ اور بھی نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ایک خاص رعب تھا... ایسا رعب جو اسے مزید پرکشش بناتا تھا اور جب وہ چلتا تھا تو اس کی چال میں عجیب سا بانکپن ہوتا تھا، ایسا کہ لوگ بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھتے رہ جائیں۔

''السلام علیکم۔'' وہ کرسی پیچھے کھینچتے ہوئے کھانے کا ٹیبل کے پاس آ کر بولا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' مسز ریان نے مسکرا کر جواب دیا، جبکہ ہانی خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔

محمد نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا، پھر اس کے چہرے کے سامنے چٹکی بجائی۔

''ہیلو لڑکی! میں نے سلام کیا ہے۔'' ہانی جیسے اچانک کسی گہری سوچ سے باہر آئی تھی۔

مسز ریان اس حرکت پر ہنس پڑی تھیں جبکہ ہانی ذرا گھبرا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''جی... جی، میں نے سن لیا تھا۔'' وہ بدقت مسکراتے ہوئے اپنی شرمندگی چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

''من میں جواب بھی دے دیا تھا۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

محمد نے معنی خیز انداز میں ابرو اٹھایا۔

''لیکن میں نے تو کچھ اور ہی محسوس کیا تھا۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے آرام سے اپنا ناشتہ نکالنے لگا تھا۔ ہانی نے فوراً نظریں چرائیں۔

''انکل ریان کب آئیں گے واپس؟'' اس نے جان بوجھ کر محمد کی بات نظر انداز کرتے ہوئے مسز ریان سے پوچھا۔

مسز ریان نے ہلکی سی آہ بھری۔

''ان کا کچھ پتا نہیں ہوتا بیٹے... کب آئیں گے اور کب جائیں گے، یہ بات صرف وہی جانتے ہیں۔'' انہوں نے منہ بسورتے ہوئے بریڈ پر جام لگایا تھا۔

''فکر نہ کریں مما، جلد آ جائیں گے۔'' محمد نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''آپ نے فون کر لینا تھا نا۔''

''کی تھی میں نے...'' مسز ریان نے بے دلی سے جواب دیا۔

''مگر انہوں نے pick ہی نہیں کی۔''

''کچھ نہیں ہوتا مما!'' محمد نے پر سکون لہجے میں کہا۔

''مصروف ہوں گے اپنے کام میں۔ فارغ ہوتے ہی فون کر لیں گے۔ Don't worry۔'' وہ اپنی ماں کو تسلی دے رہا تھا جبکہ مسز ریان بس خاموشی سے سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

''تم نے اپنے سارے کینوسز گاڑی میں رکھوا دیے ہیں؟'' مسز ریان نے اس بار رخ ہانی کی طرف کیا، جو ان سے نوے درجے کے زاویے پر بیٹھی تھی۔

''جی آنٹی۔'' ہانی نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''صبح اٹھتے ہی سب سے پہلا کام میں نے یہی کیا تھا۔ بس ناشتہ کر کے ہم نکلتے ہیں... وہاں وقت پر بھی تو پہنچنا ہے نا۔''

''اور واپس کب تک آؤ گے؟''

''شام تک آ جائیں گے مما۔'' ہانی کے جواب دینے سے پہلے ہی محمد بول پڑا۔

وہ بریڈ پر جام لگائے مزے سے کھا رہا تھا۔

''ویسے بھی لاہور کون سا یہاں سے زیادہ دور ہے... اور پھر آپ بھی تو گھر پر اکیلی ہیں۔'' مسز ریان کا موڈ واضح طور پر کچھ off لگ رہا تھا۔

ریان صاحب کو گئے کافی دن ہو چکے تھے اور ان سے مکمل طور پر بات بھی نہیں ہو پائی تھی۔ ہانی شاید ان کے چہرے کے تاثرات پڑھ گئی تھی۔ وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آنٹی، آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''انکل یہاں نہیں ہیں تو کیا ہوا... ہم تو ہیں نا آپ کے ساتھ۔'' مسز ریان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''محمد! ایسا کرو کہ تم بھی کچھ دن کے لیے یورپ کی طرف ہو آؤ۔'' انہوں نے اچانک محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

محمد، جو اس وقت نیپکن سے اپنا منہ صاف کر رہا تھا، ان کی بات سن کر رک گیا۔

''کیوں بھئی؟'' مگر اس سے پہلے کہ محمد کچھ کہتا، ہانی اچانک چونک کر بول پڑی تھی۔

اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے کسی نے اچانک اس سے کوئی بہت بڑی چیز چھین لینے کی بات کر دی ہو۔ محمد اور مسز ریان ایک دوسرے کو دیکھ کر زور سے ہنس پڑے۔

جبکہ ہانی کو اگلے ہی لمحے احساس ہوا کہ وہ ذرا زیادہ جلدی ردِ عمل ظاہر کر گئی ہے۔ اس کا چہرہ فوراً گلابی پڑ گیا۔ وہ جلدی سے کپ اٹھا کر چائے پینے لگی تھی۔

تم حقیقت نہیں ہو حسرت ہو

جو ملے خواب میں وہ دولت ہو

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں جاناں
تم میری زندگی کی عادت ہو

داستاں ختم ہونے والی ہے
تم میری آخری محبت ہو
★。° ✦ °。★

کچھ دیر بعد وہ دونوں لاہور کی طرف رواں دواں تھے۔وہ اس وقت ایک سیاہ Dodge میں موجود تھے جو خاص طور پر امریکہ سے امپورٹڈ تھی۔کشادہ سڑک بارش کے بعد دھلی ہوئی لگ رہی تھی جبکہ دونوں طرف پھیلے درختوں کے پتے ابھی تک بھیگے ہوئے تھے۔

گاڑی کے اندر ہلکی سی کافی اور محمد کے پرفیوم کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ہانی اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔کبھی گزرتے درخت، کبھی دور دھندلے سے پہاڑ،اور کبھی سڑک پر دوڑتی گاڑیاں۔

محمد خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ایک ہاتھ سٹیئرنگ پر تھا جبکہ دوسرا آرام سے گئیر کے قریب ٹکا ہوا تھا۔وہ وقفے وقفے سے ونڈ شیلڈ سے باہر نظریں جمائے سڑک کو دیکھتا،پھر ایک لمحے کو ہانی کی طرف نظر ڈال لیتا۔

کافی دیر تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔آخر کار محمد نے ہی خاموشی توڑی۔

''تم نے پہلے تو کبھی کوئی کسی نمائش میں شرکت نہیں کی...''اس نے ہلکے سے ابرو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اس دفعہ کیا خاص وجہ ہے؟''

ہانی نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔اس کے لبوں پر آہستہ سے مسکراہٹ آئی۔

''جھوٹ بولوں یا سچ؟''

محمد بے اختیار ہنس دیا۔

''ظاہر ہے سچ بولو یار!''

اس نے دونوں ہاتھ سٹیئرنگ پر جماتے ہوئے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔

''اور تمہیں تو ویسے بھی سچ بولنے اور سننے کی عادت ہے۔''

''ہوں... یہ بات تو ہے۔''ہانی نے سنجیدگی سے سر ہلایا،پھر اگلے ہی لمحے ہنس دی۔

محمد نے گردن ذرا اس کی طرف موڑی۔

''اچھا اب تجسس ختم کرو۔''ہانی نے چند لمحے اسے دیکھا،پھر دوبارہ باہر سڑک کی طرف نظریں موڑ لیں۔

''کافی دنوں سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ لمبے سفر پر جاؤں...''وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

''مگر کوئی موقع ہی نہیں بن پا رہا تھا۔''

محمد کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔

''پھر جب یہ نمائش آئی نا...''ہانی نے شانے اچکائے۔

''تو میں نے سوچا کہ اس دفعہ کینوسز کے ساتھ میں خود بھی چلتی ہوں۔''وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

''اور اسی بہانے مجھے آپ کے ساتھ لمبا سفر بھی مل جائے گی۔''وہ آخری جملہ کہتے ہوئے شرارتی انداز میں مسکرائی۔

''اور دیکھو... مل بھی گئی۔''محمد چند لمحے خاموش رہا۔

اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں مگر چہرے پر اب واضح مسکراہٹ موجود تھی۔

''تو مطلب...''

اس نے جان بوجھ کر سنجیدہ بنتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں صرف ڈرائیور ہوں؟ محمد نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

ہانی فوراً ہنس پڑی۔

''نہیں نہیں...''اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

''اچھا جی؟''

''جی ہاں۔''

وہ اب مزے سے اسے چھیڑ رہی تھی۔

''آپ پر یمیم زمرہ میں آتے ہیں۔''

محمد بے اختیار ہنس دیا۔اس کی ہنسی ہمیشہ کی طرح ہلکی مگر بے حد دلکش تھی۔

''تمہیں پتا ہے...''

اس نے دوبارہ سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم کبھی کبھی بہت خطرناک باتیں کر جاتی ہو۔''

''میں؟''ہانی نے معصوم بننے کی اداکاری کی۔

''میں تو بہت معصوم ہوں۔''محمد نے ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر سر ہلاتے ہوئے ہنس پڑا۔

''ہاں، وہ تو صاف نظر آ رہا ہے۔'' ہانی اس کی بات پر ایک بار پھر ہنس پڑی۔

''ویسے ایک بات پوچھوں؟'' محمد نے اسٹیئرنگ پر گرفت ذرا مضبوط کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

ہانی نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر اُس کی طرف دیکھا۔

''ہوں؟''

''تمہیں ابراہیم انصر کیسا لگتا ہے؟''سوال غیر متوقع تھا۔ہانی کی بھنویں ہلکی سی سکڑ گئیں۔

''یہ کیسا سوال ہوا؟''

''سیدھا سا تو سوال ہے۔'' محمد کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

محمد نے ایک لمحہ اُس کی طرف دیکھا، پھر نظریں دوبارہ سڑک پر جما دیں۔

''میرا مطلب ہے... تمہاری نظر میں اُس کی کیا ویلیو ہے؟''

ہانی چند سیکنڈ خاموش رہی، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔

''میری نظر میں وہ ایک عام انسان ہے... جیسے سب کی نظر میں ہے۔میں کون سا اُسے کسی الگ زاویے سے دیکھتی ہوں۔''محمد نے ہلکا سا سر ہلایا مگر شاید یہ جواب اُس کے لیے کافی نہیں تھا۔

''یار... میرا مطلب ہے کہ وہ کس ٹائپ کا مرد ہے؟اُس سے ملنے والا اُسے کس طرح جج کرتا ہوگا؟یا پھر اُس کی زندگی میں آنے والی کوئی لڑکی... جس سے وہ محبت کرتا ہو... وہ اُسے کتنی ویلیوز دے سکتا ہے؟''

اب ہانی واقعی اُلجھنے لگی تھی۔اُس نے چند لمحے محمد کے چہرے کو دیکھا،آج اُس کی باتوں میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔کار کے اندر چند لمحوں کی خاموشی پھیل گئی۔صرف انجن کی مدھم آواز

سنائی دے رہی تھی۔

آخر کار ہانی نے دھیرے سے بولنا شروع کیا۔

''اگر میں اُسے جج کروں... تو وہ ایک اچھا انسان ہے۔اپنی لائف میں ویل سیٹلڈ ہے۔یعنی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے،اُن کی پرواہ کرتا ہے۔''

محمد نے گردن ذرا سی موڑی۔

''اور؟''

''اور... میرا خیال ہے کہ جس بھی لڑکی کے ساتھ ابراہیم انصر کا نام جُڑے گا،وہ بہت خوش نصیب ہوگی۔'' ہانی نے کھڑکی سے باہر گزرتے درختوں کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

محمد کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر ذرا سا کت ہوئیں۔

''کیونکہ وہ اپنے وعدوں کا بڑا پکا انسان ہے۔اگر وہ اپنی ہم سفر سے کہہ دے کہ اُس کی آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آنے دے گا... تو وہ واقعی نہیں آنے دے گا۔''محمد نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا، مگر کچھ کہا نہیں۔

''اس کے علاوہ؟'' اُس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''وہ ایک باکسر ہے... مگر باہر سے جتنا مضبوط لگتا ہے،دل کا اُتنا ہی نرم ہے۔'' ہانی چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی۔

محمد کی نظریں اب مکمل طور پر سڑک پر تھیں۔

'' ایک دفعہ اس نے مجھ سے اونچی آواز میں بات کی تھی... مگر بعد میں اُس نے معافی بھی مانگی۔''

''اور اُس دن... میں نے اُسے روتے ہوئے بھی دیکھا تھا،کم از کم میں ابراہیم سے یہ توقع نہیں کرتی تھی کہ وہ دل کا اتنا نرم ہے۔''

محمد نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔

''یہ کب کی بات ہے؟'' وہ بھی حیران ہوا تھا۔

''صحیح سے یاد نہیں... شاید کسی فیملی گیٹ ٹوگیدر والے دن۔ وہ کسی بات پر بہت ڈسٹرب تھا۔''

''اوہ۔۔۔'' محمد نے آہستہ سے کہا اور دوبارہ خاموش ہو گیا۔

''ویسے آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' ہانی اب اُس کے سوالوں سے واضح طور پر متجسس ہو چکی تھی۔

''میں... بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' محمد نے ہلکی سی کھانسی کے ساتھ نظریں چرا لیں۔

ہانی نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا، مگر کچھ نہیں کہا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے... اُسے کبھی کسی سے محبت ہوئی ہو گی؟'' چند لمحے خاموشی میں گزر جانے کے بعد پھر محمد نے اچانک پوچھا تھا۔

''یہ بات تو وہی جانتا ہو گا۔'' ہانی نے کندھے اچکائے۔

''کبھی تم نے نوٹ کیا ہو اُسے اس حوالے سے؟'' محمد شاید مطمئن نہیں ہوا تھا۔

''نہیں۔'' ہانی نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''میں نے تو اُسے کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا۔''

محمد کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

''کسی دوسری لڑکی میں دلچسپی لے بھی کیسے سکتا ہے وہ؟'' وہ بہت آہستہ بڑبڑایا۔

''آپ نے کچھ کہا؟'' ہانی فوراً چونکی۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اُس نے فوراً بات ٹال دی۔

''اگر پوری بات کا نتیجہ نکالیں... تو وہ ایک اچھا شوہر ثابت ہو سکتا ہے؟'' پھر کچھ دیر بعد اُس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

ہانی نے بغیر کسی توقف کے سر ہلایا۔

''ظاہر ہے! بلکہ بہترین شوہر۔ جہاں تک میں جانتی ہوں، وہ نرم مزاج انسان ہے۔ ہر دوسری لڑکی کے ساتھ فری نہیں ہوتا، بس اپنے کام سے کام رکھنے والا مرد ہے۔'' اس نے ذرا توقف کیا۔

''اور سب سے بڑی بات... وہ اپنی فیملی کے لیے بہت حساس ہے، اگر اُن کے لیے اس کے دل میں اتنی محبت ہے تو اس کی زندگی کا حصہ بننے والی لڑکی کے لیے کتنا زیادہ ہو گا۔''

''ہمم۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا، اُس کا دل اُداس ہونے لگا تھا، اُس کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا۔ اُس کے الفاظوں کے پیچھے جیسے بہت کچھ چھپا ہوا تھا۔

گاڑی اسی رفتار سے سڑک چیرتی آگے بڑھتی رہی جبکہ دونوں کی ہلکی ہلکی باتوں نے سفر کو ایک الگ موڑ دے دیا تھا، اگر ہانی کے لیے نہیں تو محمد کے لیے تو دے ہی دیا تھا۔

لاہور کے قریب پہنچتے پہنچتے یہاں بھی ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ ننھے ننھے قطرے مسلسل سڑک کو بھگو رہے تھے اور گاڑی کی رفتار بھی جیسے بارش کے ساتھ مدھم پڑ گئی تھی۔

سڑک کے کنارے کھڑے درخت دھند میں لپٹے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، جبکہ کار کے اندر ایک عجیب سی خاموشی تھی۔۔۔ایسی خاموشی جو لفظوں سے کہیں زیادہ بولتی ہے۔

وائیپر بار بار ونڈ اسکرین پر جمع ہونے والے قطروں کو صاف کر رہے تھے، مگر ہر چند لمحوں بعد شیشے پر نمی کی ایک نئی تہہ جم جاتی۔

''ہانی!'' محمد نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

''ہمم۔۔۔؟'' اُس نے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

محمد نے ایک لمحہ اُس کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ نظریں سڑک پر جما دیں۔

''اگر تمہیں کہیں جانا ہو نا۔۔۔تو تمہیں بہانہ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔تم صرف بتا دیا کرو۔'' اُس کی آواز غیر معمولی حد تک نرم تھی۔

''تمہارے لیے وقت نکالنا میرا کام ہے۔''

ہانی چند لمحے خاموش رہی۔ بارش کی نمی اور شیشے پر پھسلتے قطرے اُس کے چہرے کے گرد جیسے خوابناک سا منظر بنا رہے تھے۔

محمد جانتا تھا۔۔۔یہ سفر صرف نمائش کے لیے نہیں تھا۔

یہ شاید اُن ان کہی باتوں کے لیے تھا جو دونوں کبھی زبان پر نہیں لاتے تھے۔

''اوکے۔۔۔نیکسٹ ٹائم ضرور۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

محمد کے لبوں پر بھی مدھم سی زخمی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر خاموش ہو گیا۔

''تم نے مجھے جب بھی پکارا ہے، میں ہمیشہ آیا ہوں۔چاہے مجھے اپنے کتنے ہی کام کیوں نہ روکنے پڑے ہوں۔''

وہ اب مسلسل وائیپر کی حرکت کو دیکھ رہا تھا، جیسے نظریں وہاں ہوں مگر سوچیں کہیں اور بھٹک رہی ہوں۔

''اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔'' اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں دل سے تمہاری پرواہ کرتا ہوں۔۔۔اور کرتا رہوں گا۔''

ہانی اُس کی نگاہ کے تعاقب میں ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگی، مگر پھر خاموشی سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

محمد کے لہجے میں آج عجیب سی سچائی تھی۔۔۔ایسی سچائی جسے محسوس تو کیا جا سکتا تھا، مگر آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''ہمم۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''یہ بات بالکل درست ہے۔''

اب اُس کی نظریں اپنے ہاتھوں کی بند مٹھیوں پر تھیں، جنہیں وہ بے دھیانی میں آپس میں مروڑ رہی تھی۔

''اور میں یہی چاہوں گی کہ جب جب مجھے زندگی میں مسائل کا سامنا ہو۔۔۔مجھے آپ کا ساتھ میسر ہو۔'' محمد نے اُس کی بات سنی مگر کچھ نہ بولا۔

کار کے اندر پھر چند لمحوں کی خاموشی پھیل گئی۔صرف بارش کی آواز اور وائیپر کی مدھم حرکت سنائی دے رہی تھی۔

پھر ہانی نے بہت دھیمی آواز میں کہا،

''اس نے جب بھی مجھے دل سے پکارا، محسن!'' وہ شعر ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

محمد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

''میں نے تب تب یہ بتایا کہ تمہارا محسن!'' اُس نے شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیا۔

ہانی نے فوراً اُس کی طرف دیکھا، جبکہ محمد اب بھی سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ محمد نے بھی ایک لمحہ اُس کی طرف دیکھا، پھر دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

بارش کے ماحول میں اُن کی ہنسی عجیب سی گرمائش پیدا کر گئی تھی۔

''تمہیں تو ویسے بھی بھیڑ کی عادت نہیں ہے۔'' محمد نے سٹیئرنگ موڑتے ہوئے کہا۔

''اور وہاں کافی رش ہو گا۔۔۔ تم ابھی بھی نمائش میں شرکت کرنا چاہو گی؟'' ہانی نے ہلکا سا سانس لیا۔

''اب آ ہی گئے ہیں تو شرکت بھی کر لیتے ہیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اِسی بہانے شاید کچھ بڑے خطاطوں سے ملنے کا موقع مل جائے۔۔۔ اور شاید کچھ سیکھنے کو بھی۔'' ساتھ ہی اُس کی انگلیاں پھر بے اختیار ایک دوسرے میں الجھنے لگیں۔

وہ جانتی تھی وہاں بے شمار اجنبی چہرے ہوں گے۔۔۔ نظریں، سوال، شور۔

اور یہ سب ہمیشہ اُسے بے چین کر دیتا تھا۔ مگر محمد کے ساتھ ہونے کا احساس اُس کے اندر

عجیب سی ہمت پیدا کر رہا تھا۔

وہ کھڑکی کے پار بارش میں بھیگی سڑک کو دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔۔۔ جیسے کسی خاموش وعدے پر مہر لگا دی ہو۔

ایک ایسا وعدہ۔۔۔ جس کے لیے اگلی بار کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہو گی،

صرف ایک سادہ سا جملہ کافی ہو گا۔

★。° ✦ °。★

ہم یہاں سے پچھلی رات میں واپس چلتے ہیں۔

ڈنر خاموشی اور ہلکی ہلکی باتوں میں ختم ہوا، مگر محمد کے ذہن میں کل کا شیڈول تیزی سے بدل رہا تھا۔

بظاہر وہ میز پر موجود باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا، مگر اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ کبھی وہ سامنے رکھی پلیٹ کو دیکھتا، کبھی کسی کے سوال کا مختصر سا جواب دیتا، مگر اس کی توجہ مسلسل کسی ان دیکھے خیال کے گرد گھوم رہی تھی۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ ایک طرف ہٹ کر فون نکالتے ہوئے قدرے سنجیدہ ہو گیا۔ چند سیکنڈ بعد اس کی آواز سنائی دی۔

''فرقان، کل کی تمام میٹنگز ری شیڈیول کر دو۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک کونے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

''ہاں، جو ضروری ہیں انہیں بھی آگے شفٹ کر دو۔۔۔ میں موجود نہیں ہوں گا۔''

اس کی آواز پر سکون تھی، مگر فرقان اگر سامنے موجود ہوتا تو شاید فوراً سمجھ جاتا کہ محمد کسی عام وجہ سے اپنا پورا شیڈول خالی نہیں کر رہا۔

وہ کچھ لمحے خاموش رہا، جیسے سامنے سے آنے والی بات سن رہا ہو، پھر مختصراً جواب دے کر کال

ختم کر دی۔

فرقان کو پدایات دینے کے بعد فون بند کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، جیسے خود کو قائل کر رہا ہو۔

اسی لمحے اس کا فون تھرتھرایا، ایک ٹیکسٹ میسج ریسیو ہوا تھا۔اس ٹیکسٹ کے اوپر "Boxer" نام لکھا ہوا جگمگا رہا تھا۔

محمد کی بھنویں ہلکی سی سکڑ گئیں۔

"Can we meet?"

اس نے چند لمحے اس پیغام کو دیکھا۔

ابراہیم عام طور پر ایسے پیغامات نہیں بھیجتا تھا۔

اگر اسے ملنا ہوتا تو وہ سیدھا فون کرتا۔

اگر بات معمولی ہوتی تو وہ اگلے دن تک انتظار کر لیتا۔

مگر آج...

آج اس نے صرف تین الفاظ لکھے تھے۔

اور انہی تین الفاظ میں ایک عجیب سی بے چینی چھپی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

" Yeah sure." اس نے جوابی میسیج لکھا اور سینڈ کے بٹن کو دبا دیا۔

"I am waiting." پانچ سیکنڈ بعد ہی اگلا میسج بھی موصول ہو گیا تھا۔اس میسج کے ساتھ لوکیشن بھی بھیجی گئی تھی۔

محمد نے سکرین کو چند لمحے مزید دیکھا۔

پھر فون لاک کر کے جیب میں رکھ لیا۔

اس کے دل میں ایک انجانی سی کھٹک پیدا ہوئی تھی، مگر وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ کیوں۔

کچھ دیر بعد محمد اپنی گاڑی پارک کر کے اس سے باہر نکل رہا تھا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس عمارت کے عین سامنے آن کھڑا ہوا جس میں وہ محمد کا انتظار کر رہا تھا۔

رات کافی آگے بڑھ چکی تھی۔

سڑک پر گاڑیوں کی تعداد کم ہو چکی تھی۔

دور دور تک پھیلی روشنیاں تاریک آسمان کے نیچے عجیب سا منظر پیش کر رہی تھیں۔

محمد نے جیب میں ہاتھ ڈالے سر اٹھا کر عمارت کی طرف دیکھا۔

یہ کوئی ریسٹورنٹ اور کیفے تھا، عمارت کے بالکل درمیان میں بڑا سا کر کے "Bin Foods and Tea" لکھا ہوا تھا۔اُس نے ایک لمحہ اسے دیکھا اور پھر اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

شیشے کا دروازہ کھلتے ہی گرم ہوا کا جھونکا اس سے ٹکرایا۔

چائے اور کافی کی خوشبو پورے ماحول میں رچی ہوئی تھی۔

اندر نرم زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

کچھ لوگ خاموشی سے بیٹھے اپنے مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے، چند نوجوان کسی بات پر ہنس رہے تھے، جبکہ ایک کونے میں ایک بزرگ اخبار پڑھتے ہوئے چائے پی رہے تھے۔

کیفے کے اسپیکرز سے نہایت مدھم موسیقی چل رہی تھی جو ماحول میں ایک عجیب سا سکون پیدا کر رہی تھی۔

مگر محمد کے اندر سکون نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

اندر داخل ہوتے ہی وہ اسے صوفے پر بیٹھا نظر آ گیا تھا، سفید شرٹ اور جینز پہنے ہوئے، کلین شیو کی ہوئی، دائیں گال پر سرخی کا نشان تھا، بال کچھ حد تک ترتیب میں تھے، ہاتھ میں اسمارٹ فون تھامے وہ اس میں گم تھا۔ مگر اس کے پاؤں مسلسل حرکت میں تھے۔

وہ اپنے پاؤں کو مسلسل حرکت دے رہا تھا، شاید کسی بے چینی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

محمد چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

وہ ابراہیم کو برسوں سے جانتا تھا۔

رِنگ میں اترنے والا ابراہیم کبھی گھبراتا نہیں تھا۔

مشکل ترین حالات میں بھی اس کے اعصاب مضبوط رہتے تھے۔

مگر آج...

آج وہ واضح طور پر پریشان لگ رہا تھا۔

محمد قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا، ٹیبل کی ایک طرف گاڑی کی چابیاں اور موبائل فون رکھا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''السلامُ علیکم ابراہیم!'' اس نے بیٹھتے ہی ابراہیم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

ابراہیم جیسے کسی گہری سوچ سے باہر آیا۔

''وعلیکم السلام!'' ابراہیم نے محمد کی آواز سنتے ہی فوراً اپنا فون بند کیا اور ایک طرف رکھ دیا۔

''کیسے ہو؟'' محمد نے اس کے دائیں گال کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ابراہیم نے بے اختیار ہاتھ اپنے گال کی طرف لے جا کر ہلکا سا چھوا۔

''ٹھیک نہیں ہوں۔'' وہ ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا تھا۔

محمد نے اسے غور سے دیکھا۔

وہ جانتا تھا کہ ابراہیم کے لیے جسمانی چوٹ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

اس کے چہرے پر موجود یہ نشان اس کی پریشانی کی اصل وجہ نہیں ہو سکتا تھا۔

''جہاں تک میں ابراہیم کو جانتا ہوں تو وہ اتنا کمزور انسان تو ہرگز نہیں ہے کہ اتنی سی چوٹ سے ٹھیک نہ ہو۔'' اس نے ابراہیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ابراہیم کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

''یہ تو میرا روزکا ہے۔'' اس نے اپنے گال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''پھر اس کے علاوہ کیا بات ہے؟''

ابراہیم نے چند لمحے خاموش رہ کر اسے دیکھا۔

''محمد تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہیں اس معمولی سی چوٹ کا بتانے کے لیے یہاں بلاؤں گا؟''

''ہر گز نہیں۔'' محمد نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

خاموشی دوبارہ ان کے درمیان آ بیٹھی۔ایک ایسی خاموشی جو ہر گز آرام دہ نہیں تھی۔

ابراہیم نے نظریں چرائیں۔

''کچھ کھانے کے لیے آرڈر کر لیں؟'' ابراہیم نے اچانک موضوع بدلا تھا۔

محمد نے فوراً محسوس کیا کہ وہ اصل بات سے بھاگ رہا ہے۔

''ابراہیم! تمہارے میسج سے پانچ منٹ پہلے ہی میں نے ڈنر کیا تھا۔''

''چائے یا کافی؟''

''چائے۔۔۔کیونکہ چائے کو میں منع نہیں کر سکتا،جو شخص چائے کو نہ کرتا ہے وہ چائے کی توہین کرتا ہے۔'' محمد نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اس بار ابراہیم واقعی مسکرا پڑا۔

اور شاید پچھلے آدھے گھنٹے میں پہلی بار اس کے چہرے پر حقیقی مسکراہٹ آئی تھی۔

''بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے،اگر تم ابھی چائے کو بھی نہ کہہ دیتے تو میں نے تمہارا سر پھاڑ دینا تھا۔'' ابراہیم ہنستے ہوئے بولا تھا۔

چند لمحوں کے لیے ماحول ہلکا ہو گیا۔

مگر صرف چند لمحوں کے لیے۔

کیونکہ دونوں جانتے تھے کہ اصل بات ابھی تک ان کے درمیان موجود تھی۔

اور وہ کسی سائے کی طرح خاموشی سے ان کا انتظار کر رہی تھی۔

ابراہیم نے اشارے سے ویٹر کو اپنے پاس بلایا اور آرڈر لکھوا کر پھر سے محمد کی طرف رُخ کر لیا تھا مگر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

ویٹر آرڈر لکھ کر وہاں سے چلا گیا،مگر ابراہیم کی حالت جوں کی توں تھی۔

اس کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔

پاؤں بدستور حرکت کر رہے تھے۔

وہ بار بار کچھ کہنے کی کوشش کرتا اور پھر خاموش ہو جاتا۔

محمد اب پوری طرح متوجہ ہو چکا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ کوئی عام بات ابراہیم کو اس حال تک نہیں لا سکتی۔

''ابراہیم!'' محمد نے ہولے سے اُسے پکارا۔

''ہوں؟'' اُس نے اپنی نظریں اُٹھا کر محمد کی طرف دیکھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ جب سے آیا ہوں تب سے دیکھ رہا ہوں تم اپنے پاؤں کو مسلسل حرکت دے رہے ہو۔'' محمد مزید متجسس ہو گیا تھا۔

ابراہیم نے ایک گہرا سانس لیا۔

پھر دوسرا۔

جیسے اپنے اندر بکھرے ہوئے حوصلے کو جمع کر رہا ہو۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کہاں سے شروع کروں۔''

محمد نے اپنی نشست پر ذرا آگے ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''جو بھی ہے کھل کر کہو۔'' محمد ذرا آگے کو ہو بیٹھا تھا۔

ابراہیم کچھ لمحے خاموش رہا۔ اس کی نظریں میز پر رکھی چینی دانی پر جم گئی تھیں۔

جیسے وہ محمد سے نظریں ملانے کی ہمت جمع کر رہا ہو۔

پھر آخر کار اس نے سر اٹھایا۔

''محمد! تمہیں وہ رات یاد ہے جب ولی کو شُوٹ کیا گیا تھا؟''

یہ سوال سنتے ہی محمد کے چہرے کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی۔

جیسے کسی نے ماضی کا ایک زخم دوبارہ چھیڑ دیا ہو۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے میں کئی منظر گھوم گئے۔

وہ رات...

وہ خوف...

وہ بے بسی...

وہ انتظار...

اور پھر وہ دن جب اس کی دنیا ہمیشہ کے لیے بدل گئی تھی۔

''میں اس رات کو کیسے بھول سکتا ہوں؟'' محمد کے چہرے کی مسکراہٹ اچانک سے غائب ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی گُھل گئی تھی۔

ابراہیم نے نظریں جھکا لیں۔

''ہاں صحیح کہا اس رات کو تو کوئی بھی نہیں بھول سکتا۔'' ابراہیم کے چہرے پر بھی اداسی واضح نظر آنے لگی تھی۔

چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔ کیفے میں لوگ اب بھی موجود تھے۔ کسی میز پر ہنسی کی آواز اٹھی۔ کہیں کپ میز پر رکھا گیا۔ کہیں ویٹر نے آرڈر نوٹ کیا۔

مگر ان دونوں کے لیے وقت جیسے رک سا گیا تھا۔

وہ ایک ایسی یاد کے سامنے بیٹھے تھے جس نے دونوں کی زندگیاں بدل دی تھیں۔

''مگر آج اتنے عرصے بعد تم وہ سیاہ رات مجھے کیوں یاد کروا رہے ہو؟'' محمد نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے پوچھا۔

اسی وقت ویٹر چائے رکھ گیا۔ دونوں کپوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ مگر کسی نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا۔

''اس حادثے کے کچھ دنوں بعد جب ولی کو ڈھونڈ نکالنے میں، میں نے تمہاری مدد کی تھی۔'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

محمد کی نظریں اس پر جم گئیں۔

وہ اب پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ ابراہیم کسی اہم بات کی طرف جا رہا ہے۔

مگر ابھی تک وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اصل بات کیا ہے۔

''ابراہیم! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' محمد کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ابراہیم کہنا کیا چاہ رہا ہے اور وہ کہہ کیا رہا ہے۔

ابراہیم نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''محمد! مجھے معاف کر دینا مگر۔'' وہ پھر سے خاموش ہو گیا تھا۔

محمد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس کے دل میں ایک انجانا سا خدشہ پیدا ہونے لگا تھا۔

''کیا اس سب کے پیچھے تم تھے؟'' محمد بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔'' ابراہیم چونک پڑا تھا۔

اور یہ سن کر محمد کا سانس بحال ہو گیا تھا۔ محمد نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

شاید اس نے چند سیکنڈ کے لیے خود کو بدترین امکان کے لیے تیار کر لیا تھا۔

''تو پھر معافی کس بات کی مانگ رہے ہو؟''

ابراہیم نے پہلی بار سیدھا محمد کی آنکھوں میں دیکھا۔

''جب میں نے تمہاری مدد کی تھی تب تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ۔''

محمد کے چہرے پر سوچ کے آثار ابھرے۔

''کہ؟''

''میں تم سے جو مانگوں گا تم مجھے وہ دو گے۔'' ابراہیم، محمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

محمد چند لمحے خاموش رہا۔ پھر آہستہ سے مسکرایا۔ اسے وہ دن یاد آ گیا۔ وہ وقت جب اس کے دل میں صرف شکر گزاری تھی۔

جب ابراہیم نے ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

''اور اگر جان بھی مانگو گے تو وہ بھی دوں گا۔'' محمد نے اپنا کہا جملہ مکمل کیا جو اس نے آج سے

چند سال قبل کہا تھا۔

ابراہیم کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی۔ بلکہ وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

اور یہی چیز محمد کو بے چین کرنے لگی۔

''مجھے آج تم سے کچھ مانگنا ہے۔'' ابراہیم کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی تھی۔

محمد کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا تھا، ایسا کیا تھا جو آج ابراہیم کو محمد کے در پر لے آیا تھا؟ ایسی کونسی شے تھی جس نے ابراہیم جیسے مرد کو محمد کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا تھا۔

محمد جانتا تھا کہ ابراہیم کے پاس کسی بھی شے کی کمی نہیں ہے، مال و دولت اللہ نے اسے بہت دی تھی، عزت اور شہرت کا وہ کبھی محتاج نہ ہوا تھا، وہ ایک مشہور باکسر تھا، اُس کے چاہنے والے ہزاروں تھے، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ لاکھوں تھے تو ہر گز غلط نہ ہو گا۔ وہ پھر بھی اگر آج محمد سے سالوں پرانے کیے گئے وعدے کو یاد دلوا کر اس سے کچھ مانگ رہا تھا تو وہ کوئی معمولی شے نہیں ہو گی۔

کیفے کی فضا اچانک اسے بوجھل محسوس ہونے لگی۔

اسے ایسا لگا جیسے ہوا میں آکسیجن کم ہو گئی ہو۔

جیسے کچھ بہت بڑا ہونے والا ہو۔

''مانگو ابراہیم کیا مانگتے ہو، تم محمد کو ہمیشہ اپنے وعدوں کی پاسداری کرتا ہوا پاؤ گے۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد محمد نے ہلکی آواز سے کہا تھا۔

ابراہیم نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے کانپ رہے تھے۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار کسی سے بھیک مانگنے جا رہا تھا۔

اور وہ بھیک محبت کی تھی۔

''محمد!'' ابراہیم نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

''ہوں؟'' محمد نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم مجھے وہ دے پاؤ گے جو میں تم سے مانگنے والا ہوں؟''

محمد ہلکا سا مسکرایا۔

اسے ابھی تک اندازہ نہیں تھا کہ اگلے چند لمحے اس کی زندگی کا رخ بدلنے والا ہے۔

''میں نے کہا نہ، میں وعدوں کا بڑا پکا انسان ہوں، تم آج مجھ سے جو مانگو گے میں وہ تمہیں دے دوں گا۔''

ابراہیم نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں کے لیے۔

جیسے اپنے دل کی ساری ہمت اکٹھی کر رہا ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

''تمہیں یہ بات معلوم ہے نہ کہ آنٹی اور انکل ریان کیا چاہتے ہیں؟''

محمد کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھری۔

''کس حوالے سے؟''

ابراہیم کے ہونٹ ہلے۔ مگر آواز نکلنے میں چند لمحے لگ گئے۔

''کہ تمہارا ہانی سے نکاح ہو جائے۔''

اور یہ وہ پوائنٹ تھا جہاں سب گُتھیاں سلجھ گئی تھیں۔ یہ وہ سرا تھا جہاں آ کر سب باتیں واضح ہو گئی تھیں۔ محمد کو اب ابراہیم انصر کی سب باتیں سمجھ آنے لگی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا ہو۔

اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ابراہیم کیوں پریشان تھا۔ کیوں وہ نظریں چرا رہا تھا۔

کیوں اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کیوں وہ بار بار خاموش ہو جا رہا تھا۔

اُسے اب سمجھ آرہا تھا کہ ایسا کیا ہے جو ابراہیم کے پاس نہیں ہے، ایسی کونسی شے
ہے جس سے ابھی تک ابراہیم محروم ہے۔اُسے اب معلوم ہوا تھا کہ کیوں ابراہیم کو اتنا پُرانا وعدہ یاد دلوانا پڑا تھا۔
اور پہلی بار اس ملاقات کے بعد محمد کے دل نے آہستہ سے سرگوشی کی۔
''کیا تم اپنا کیا گیا وعدہ نبھا پاؤ گے؟''
''ہاں میں یہ بات جانتا ہوں۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا تھا۔
اسے ایسے لگا تھا کہ اس کی آواز کسی گہری کھائی میں سے آرہی ہے۔
اس ایک جملے کے بعد دونوں کے درمیان خاموشی آبیٹھی۔وہ خاموشی جو الفاظ سے زیادہ بولتی ہے۔
ابراہیم نے محمد کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں۔
محمد نے نگاہیں میز پر ٹکادی تھیں۔اس کے سامنے رکھا چائے کا کپ اب بھی ویسے ہی پڑا تھا۔بھاپ تقریباً ختم ہو چکی تھی۔چائے ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔
مگر اسے اس کا احساس تک نہیں تھا۔
اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ ابراہیم اس سے کیا مانگنے والا تھا۔
وہ وعدوں کی پاسداری کرنے والا انسان تھا،اُسے اپنا کیا گیا وعدہ کسی بھی حال میں پورا کرنا تھا مگر وہ ہانی کو کھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔
اس نے بے اختیار اپنی مٹھی بھینچ لی۔دل جیسے آہستہ آہستہ کسی شکنجے میں جکڑا جارہا تھا۔اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔
شاید ابھی بھی کوئی امید ہو۔شاید ابراہیم کچھ اور کہہ دے۔شاید وہ غلط سمجھا ہو۔
مگر دل جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہونے والا۔
''کیا تم اس رشتے سے انکار کر سکتے ہو؟'' ابراہیم نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا تھا۔
''کیا تم ہانی کو میرے لیے چھوڑ سکتے ہو؟'' اس کی نظریں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔
محمد کو یوں محسوس ہوا جیسے وقت رک گیا ہو۔
کیفے میں موجود ہر آواز دھندلی پڑ گئی۔لوگوں کی گفتگو،کپوں کی کھنک،دروازے کے کھلنے بند ہونے کی آوازیں...سب کچھ کہیں بہت دور چلا گیا تھا۔
اس کا پورا وجود صرف ایک سوال سن رہا تھا۔
اسے محسوس ہوا جیسے اس سوال کے ساتھ ہی اس کے سامنے دو راستے رکھ دیے گئے ہوں۔ایک طرف وعدہ تھا اور دوسری طرف اس کا دل۔
دونوں میں سے جو بھی چنتا،نقصان اسی کا ہونا تھا۔
اس کا انداز التجا والا تھا،وہ اس سے محبت کی بھیک مانگ رہا تھا،محبت بھی کتنی عجیب شے ہے کہ اچھے سے اچھے انسان کو گھٹنوں پر لے آتی ہے۔وہ محمد سے کیا مانگ رہا تھا؟وہ انسان جس کی دوری تو محمد خود بھی برداشت نہیں کر سکتا۔
محمد نے ابراہیم کی آنکھوں میں دیکھا۔وہاں غرور نہیں تھا۔وہاں ضد نہیں تھی۔
وہاں صرف ایک محبت کرنے والے کی بے بسی تھی۔
ایک ایسا انسان جو اپنی پوری زندگی میں شاید کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکا تھا۔

مگر آج محبت نے اسے جھکا دیا تھا۔

''محمد! کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر کے ہانی کو میرے لیے چھوڑ سکتے ہو؟'' ابراہیم نے اس سے پھر پوچھا تھا۔

محمد ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے؟ وہ ہاں کرے یا نہ، دونوں طرف سے اسے نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ فوراً انکار کر دے۔ کہہ دے کہ نہیں...

کہہ دے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا...

کہہ دے کہ ہانی صرف ایک رشتہ نہیں۔

وہ اس کے دل کا سکون ہے۔

اس کے کئی برسوں کے خواب ہیں۔

اس کی خاموش دعائیں ہیں۔

مگر پھر...

اسے ایک اور چہرہ یاد آیا۔ اس کے بھائی کا چہرہ۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ۔ اس کی آواز۔ اس کا وعدہ۔ اس کی یادیں۔

وہ وعدہ جو اس نے آج سے برسوں پہلے ابراہیم سے کیا تھا۔

وہ وعدہ جو اس نے پورے ہوش و حواس میں کیا تھا۔

وہ وعدہ جس کی قیمت ادا کرنے کا وقت شاید آج آ گیا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارا بھائی، ولی اس سے بہت محبت کرتا تھا، مگر وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

یہ جملہ سن کر محمد کی پلکیں لرز گئیں۔ جیسے کسی نے ایک اور زخم چھیڑ دیا ہو۔

''ہاں وہ تو اس دنیا میں نہیں رہا۔'' محمد دھیرے سے بزیرِ لب بڑبڑایا۔

اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ شاید وہ خود بھی پوری طرح نہ سن سکا ہو۔

''جتنی محبت وہ کرتا تھا اتنی ہی محبت مجھے بھی ہانی سے ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ابراہیم کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''ہاں میں یہ بات جانتا تھا۔'' محمد پھر سے دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

''تم جانتے تھے؟'' ابراہیم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں میں جانتا تھا۔'' وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں بول رہا تھا۔

ابراہیم حیران رہ گیا۔

''تو پھر تم خود پیچھے کیوں نہیں ہٹے؟'' ابراہیم حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

محمد کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی اور فوراً غائب بھی ہو گئی۔

کاش بعض سوالوں کے جواب اتنے آسان ہوتے جتنے وہ ہمیں لگتے ہیں۔

کاش انسان اپنے دل کو بھی اسی آسانی سے سمجھا سکتا جس آسانی سے دوسروں کو سمجھاتا ہے۔ مگر کچھ فیصلوں کے پیچھے ایسی وجوہات ہوتی ہیں جنہیں وقت سے پہلے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

''یہ راز بھی تم پر بہت جلد کھل جائے گا کہ محمد نے ہانی سے اپنے قدم پیچھے کیوں نہیں لیے۔''

''کونسا راز؟'' ابراہیم نے نا سمجھی سے اُسے دیکھا۔

''ہے ایک بہت بڑا راز جو صحیح وقت آنے پر تم سب پر کھل جائے گا اور تمہیں تمہارے اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ میں نے یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ تم اس سے بے انتہا محبت کرتے ہو ہانی سے دوری اختیار کیوں نہیں کی۔''

ابراہیم کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

''کیا تم ابھی نہیں بتا سکتے؟''

محمد نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں ابراہیم! ہر بھید کا ایک وقت ہوتا ہے اور ہر بھید اپنے وقت پر کھلتا ہے اور۔''

''اور؟'' ابراہیم نے اس کے اور کا جواب سننا چاہا۔

محمد چند لمحے خاموش رہا۔ اس نے نظریں کھڑکی کے باہر ڈال دیں۔ باہر رات ویسی ہی تھی۔ گاڑیاں ویسے ہی گزر رہی تھیں۔ دنیا ویسے ہی چل رہی تھی۔

مگر اس کی دنیا ابھی ابھی رک گئی تھی۔

''اور یہ کہ محمد خود غرض انسان نہیں ہے، میں اپنی وجہ سے کبھی بھی تم سے تمہاری محبت نہیں چھینوں گا۔ تم ہمیشہ مجھے وعدوں کی پاسداری کرتا ہوا پاؤ گے۔'' محمد کی آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی تھی۔

ابراہیم کا سانس رک سا گیا۔ وہ جواب سن چکا تھا۔ مگر پھر بھی اس کے دل کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ محمد نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

شاید اپنے خوابوں کو آخری بار الوداع کہہ رہا تھا۔

پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔

اور وہ الفاظ کہہ دیے جو شاید اس کی زندگی کے سب سے مشکل الفاظ تھے۔

''میں اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لیے اس رشتے سے انکار کر دوں گا، میں اسے تمہارے حوالے کرتا ہوں۔'' اس نے بے دردی سے اپنی آنکھیں مسل ڈالی تھیں۔

یہ جملہ ادا ہوتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سینے سے کوئی چیز کھینچ کر نکال لی گئی ہو۔ بظاہر اس نے صرف ایک فیصلہ کیا تھا۔

مگر حقیقت میں اس نے اپنے کئی خواب دفن کر دیے تھے۔

اپنی کئی امیدیں ختم کر دی تھیں۔

اپنے دل کا ایک حصہ کسی اور کے حوالے کر دیا تھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر تم مجھ سے میری جان بھی مانگو گے تو میں دے دوں گا۔'' محمد

دھیرے سے زیرِ لب بڑبڑایا۔

ابراہیم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔شاید وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ بات یہاں تک پہنچے۔

شاید اگر محبت انسان کے اختیار میں ہوتی تو وہ کبھی محمد کے سامنے یہ سوال نہ رکھتا۔

''مجھے معاف کر دینا محمد!'' ابراہیم اس کے سامنے گڑ گڑایا تھا۔

محمد نے نظریں جھکا لیں۔

کیونکہ اگر وہ مزید ایک لمحہ بھی ابراہیم کو دیکھتا تو شاید اپنے آنسو نہ روک پاتا۔

''تم نے تو سچ میں مجھ سے میری جان ہی مانگ لی یار!''

یہ الفاظ اس نے اپنے من میں کہے تھے،اونچی آواز سے کہنے کے لیے ہمت چاہیے تھی جو کہ اب محمد میں نہیں بچی تھی۔

''تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے،اس لیے معافی بھی مت مانگو۔'' محمد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

اس کے ہاتھ میں اب بھی وہی مضبوطی تھی۔مگر اس کے دل میں نہیں۔وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔

''میں آج اپنا وعدہ پورا کر کے جا رہا ہوں۔'' وہ اس کے کندھے کو ایک طرف سے تھپکتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنا موبائل،گاڑی کی چابیاں سنبھالیں۔

''میں آج اُسے تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔'' وہ آخری الفاظ کہہ کر چل دیا۔

ابراہیم بھی کھڑا ہونا چاہتا تھا۔اسے روکنا چاہتا تھا۔کچھ کہنا چاہتا تھا۔

مگر الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

وہ صرف اسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔

محمد آہستہ آہستہ چلتا ہوا کیفے کے دروازے تک پہنچا۔اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا...

اگر اس نے ایک بار پیچھے دیکھ لیا تو شاید خود کو سنبھال نہ سکے۔شیشے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آیا۔رات کی ٹھنڈی ہوا فوراً اس سے ٹکرائی۔

مگر اس کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی،اسے کوئی ہوا ٹھنڈا نہیں کر سکتی تھی۔

اس کے قدم بھاری تھے،ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی زمین میں دھنس جائے گا،اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلا تھا مگر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

گاڑی تک پہنچ کر وہ فوراً اندر نہیں بیٹھا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔اس کے دونوں ہاتھ گاڑی کی چھت پر تھے۔سر جھکا ہوا تھا۔

آنکھیں بند تھیں۔وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

مگر بعض اوقات سب سے مضبوط انسان بھی تنہائی میں ٹوٹ جاتے ہیں۔

اگر آج محمد سے کوئی پوچھتا کہ اس کی زندگی میں سب سے عزیز کون ہے،تو شاید وہ بلا جھجک اپنے بھائی کا نام لیتا۔کیونکہ آج وہ اپنی محبت کو نہیں ہارا تھا،

وہ اسے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کی خاطر کسی اور کے حوالے کر آیا تھا۔

اس نے اپنے دل کی خواہش کو اپنے بھائی کے ایک وعدے پر قربان کر دیا تھا۔

بعض قربانیاں انسان خوشی سے نہیں دیتا،مگر پھر بھی دیتا ہے۔

اور محمد نے بھی آج وہی کیا تھا۔ وہ شخص جسے وہ اپنے دل کے قریب رکھنا چاہتا تھا، اُسے وہ ابراہیم کی خوشی کے لیے چھوڑ آیا تھا۔ شاید محبت کھو دینے کا درد اتنا شدید نہ ہوتا، جتنا اسے اپنے ہاتھوں سے کسی اور کے نام کر دینے سے ہوا تھا۔

ابراہیم کو نہیں معلوم تھا کہ اس نے سچ میں محمد سے اس کی جان ہی مانگ لی تھی، اُسے نہیں معلوم تھا کہ اس نے محمد سے اس کے دل کا ایک حصہ لے لیا تھا، انجانے میں ہی صحیح مگر اس نے محمد کو بہت بڑا دُکھ دے دیا تھا۔

اور شاید سب سے بڑا المیہ یہ تھا... کہ محمد نے یہ قربانی مسکرا کر دی تھی۔ تاکہ ابراہیم خود کو مجرم محسوس نہ کرے۔

مگر اس رات جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوا، تو اس کے ساتھ صرف وہ نہیں جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے کچھ خواب بھی دفن ہو کر جا رہے تھے۔

★。° ✦ °。★

موجودہ دن۔

کئی گھنٹوں کی طویل ڈرائیو کے بعد، آخر کار وہ دونوں اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔

اس وقت وہ الحمرا آرٹ کونسل کی وسیع و عریض عمارت میں موجود تھے، جہاں وہ اپنے فن پاروں کے لیے مخصوص گوشہ سجا رہے تھے۔ ارد گرد فن کے متوالوں کا ایک ہجوم سا تھا۔

ہر طرف کینوسز، رنگ، برش، اور جذبوں سے بھرے چہرے نظر آ رہے تھے۔ ہر فنکار اپنے کینوس کو اس انداز سے ترتیب دے رہا تھا کہ دیکھنے والا یکدم کھنچ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

وہاں موجود اکثر فنکار ایسے تھے جنہوں نے اپنے فنِ خطاطی سے اپنا الگ مقام بنایا تھا، ان میں کچھ نام تو بن قلندر جیسے تھے، جن کا تذکرہ آج بھی احترام سے کیا جاتا ہے۔

فضا میں ایک خاموش سی گونج تھی الفاظ میں ڈھلا ہوا فن، جو بولے بغیر بھی سب کچھ کہہ رہا تھا۔

ہر گوشے میں الگ ہی دنیا آباد تھی۔ ہر فنکار کا اسلوب منفرد، ہر کینوس ایک الگ داستان۔ نگاہ کسی ایک جگہ ٹھہر ہی نہیں پاتی تھی، کیونکہ ہر تخلیق اپنی جگہ مکمل، جاندار اور متاثر کن تھی۔

یہ بظاہر ایک نمائش تھی، لیکن در حقیقت یہ فن کے پروان چڑھنے کا ایک جشن تھا۔

ہانی بھی اپنے تمام کینوسز اپنے جگہ پر رکھ چکی تھی اور محمد بغور اس کے کیے ہوئے کام کو دیکھ رہا تھا، یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ اس کا کام بھی کسی سے کم نا تھا، خطاطی کی دنیا میں ایک نام ہانی کا بھی تھا جسے منظرِ عام پر آنے اور لوگوں کے سامنے ابھرنے میں راتوں کی محنت لگی تھی۔

ایگزیبیشن باقاعدہ شروع ہو چکی تھی اور پورا ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔

کہیں ہلکی موسیقی چل رہی تھی، کہیں لوگوں کی دھیمی گفتگو کی آوازیں گونج رہی تھیں، جبکہ دیواروں پر لگے مختلف فن پاروں پر پڑتی روشنی پورے ماحول کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھیں۔

کچھ لوگ کسی کینوس کے سامنے کھڑے اُسے نہایت غور سے دیکھ رہے تھے، جیسے اس میں چھپی کہانی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں، جبکہ کچھ اپنے پسندیدہ آرٹسٹ کے ساتھ کھڑے ان کے کام پر ڈسکشن کر رہے تھے۔

ابھی تک کسی نے آکر براہِ راست اس سے بات نہیں کی تھی، مگر لوگ اُس کے کام کو دیکھ کر واضح طور پر حیران ہو رہے تھے۔ کئی لوگ چلتے چلتے رک جاتے، پھر کچھ دیر اُس کے بنائے کینوسز کو دیکھتے رہتے۔

محمد بھی اُس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر اپنے فون میں مصروف تھا اور تیزی سے سکرین پر انگلیاں چلا رہا تھا، مگر حقیقت میں اُس کی آدھی توجہ مسلسل ہانی پر ہی تھی۔

کوئی زیادہ دیر اُس کے سٹال کے پاس رکتا تو محمد بے اختیار ایک نظر اُس پر ڈال لیتا۔ جیسے خاموشی سے ہر چیز کا معائنہ کر رہا ہو۔

''السلام علیکم!''

ایک نرم مگر پراعتماد آواز پر ہانی اور محمد دونوں نے ایک ساتھ سر اٹھایا۔

ان کے سامنے تقریباً چالیس سے پینتالیس سال کی ایک باوقار خاتون کھڑی تھیں۔

ان کی آنکھوں میں واضح دلچسپی تھی جبکہ نظریں مسلسل میز پر رکھے کینوسز پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''وعلیکم السلام۔'' ہانی اور محمد نے تقریباً ایک ساتھ جواب دیا تھا۔

''ان کینوسز کو بنانے والا خطاط کون ہے؟'' انہوں نے ہانی کے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی یہ مم...'' ہانی جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی خاتون دوبارہ بول پڑیں۔

''اس طرح کا کام میں پہلے بھی کئی دفعہ مختلف جگہوں پر دیکھ چکی ہوں۔'' وہ ایک کینوس کے قریب جاتے ہوئے بولیں۔

''بلکہ میں نے تو ان میں سے کئی کینوسز خریدے بھی ہوئے ہیں... مگر میں نے آج تک ان کے بنانے والے کو نہیں دیکھا۔'' محمد نے خاموشی سے ایک نظر ہانی کی طرف دیکھا۔

اس کے لبوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی، جیسے وہ پہلے ہی جانتا ہو کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

''ہمم... یہ میں ن...'' ہانی نے دوبارہ بولنے کی کوشش کی مگر خاتون پھر بولتی چلی گئیں۔

''یہ کام ہانی کا ہے...'' انہوں نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔

''وہ ہانی، جو کبھی منظرِ عام پر تو نہیں آئی مگر اس کا کام ہمیشہ ایگزیبیشن میں پایا جاتا ہے۔'' اب اُن کی آنکھیں ذرا سکڑی تھیں۔

''کیا تم ہی ہانی ہو؟''

ہر کینوس کے کونے پر آرٹسٹ اپنا نام لکھتا تھا۔ ہانی نے بھی ہمیشہ اپنے کینوسز پر سال کے ساتھ اپنا نام لکھا کیا ہوا تھا۔

شاید وہ خاتون اُسی نام اور پچھلے کام کی وجہ سے اُسے پہچان گئی تھیں۔ ہانی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

''جی... میں ہی ہانی ہوں۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔

''اور یہ کینوسز میرے ہی بنائے ہوئے ہیں۔'' اس کی آواز ارد گرد کھڑے چند اور لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، جو خاموشی سے اُس کے کام کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ... ہانی ہیں؟''اُن میں سے ایک نوجوان لڑکی حیرت سے بولی تھی۔اس کے انداز میں خوشی بھی تھی اور حیرانی بھی۔اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ آس پاس موجود کئی لوگ متوجہ ہو گئے۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا ایک ہجوم سا جمع ہونا شروع ہو گیا۔

کسی کی نظریں ہانی پر تھیں...تو کسی کی اُس کے بنائے ہوئے کینوسز پر۔

محمد نے فون lock کر کے آرام سے جیب میں رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔وہ خاموشی سے ہانی کے ذرا قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔نہ بہت آگے... نہ بہت پیچھے۔

بس اتنا کہ اُس کی موجودگی واضح محسوس ہو۔

کچھ لوگ ہانی سے سوال کر رہے تھے جبکہ کچھ محمد کو دیکھ کر شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ نمائش کی مینیجمنٹ کا کوئی اہم فرد ہے یا ہانی کی ٹیم کا حصہ۔

''اتنی سی عمر میں آپ اتنی گہرائی میں کام کیسے کر لیتی ہیں؟''ایک سفید داڑھی والے بزرگ،جو غالباً خود بھی خطاط تھے،ہانی سے مخاطب ہوئے۔

ہانی بے اختیار اندر ہی اندر مسکرائی تھی۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ کوئی ٹین ایجر تو نہیں جس انداز میں وہ بات کر رہے تھے،مگر اُس نے وہ خیال وہیں دبا دیا۔

''اللہ کی دَین ہے۔''وہ پُر سکون انداز میں بولی۔

''اُسی نے مجھے اس فن سے نوازا ہے۔خطاطی ایک ہنر ہے... اور میں نے بس اس پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔''

وہ چند لمحے رکی،پھر آہستہ سے بولی،

''اور آج اللہ نے مجھے اس ہنر میں اتنی مہارت دے دی ہے کہ اب جو بھی خطاطی بناتی ہوں... وہ روح کی گہرائی تک اتر جاتی ہے۔''اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی تھی۔شاید یہ شکر تھا... جو بنا لفظوں کے ظاہر ہو رہا تھا۔

محمد نے ایک لمحے کو اُس کی طرف دیکھا تھا۔بہت خاموشی سے۔

اس کی نظریں عجیب سی نرم ہو گئی تھیں،جیسے وہ ہانی کو نہیں... اُس کے اندر چھپی اُس دنیا کو دیکھ رہا ہو جہاں تک شاید بہت کم لوگ پہنچ پاتے تھے۔

''آج سے پہلے آپ کبھی منظرِ عام پر نہیں آئیں... اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟''ایک لیبرل حلیے والی لڑکی نے سوال کیا۔

''عام طور پر جن لوگوں کو شہرت ملتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ لوگ صرف اُنہی کی طرف متوجہ رہیں... اور وہ ہمیشہ سامنے رہنا پسند کرتے ہیں۔''ہانی نے نہایت سکون سے اُس کی بات سنی۔

''مجھے کبھی اس چیز کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی...''وہ آہستہ سے بولی۔

''کہ میں لوگوں کے سامنے جاؤں اور انہیں بتاؤں کہ ہانی کون ہے... وہ کیسی دکھتی ہے... یا کتنی خوبصورت ہے۔''وہ بالکل پُر سکون کھڑی تھی جبکہ ارد گرد مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

''اور نہ ہی مجھے کبھی یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنوں۔''

محمد دوبارہ فون لیے کھڑا تھا،مگر اس بار وہ حقیقت میں کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔اس کے لبوں پر بے اختیار بہت ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔جیسے اُسے ہانی کے یہی انداز... سب سے زیادہ پسند تھے۔

''ہمیشہ سے میرا کام میری پہچان رہا ہے،نا کہ میرا چہرا،آج اگر ہم حضرت ابو بکرؓ،

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے صحابہ کو جانتے ہیں تو اس کے پیچھے وہ کام اور خدمات ہیں جو انہوں نے اسلام کے لیے سر انجام دی ہیں، حالانکہ۔۔۔''اس نے کچھ سیکنڈ کا توقف کیا تھا۔

''حالانکہ ہم میں سے کسی نے انہیں دیکھا نہیں ہے، لیکن ہم سب ان کو جانتے ہیں اور ان سے ایک بار ملنے کی آرزو رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے دینِ اسلام کے لیے ایسے کام کیے ہیں جو رہتی دنیا تک ان کا نام بنائے رکھے گیں۔''سب لوگ خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''مگر آج کے دور کی ہر ماڈرن لڑکی کہتی ہے کے وہ مرد کے برابر ہے اور اسے بھی باہر نکل کر کام کرنے دیا جائے اور اسے اس ہی طرح آزادی چاہیے جیسے مردوں کو حاصل ہے۔'' وہ ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اسلامی تاریخ میں کئی ایسی شخصیات اور واقعات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنا نام اور مقام بغیر عوامی زندگی کے بھی بنا سکتا ہے۔ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اسلام میں خواتین کی عزت اور ان کی پردہ داری کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے،اور خواتین کو اپنی عزت اور وقار کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔''

محمد اب خاموشی سے کھڑا حنین کو دیکھ رہا تھا جو بڑے ہی اطمیان سے ان کے سوال کا جواب انہیں سمجھا رہی تھی۔

''ایک بہت اہم مثال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔وہ ایک عظیم تاجر اور متدین خاتون تھیں، جنہوں نے اپنی زندگی میں زیادہ تر وقت اپنے گھر پر گزارا تھا اور باہر کم نکلتی تھیں۔حضرت خدیجہ نے اپنی دولت اور صلاحیت کو رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے استعمال کیا اور ان کی حمایت کی۔ آپ کا کردار اور آپ کا مقام اسلام میں بہت بلند ہے، باوجود اس کے کہ آپ نے اپنی زندگی کے دن گھر میں گزارے۔''

وہ سانس لینے کو کچھ سیکنڈز کے لیے رکی۔

''اسلام میں پردہ اور اپنی عزت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔اس کے باوجود، آپ اپنی صلاحیتوں اور علم کے ذریعے دنیا میں اثر ورسوخ پیدا کر سکتی ہیں، مگر یہ اثر ورسوخ عزت اور وقار کے ساتھ ہو۔اگر آپ یہ سوال پوچھ رہی ہیں کہ کیا خواتین اپنی عزت اور پردہ داری کو محفوظ رکھتے ہوئے بھی اپنا نام بنا سکتی ہیں، تو جواب یہ ہے کہ ہاں، وہ بنا سکتی ہیں۔اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں ہیں جہاں خواتین نے باہر نکل کر نہیں بلکہ گھر کے اندر رہ کر معاشرے میں اپنی جگہ بنائی۔اس کے علاوہ، آپ کی عزت اور مقام اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ اپنی اقدار اور اصولوں کو کس طرح برقرار رکھتی ہیں، اگر آپ اپنے اصولوں سے نہ ہٹیں، تو آپ دنیا میں اپنی جگہ بنا سکتی ہیں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنی عزت اور پردہ داری کو کسی قیمت پر قربان نہ کریں۔''

''اس کا مطلب کے اسلام خواتین کو بھی اپنے مقام کا تعین کرنے کا اختیار دیتا ہے؟''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں خواتین کو اپنی ذاتی حیثیت اور مقام کا تعین کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا ہے،اور وہ جس راستے پر بھی چلیں،انہیں اپنے اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے، عورت کو جتنی آزادی ملنی چاہیے وہ اسے اسلام دے چکا ہے، مگر پھر کوئی عورت کہتی ہے کے اسے اور آزادی چاہیے تو وہ آزادی نہیں چاہتی، بلکہ اپنی ان حدود سے باہر نکلنا چاہتی ہے جس کا اسلام نے تعین کیا ہے ۔''

''میرا بھی ایک سوال ہے۔'' ایک لڑکی اس ہجوم میں سے بولی تھی جس نے سر پر باریک سا جالی دار دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

''جی پوچھیں۔''ہانی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا پردہ کرنے کا دل نہیں کرتا، میں جب کسی کو ایسے پردے میں دیکھتی ہوں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے، اس لیے میں نے خود کبھی بھی پردہ نہیں کیا، مگر میری نیت صاف ہے اس لیے میں پردہ نہیں کرتی، تو کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟'' وہ لڑکی ہانی کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

''دنیا کی کسی عمارت کو کپڑے سے نہیں کور جاتا سوائے خانہ کعبہ کے، دنیا کی کسی کتاب کو کپڑے سے کور نہیں کیا جاتا سوائے قرآنِ پاک کے، دنیا میں ہمیشہ پردے میں۔۔۔لوگوں کی دنیا سے چھپا کر اس چیز کو رکھا جاتا ہے جو انمول ہو، جو خاص ہو، جو بہت قیمتی ہو۔۔۔آپ کو پتا ہے جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تھی تو دنیا کی سب سے باکردار خواتین نے دنیا کے سب سے باکردار مردوں سے پردہ کیا تھا۔ تو شہزادی یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ میری تو نیت صاف ہے، یا پھر میری تو نظریں جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔۔، حکم ہے تو ہے، پردہ کرنا ہے تو کرنا ہے، اسلام کو ہم نے قبول کرنا ہے۔۔۔اسلام نے ہمیں قبول نہیں کرنا۔'' وہ اس کے گال کو تھپکتے ہوئے بولی تھی۔

وہاں کھڑے تمام لوگ کافی متاثر دکھائی دے رہے تھے جبکہ محمد اس دوران بالکل خاموشی سے کھڑا رہا تھا۔

بہت سے لوگ اس کے کینوسز کی طرف واپس متوجہ ہو چکے تھے جو شاید انہیں خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے، کچھ لوگ اس سے اس کا Autograph لے رہے تھے، جبکہ کچھ لوگ اس سے خطاطی کے متعلق سوال جواب کر رہے تھے۔

★。° ✦ °。★

چند سال قبل۔

''فہیم!'' اُس نے پورچ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ذرا اونچی آواز میں اُسے پکارا تھا۔ رات کی ٹھنڈی ہوا میں اُس کی آواز واضح طور پر گونجی تھی۔

''ہوں؟'' فہیم گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی لگا تھا جب ابراہیم کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اُس نے مڑ کر اُسے دیکھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں۔'' ابراہیم نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا جو فہیم کی گاڑی کے بالکل پیچھے کھڑی تھی۔ اُس کے لہجے میں عجیب سی سنجیدگی تھی، جیسے پہلے ہی کچھ سوچ رکھا ہو۔

''امی، بابا اور بچے؟'' فہیم نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ روکتے ہوئے پوچھا۔

''بابا ڈرائیو کر لیں گے نہ۔'' اُس نے ایک نظر ہمایوں صاحب کی طرف دیکھی، جیسے خاموشی سے اجازت مانگ رہا ہو۔

''ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں، تم ابراہیم کے ساتھ آجاؤ۔'' فہیم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہمایوں صاحب آگے بڑھتے ہوئے بول پڑے تھے۔

''آر یو شور بابا؟'' فہیم نے گاڑی کا ریموٹ اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تب سے گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوں۔'' ہمایوں صاحب نے مصنوعی خفگی سے اُسے چھیڑا تھا۔

اُن کی بات پر پورچ میں کھڑے سب لوگ ہنس پڑے تھے۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بابا!'' فہیم کے چہرے پر ہلکی سی شرمندگی پھیل گئی تھی۔

ہمایوں صاحب اُس کے انداز پر مسکرا دیے تھے جبکہ مسز ارحم اور ارحم صاحب دروازے کے پاس کھڑے یہ منظر دیکھتے ہوئے محظوظ ہو رہے تھے۔

چند لمحوں بعد سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ ہمایوں صاحب کے ساتھ اُن کی بیوی اور دونوں بیٹیاں بیٹھ گئی تھیں جبکہ فہیم، ابراہیم کی گاڑی کی اگلی سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔

پورچ سے گاڑیاں نکلیں تو ہیڈ لائٹس کی روشنی کچھ لمحوں کے لیے دیواروں پر پھیلی اور پھر آہستہ آہستہ سڑک میں گم ہو گئی۔ مسز ارحم اور ارحم صاحب بھی دروازہ بند کرتے ہوئے واپس اندر چلے گئے تھے۔

کچھ دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ صرف ہلکی موسیقی اور سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کی مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''اتنی عزت دینے کے پیچھے کوئی خاص وجہ؟'' فہیم ہاتھ میں موبائل تھامے کسی کو ٹیکسٹ کر رہا تھا جب اچانک اُس نے نظریں اسکرین سے ہٹائے بغیر سوال کیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' ابراہیم نے مختصراً اُس کی طرف دیکھا۔

''جب انکل ارحم کے گھر تھے تب تو'' آپ'' کہہ رہے تھے تم، اور اب پھر سے ''تم'' پر آ گئے ہو۔'' اُس نے موبائل لاک کرتے ہوئے یاد کروایا۔

ابراہیم اُس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

''تم خود ہی تو کہتے ہو کہ میں تمہیں ''تم'' کہہ کر مخاطب کیا کروں۔''

''تو پھر وہاں کیوں ''آپ'' کہہ رہے تھے؟''

''اچھا وہاں، اُدھر تو پھر انکل اور پھپھو موجود تھے، اُن سب کے سامنے تھوڑی عزت تو بنتی ہے نہ۔'' اُس نے کندھے اُچکاتے ہوئے ایسے کہا جیسے بہت بڑا احسان کیا ہو۔

فہیم نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔ ''اور اس سے کس کو فائدہ ہونے والا ہے؟''

''ہم دونوں کو ہی۔''

''اور وہ کیسے؟''

''اس بات کو چھوڑ کر ہم کسی اور ٹاپک پر شفٹ نہیں ہو سکتے کیا؟'' ابراہیم نے ہنسی دباتے ہوئے سڑک پر نظریں جما دیں۔

فہیم اُسے صرف گھور کر رہ گیا۔

''کوئی اور ٹاپک؟'' فہیم چند لمحے سوچنے لگا۔

''یزمان پسند آئی؟'' ابراہیم نے خود ہی بات بدل دی۔

''تمیز سے نام لو۔'' فہیم نے فوراً گردن گھما کر اُسے دوبارہ گھورا۔

''ابھی تو منگنی بھی نہیں ہوئی، پہلے ہی طرف داریاں شروع ہو گئی ہیں؟'' ابراہیم کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ابراہیم!'' فہیم نے وارننگ دینے والے انداز میں اُسے دیکھا۔

فہیم کے تاثرات دیکھ کر ابراہیم کی ہنسی اور بڑھ گئی تھی۔ اُس نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھا ہوا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''پہلی بات یہ کہ منگنی تو چھوٹی چیز ہے، شادی بھی ہو جائے گی، اور دوسری بات یہ کہ میں تمہارے ساتھ فرینڈلی ہوں مگر اُسے تمیز سے مخاطب کرنا اور اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دینا۔'' فہیم نے سنجیدہ لہجے میں اُسے تنبیہ کی۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ لوگ مان جائیں گے؟'' ابراہیم نے اب مذاق ایک طرف رکھتے ہوئے

سوال کیا۔

''ظاہر ہے بھئی! تم نے دیکھا نہیں پھپھو اور انکل کتنا خوش تھے؟''

''مگر اُنہوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ اُنہیں وقت چاہیے۔''

''یار وہ بس فارمیلیٹی ہے، اب اگر ایک دم سے ہاں کر دیں گے تو عجیب محسوس ہوتا کہ پہلے ہی بیٹی کو رخصت کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔'' ابراہیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اس لیے تمیز سے، اور یزمان نہیں۔۔۔بھابھی کہنا ہے، ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے، بھابھی ہیں تو عزت بھی دینا بنتی ہے۔'' ابراہیم نے ہونٹ بھینچے ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کی۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ سڑک اب نسبتاً سنسان ہو چکی تھی۔

''ویسے تم اکیلے آ سکتے تھے، پھر مجھے ساتھ کیوں لائے؟'' آخر کار فہیم نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو کافی دیر سے اُس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

''کیونکہ ہم ابھی انکل ریان کے گھر جا رہے ہیں۔'' ابراہیم نے گاڑی دوسرے روڈ پر موڑتے ہوئے کہا۔

''ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں؟'' فہیم نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔

''بھئی تمہارا رشتہ پکا ہوا ہے، خوشخبری دینی بنتی ہے۔'' ابراہیم نے ایسے کہا جیسے یہ دنیا کی سب سے نارمل بات ہو۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ یہ بہت غلط حرکت ہے؟''

''اس میں غلط کیا ہے؟''

''اوّل یہ کہ ہم امی اور بابا کو بتائے بغیر جا رہے ہیں، دوم یہ کہ فارمیلیٹی ہی صحیح مگر منگنی ابھی رہتی ہے اور سوم یہ کہ اُن دو فیملیز میں پچھلے ایک سال سے ناراضی چل رہی ہے۔''

''یہ سب جھوٹے بہانے ہیں فہیم صاحب! اور جو آخری مسئلہ ہے اسے ہمیں حل کروانے کی کوشش کرنی چاہیے ہے۔'' وہ ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

''ابراہیم! وہ اُن دو فیملیز کا نجی معاملہ ہے۔''

''وہ ہم سب کا نجی معاملہ ہے فہیم! آخر کب تک یہ اختلافات چلنے والا ہے؟'' ابراہیم نے ایک لمحے کو اُس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ نظریں سڑک پر جما دیں۔

''ابراہیم! ہمیں بڑوں کے درمیان نہیں آنا چاہیے۔''

''ہم بچے نہیں ہیں فہیم! آخر کو وہ بھی ہماری پھپھو کا گھر ہے، کیا ہم تماشائی بنے بیٹھے رہیں؟ یا اس بات کا انتظار کریں کہ کب وہ لوگ خود سے بڑھ کر صلح کرتے ہیں؟''

وہ چند لمحوں کو رُکا، پھر نسبتاً نرم لہجے میں بولا۔

''کیا پتہ دونوں فیملیز کی انا درمیان میں آ رہی ہو جو اُنہیں صلح نہیں کرنے دے رہی، ہو سکتا ہے کہ ہم ہی مل کر کچھ کر سکیں، اور جہاں تک میرا خیال ہے تمہاری شادی کو ہم اس کے لیے بہت اچھے سے استعمال کر سکتے ہیں۔''

فہیم نے خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ سڑک کی لائٹس ایک ایک کر کے پیچھے رہتی جا رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے ابراہیم! تمہیں جو کرنا ہے کرو، میں ہر جگہ تمہارا ساتھ دوں گا۔'' آخر کار اُس نے ہلکی سی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

ابراہیم کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اُن کی گاڑی ریان صاحب کے گھر کے باہر کھڑی ہارن دے رہی تھی۔ ایک ہی ہارن پر گارڈ نے گیٹ کھول دیا تھا۔

غیر معمولی طور پر ولی آج گھر پر ہی تھا۔ وہ ٹیرس کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے نیچے آتی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

''سب سو تو نہیں گئے ہوں گے؟'' ابراہیم گاڑی سے اُترتے ہوئے بولا۔

''یہ بات ہمیں تب سوچنی چاہیے تھی جب تم نے روڈ بدلا تھا۔'' فہیم بھی دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

''بات تو ٹھیک ہے۔'' یہ جملہ ابراہیم اتنی بار بولتا تھا کہ فہیم بے اختیار ہنس پڑا۔

وہ دونوں جب لاؤنج میں داخل ہوئے تو سیڑھیوں سے اُترتا ولی نظر آیا۔ اُس نے ٹراؤزرز کے ساتھ براؤن ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے مگر چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

ابراہیم اُسے دیکھ کر زور سے پکارنے ہی والا تھا کہ ولی نے فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ممی بابا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

ابراہیم کی آواز گلے میں ہی دم توڑ گئی۔ اُس نے برا سا منہ بنایا جس پر فہیم ہنسی روکنے لگا تھا۔

''کیسے ہو لڑکے۔'' ابراہیم نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگایا۔ ابراہیم عمر میں ولی اور محمد، دونوں سے ہی بڑا تھا۔

''آج کل میرا نام ولی ہے۔'' ولی نے مسکراتے ہوئے اُسے ٹوکا۔

''آپ کیسے ہیں فہیم بھائی؟'' اب وہ فہیم سے گلے مل رہا تھا۔

''بالکل فٹ اینڈ فائن!'' فہیم نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''تم کیسے ہو؟''

''آپ کی طرح فٹ اینڈ فائن۔'' ولی نے بھی اُسی جوش سے کہا۔

''ممی اور بابا سو رہے ہیں اس لیے ایسا کریں کہ آپ دونوں اوپر محمد کے رُوم میں جائیں، میں ابھی آیا۔'' ولی نے آہستہ آواز میں کہا۔

وہ دونوں سر ہلاتے اوپر کی طرف بڑھ گئے جبکہ ولی کچن کی طرف بڑھ گیا۔

کچن کی سفید روشنی میں اُس نے فریج کھولا، ٹھنڈی کیسز نکالیں، کچھ سنیکس ٹرے میں رکھے اور احتیاط سے اُٹھا کر واپس باہر آ گیا۔

جب وہ محمد کے کمرے میں داخل ہوا تو تینوں پہلے ہی وہاں بیٹھ چکے تھے۔

''آنے سے پہلے انفارم بھی نہیں کیا۔'' ولی نے ٹرے اُن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ ابراہیم کا پلان تھا۔'' فہیم نے فوراً سارا الزام اُس پر ڈال دیا۔

ولی اور محمد کی نظریں ایک ساتھ ابراہیم کی طرف اُٹھ گئی تھیں۔

''میں نے سوچا کہ چھوٹا سا سرپرائز دیا جائے۔'' ابراہیم نے کین اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''رات کے اس وقت؟'' محمد نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔

سب کی نظریں گھڑی کی طرف گئیں۔رات کے بارہ بج رہے تھے۔

ابراہیم نے حیرت سے اپنی کلائی دیکھی۔''ابھی تو کچھ دیر پہلے 10 بج رہے تھے یار!'' اُس نے اپنی گھڑی سب کو دکھائی۔

''تمہاری گھڑی میں ابھی بھی 10 ہی بج رہے ہیں۔'' ولی نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

اگلے ہی لمحے کمرہ قہقہوں سے بھر گیا۔

''یہ پتا نہیں کب بند ہوئی اور سوری یار پھر اس وقت تنگ کرنے کے لیے۔'' ابراہیم ذرا شرمندہ ہوا۔

''یہ 10 بجے ہی بند ہوئی ہے۔'' محمد نے فوراً چوٹ کی۔

وہ سب ایک بار پھر ہنس پڑے تھے۔

''اور سوری والی کوئی بات نہیں، تم لوگوں کا اپنا ہی گھر ہے، جب دل چاہے تب آ سکتے ہو۔'' ولی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے اتنی رات کو، یعنی میرا مطلب ہے رات کے 10 بجے بنا بتائے ایسے تیار ہو کر آنے کی کوئی خاص وجہ؟'' محمد نے اُن کے حلیے پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''فہیم کا رشتہ طے کر کے آ رہے ہیں۔'' ابراہیم نے خوشی سے فہیم کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''ارے واہ! پھر تو مبارک ہو۔'' محمد فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''خیر مبارک!'' فہیم ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اور مٹھائی؟'' ولی کو فوراً اصل مسئلہ یاد آیا تھا۔

''وہ تو تب کھلائیں گے نہ جب منگنی ہو جائے گی۔''

ولی نے مصنوعی ناراضی سے ہونٹ سکیڑے۔

''لڑکی کون ہے؟'' محمد نے دلچسپی سے پوچھا۔

''انکل ارحم کی بیٹی یزمان فرید۔'' ابراہیم نے جلدی سے جواب دیا۔

''تمیز سے ابراہیم!'' فہیم نے فوراً اُسے ہلکی سی چپت لگائی۔

''اوہ سوری، بھابھی یزمان فرید۔اس جناب کی ابھی تو شادی بھی نہیں ہوئی اور یہ پہلے ہی اُن کی طرف داری کر رہا ہے۔'' ابراہیم نے سر سہلاتے ہوئے منہ بنایا۔

اُس کی بات پر باقی تینوں ہنس دیے تھے۔

کمرے کا ماحول اب مکمل طور پر ہلکا پھلکا ہو چکا تھا، مگر چند لمحوں بعد ابراہیم کے چہرے کی سنجیدگی نے سب کو خاموش کر دیا۔

''یار محمد! ہم اس وقت کسی مقصد کے تحت آئے ہیں۔''

محمد نے کین ایک طرف رکھتے ہوئے اُسے دیکھا۔

''جی جی حکم کرو یار، ہم کب کام آئیں گے۔''

''یار کام وام کوئی نہیں ہے۔''

''تو پھر ایسا کونسا مقصد ہے جسے انجام دینے کے لیے تمہیں رات کے اس پہر جن کی طرح یہاں نمودار ہونا پڑا؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' فہیم بولنے ہی لگا تھا کہ ابراہیم نے بات سنبھال لی۔

''ہم چاہتے ہیں کہ پچھلے ایک سال سے جو اختلافات چل رہے ہیں انہیں اب ختم کیا جائے۔''

ابراہیم ذرا آگے کو جھکا، دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسالیں اور سنجیدگی سے اُن دونوں کو دیکھنے لگا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

باقی تینوں کے چہروں سے ہنسی آہستہ آہستہ غائب ہونے لگی تھی۔ کمرے میں صرف اے سی کی مدھم آواز باقی رہ گئی تھی جبکہ محمد خاموشی سے ابراہیم کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا اشارہ انکل ارحم اور ہماری طرف ہے؟'' ولی جو اب تک ٹانگ پر ٹانگ رکھے نسبتاً ریلیکس انداز میں بیٹھا تھا، اب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور سنجیدگی ایک ساتھ اُبھر آئی تھی۔

''بالکل صحیح سمجھے۔'' فہیم نے ہلکے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ مارا جیسے اُس نے کوئی مشکل پہیلی حل کر لی ہو۔

ولی نے ایک گہری سانس بھری جبکہ محمد کی نظریں چند لمحوں کے لیے فرش پر جم گئیں۔ اُس کے چہرے کا رنگ جیسے ذرا سا بجھ گیا تھا۔

''چاہتے تو ہم بھی ہیں مگر۔۔۔ تم ممی اور بابا کو جانتے ہو نہ؟'' محمد نے دھیمی آواز میں کہا۔ اُس کے لہجے میں بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ابراہیم فوراً آگے کو جھکا۔ ''محمد! تم اس کی فکر مت کرو، ہمارے پاس ایک پلان ہے۔'' اُس کی آنکھوں میں وہی پُراعتماد چمک موجود تھی۔

''مجھے نہیں لگتا کہ تمہارا کوئی بھی پلان کام کرنے والا ہے۔'' محمد نے بے یقینی سے ہلکا سا سر ہلایا۔

''ایک دفعہ پلان تو سن لو۔'' فہیم نے نسبتاً نرم انداز میں کہا۔

ولی نے کین ایک طرف رکھتے ہوئے دلچسپی سے ابراہیم کو دیکھا۔

''یار تم پلان بتاؤ، ہم سن رہے ہیں۔''

ابراہیم نے ایک لمحے کے لیے سب کی طرف دیکھا جیسے ذہن میں الفاظ ترتیب دے رہا ہو۔ پھر اُس نے سیدھا بیٹھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''تو پلان یہ ہے کہ۔۔۔ جیسے ہی فہیم کی منگنی ہو گی، ہم یہ شرط رکھیں گے کہ آپ لوگ بھی اس شادی میں آؤ گے۔''

''تم میری شادی ہونے سے پہلے ہی تڑوا کر مانو گے۔'' فہیم تو تقریباً اچھل ہی پڑا تھا۔

محمد اور ولی بے اختیار ہنس پڑے تھے جبکہ ابراہیم نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا جیسے فہیم نے بہت غیر سنجیدہ بات کر دی ہو۔

''تم نے نہیں کہنا۔۔۔ امی اور بابا کہیں گے پھپھو اور انکل کو۔'' ابراہیم نے تحمل سے اُسے سمجھایا۔

فہیم نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا مگر کچھ نہ بولا۔

''اور تمہارے ممی بابا کو اس بات کا علم ہے؟'' محمد نے ابراہیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تک تو نہیں ہے مگر بہت جلد ہو جائے گا۔'' ابراہیم نے معنی خیز نظروں سے فہیم کی طرف دیکھا۔

فہیم فوراً سمجھ گیا کہ نشانہ اب اُس کی طرف ہے۔

''والدہ! میں بہت بُرا پیش آؤں گا اگر تم نے مجھے بلی کا بکرا بنانے کی کوشش کی تو، میں نہیں کہنے والا امی اور بابا سے۔'' اُس نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے۔

''تو تم نہیں چاہتے کہ ان دو فیملیز کے درمیان صلح ہو؟'' ابراہیم نے فوراً جذباتی وار کیا۔

ولی اور محمد بھی اب خاموشی سے فہیم کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''چاہتا تو ہوں مگر۔۔۔'' فہیم کی زبان جیسے وہیں اٹک گئی۔

''ہاں یا نا؟'' ابراہیم نے نظریں اُس پر جمائے رکھیں۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ فہیم نے ایک لمبی سانس لی، پھر بے بسی سے سر جھکا کر بولا۔

''اوکے، میں کہہ دوں گا۔''

ابراہیم کے چہرے پر فوراً فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''گُڈ بوائے۔'' اُس نے اطمینان سے کہا اور پھر دوبارہ ولی اور محمد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اور ہم انکل ارحم کو کہیں گے کہ وہ خود آپ لوگوں کے گھر آ کر کارڈ دے کر جائیں۔'' ابراہیم اب پوری امید کے ساتھ اُن دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

محمد نے فوراً نظریں اُٹھائیں۔

''تمہیں لگتا ہے کہ انکل ارحم مان جائیں گے؟''

''انکل ارحم اور انکل ریان تو مانے ہوئے ہیں، بس گھر کی خواتین کو منانا ہو گا۔'' ابراہیم نے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

ولی نے سر پیچھے ٹیک کر چھت کو دیکھا جیسے ذہن میں بہت کچھ چل رہا ہو۔

''اس سب میں ہم کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' آخر کار اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ابراہیم فوراً سیدھا ہوا۔

''جیسا کہ میں نے کہا۔۔۔ ہمیں گھر کی خواتین کو منانا ہو گا، تم اپنی امی کو مینٹلی تیار کرو گے کہ اگر انکل ارحم کے گھر سے کوئی بھی آتا ہے تو انہیں فوراً ناراضی ختم کرنی ہو گی۔''

ولی نے ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے سر ہلایا۔

محمد اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔ اُس کی انگلیاں بے دھیانی میں کین کے کنارے پر چل رہی تھیں۔ شاید وہ اپنے والدین کے ردِ عمل کا تصور کر رہا تھا۔

''ہم کوشش کر سکتے ہیں۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد آخر وہ بولا۔

ابراہیم کے چہرے پر اطمینان آ گیا تھا جیسے اُسے یہی جواب چاہیے تھا۔

''تو پھر فائنل ہوا، ہم اپنا کام کرتے ہیں، تم لوگ اپنا کام کرو۔'' اس دفعہ فہیم نے نسبتاً پُر سکون انداز میں کہا۔

''اوکے ڈن!'' ولی اور محمد ایک ساتھ بولے تھے۔

چند لمحوں کے لیے کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی، مگر اس بار یہ خاموشی بوجھل نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے چاروں نے مل کر کوئی بڑا فیصلہ کر لیا ہو۔

ابراہیم نے سکون کا سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''دیکھ لینا،اگر یہ پلان کامیاب ہو گیا نہ۔۔۔تو دونوں فیملیز ایک ہی ہال میں بیٹھی ہوں گی۔''

''اور اگر ناکام ہو گیا؟'' محمد نے فوراً سوال داغا۔

''تو فہیم کی شادی ختم سمجھو۔'' ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔

ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد کمرہ زوردار قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

''تم لوگ میری شادی کو مشن بنائے بیٹھے ہو۔'' فہیم نے تنگ آکر کشن اُٹھا کر ولی کی طرف پھینکا۔

ولی ہنستے ہوئے ایک طرف ہٹا جبکہ کشن سیدھا محمد کو جا لگا۔

''یار! میں نے کیا کیا ہے؟'' محمد فوراً احتجاج کرنے لگا۔

ابراہیم ہنستے ہنستے تقریباً دوہرا ہو رہا تھا۔

''یہ ہوئی نہ فیملی والی فیلنگ۔''

ولی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''بس اب دعا کرو یہ فیلنگ بڑوں تک بھی پہنچ جائے۔'' اُس کی بات پر ایک لمحے کو پھر خاموشی چھا گئی۔

چاروں جانتے تھے کہ یہ سب کہنا جتنا آسان لگ رہا تھا، حقیقت میں اتنا آسان نہیں تھا۔ایک سال کی ناراضی،انا،غلط فہمیاں اور فاصلے۔۔۔یہ سب چند باتوں سے ختم ہونے والے نہیں تھے۔

مگر شاید پہلی بار اُن چاروں کو محسوس ہو رہا تھا کہ اگر کسی نے پہل نہ کی تو یہ فاصلے کبھی ختم نہیں ہوں گے اور آج رات،اُس کمرے میں بیٹھے وہ چار لڑکے شاید واقعی پہلا قدم اُٹھا چکے تھے۔

اُنہیں معلوم تھا یہ وقت بھی گزر جائے گا،یہ شام بھی ڈھل جائے گی تو کیوں نہ یہ وقت اچھے سے ایک ساتھ رہ کر گزارا جائے۔

دل نااُمید تو نہیں ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

★。° ✦ °。★

وہ دونوں جب تک الحمرا سے نکلے، عصر کا وقت ہو چکا تھا۔لاہور کی فضا اُس وقت کچھ ایسی تھی کہ نہ زیادہ سردی تھی نہ گرمی،بس ایک متوازن سا سکون ہر چیز پر چھایا ہوا تھا۔آسمان پر گہرے بادل تھے جنہوں نے سورج کی تپش کو مدھم کر دیا تھا،اور اسی وجہ سے موسم غیر معمولی طور پر خوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔

الحمرا سے نکل کر وہ گاڑی سے سیدھا بادشاہی مسجد آئے تھے اور اب وہ بادشاہی مسجد سے نکل کر پیدل ہی حویلی ریسٹورنٹ کی طرف چل دیے تھے ۔راستے میں ہلکی ہلکی ٹریفک کی آوازیں اور دور سے آتی ہوئی لوگوں کی گہما گہمی اس ماحول کو مزید جاندار بنا رہی تھیں۔وہ ریسٹورنٹ کافی مشہور تھا اور وہاں ہمیشہ ہی رش رہتا تھا۔عمارت اپنی جگہ ایک پرانی مگر خوبصورت ساخت رکھتی تھی،جو نہ صرف ایک ریسٹورنٹ تھی بلکہ ایک ٹورسٹ سپاٹ کے طور پر بھی جانی جاتی تھی۔

لاہور کی ہوا میں واقعی ایک الگ ہی دھن ہوتی ہے، جو صرف وہی لوگ سن پاتے ہیں جو ذرا ٹھہر کر، دل سے سننے کی کوشش کریں۔ ہانی کا عبا یا ہلکی ہوا کے ساتھ بار بار لہرا رہا تھا، کبھی دائیں طرف جھولتا تو کبھی پیچھے کی طرف پھڑ پھڑاتا، اور اس کپڑے کی مدھم سی آواز فضا میں شامل ہو کر ایک الگ ہی احساس پیدا کر رہی تھی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے معمولی وقفے سے اپنے ارد گرد دیکھتے بھی جا رہے تھے، جیسے شہر کی ہر چیز کو ذہن میں محفوظ کر رہے ہوں۔

اکثر لوگ حویلی ریسٹورنٹ کھانا کھانے سے زیادہ اس کی عمارت، اس کے ماحول اور اس کی تاریخی طرزِ تعمیر کو دیکھنے آتے تھے۔ داخلی دروازے پر سرخ رنگ کی روشن بتیوں سے ''حویلی'' لکھا ہوا تھا اور یہی لفظ اندر راہداری میں بھی نظر آتا تھا، جیسے پوری عمارت اپنی پہچان خود بتا رہی ہو۔

وہ دونوں راہداری سے گزرتے ہوئے آہستہ آہستہ اوپر کی منزل کی طرف بڑھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہلکی سی سانس کی آواز اور قدموں کی چاپ اس خاموش فضا میں گونج رہی تھی۔ جیسے ہی وہ سب سے اوپر والی منزل پر پہنچے، سامنے کا منظر کھل گیا، بادشاہی مسجد کا دلکش اور وسیع نظارہ نگاہوں کے سامنے تھا، جو کسی تصویر کی طرح جیتا جاگتا محسوس ہو رہا تھا۔

خلافِ توقع، آج وہاں زیادہ رش نہیں تھا۔ چند میزیں ہی آباد تھیں اور باقی جگہ نسبتاً خاموش تھی۔ شاید ابھی لوگ آنا شروع نہیں ہوئے تھے، کیونکہ ابھی عصر کا وقت ہی تھا۔ عموماً یہاں زیادہ رونق رات کے وقت ہوتی تھی، جب شہر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاگ اٹھتا ہے تب لوگ اس ریسٹورنٹ کا رخ کرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ٹیبل پر آمنے سامنے ہو کر بیٹھے تھے، ایسے کہ محمد کی دائیں جانب جبکہ ہانی کی بائیں جانب بادشاہی مسجد نظر آ رہی تھی، وہ دونوں ابھی آ کر بیٹھے ہی تھے جب پیچھے بیٹھے کچھ سیاحوں نے لاہور کے بارے میں ایک نظم کہنا شروع کر دی تھی،

(گل نویں پرانے دوَر دی اے گل کرنی اج میں لاہور دی اے
تے تُسی رل مل کر نا غور اے عنوان نظم دا ''لاہور'' اے)

وہ پنجابی میں نظم کہہ رہا تھا اور اپنے ساتھیوں سے داد بھی وصول کر رہا تھا۔

(ایدی اعلیٰ اَولّی ٹَور اے۔۔تے آخر لاہور، لاہور اے
شروع ہوندی ایتھوں بہار اے پاکستان دا اِکّو مینار اے)

محمد ان کی طرف دیکھتے ہوئی دلچسپی سے نظم سننے لگا تھا جبکہ ہانی بھی چپ چاپ وہ نظم سن رہی تھی۔

(نالے ہی یادگار اے تے چوّی گھنٹے لسّی تیّار اے
ایتھے ون سونّے ٹابے نے اک نمبر لاہور دے کھاتے)

'' نظم تو اچھی پڑھ رہا ہے۔'' محمد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا تھا۔

(اک موریااے دو موریااے، بندا بندا لگدا اٹوریااے تے بے میٹروچے چانال لتھااے ویکھ شدرہ کے جھوم اتھااے)

''لکھناوالے نے بھی کمال کیا ہے، مگر پڑھنے والے کے انداز سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اسے لاہور سے کچھ زیادہ ہی محبت ہے۔'' ہانی بھی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

(راوی دا پُل تے بارہ دری، میں کی کرنا اے جا کے مری
آ لکشمی چوک دی سن لو شان، بڈھا وی ہویا ایتھے جوان)

''بوڑھا کیسے جوان ہو سکتا ہے؟'' محمد نے اس کی بات سن کر ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
''وہ شاید ذہنی طور پر جوان ہونے کی بات کر رہا ہے۔'' ہانی نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

(تے ہلے مضمون پورا میں بنیا نئیں
جنے لاہور نئیں تکیا۔۔۔اوجمیا نئیں)

''شکر ہے کہ ہم نے لاہور دیکھا ہوا ہے۔'' محمد نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور ہانی بھی اس کی اس بات پر مسکرا دی تھی۔
''ویسے لاہور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پاکستان کا لاہور اور ہندوستان کی دہلی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔''
اس نے بادشاہی مسجد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
مصنوعی بلبوں کی نرم زرد روشنیاں مسجد کی سرخ دیواروں پر پڑ کر عجیب سا سحر پیدا کر رہی تھیں۔ فضا میں ٹھنڈی ہوا کے ساتھ کبابوں اور قہوے کی ملی جلی خوشبو تیر رہی تھی، جبکہ فوڈ اسٹریٹ کے ایک کونے سے کسی پرانے گانے کی مدھم دھن سنائی دے رہی تھی۔ ہانی اپنی کرسی پر آدھی ٹکی ہوئی تھی، اس کا بایاں ہاتھ میز پر رکھا تھا اور ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں مسلسل بادشاہی مسجد کے میناروں پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ واقعی لاہور اور دہلی کو ایک ساتھ اپنے ذہن میں دیکھ رہی ہو۔
''ویسے یہ کس نے اور کب کہا؟ اور فرق کیوں نہیں ہے؟'' محمد نے سوالیہ انداز میں اپنی ابرو اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔
''یہ۔۔۔میں نے ابھی کہا۔'' وہ اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی تھی۔
محمد اس کی بات پر ہلکا سا ہنسا اس کی گردن ذرا پیچھے کو جھکی تھی۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے بھول چکا تھا کہ وہ پچھلی رات ابراہیم انصر سے کیا وعدہ کر کے آیا ہے۔
''اور فرق کیسے نہیں ہے؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔ اب کی بار اس کے لہجے میں واقعی دلچسپی شامل تھی۔
''لاہور کی بادشاہی مسجد اور دہلی کی مسجد جہاں نما کے انفراسٹرکچر میں جتنا فرق ہے بس اتنا ہی ان دونوں شہروں کی روایات میں فرق ہے۔''

وہ اب بھی مسجد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سامنے سے گزرتے لوگوں کی آوازیں، برتنوں کی کھنک، اور کہیں دور سے آتی اذان کی بازگشت اس کی باتوں کے ساتھ عجیب سی ہم آہنگی بنا رہی تھیں۔

''اس کے علاوہ؟'' محمد نے اپنی کہنی میز پر ٹکاتے ہوئے ٹھوڑی ہاتھ پر جمالی تھی۔ وہ مسجد کے بجائے ہانی کو بہت غور اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''اس کے علاوہ یہ کہ رمضان کی راتوں میں جس طرح لاہور جاگ رہا ہوتا ہے، اسی طرح دہلی بھی پوری طرح جاگ رہی ہوتی ہے۔ جس طرح لاہور میں ہر قسم کا کھانا ملتا ہے، اسی طرح دہلی میں بھی ہر قسم کا کھانا ملتا ہے۔ جس طرح لاہور کے لوگ مختلف کھانوں کے شوقین ہیں، ویسے ہی دہلی کے لوگ بھی مختلف کھانوں کے شوقین ہیں۔''

بات کرتے کرتے وہ اچانک محمد کی طرف مڑی، مگر اسے یوں مسلسل اپنی طرف دیکھتے پا کر اس کے الفاظ اٹک گئے تھے۔ اس نے فوراً نظریں چرا کر اپنی ہاتھوں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

''اور تمہیں اس سب کا کیسے پتا ہے؟'' محمد کی آواز اب پہلے سے دھیمی تھی۔

وہ اب بھی ویسے ہی بیٹھا تھا، جیسے آج پہلی بار اسے ہانی کو سکون سے دیکھنے کا موقع ملا ہو۔

''انسٹاپر میری ایک دوست ہے جو دہلی سے ہے۔ مسلم ہے وہ... اور ہم دونوں اپنے کلچرز ایک دوسرے کے ساتھ شئیر کرتے رہتے ہیں۔'' ہانی نے یہ کہتے ہوئے ہلکا سا اور سر جھکا لیا تھا۔ اس کے نقاب کے اوپر سے نظر آنے والی آنکھوں میں عجیب سی جھجک اتر آئی تھی۔

''آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' وہ اپنی نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

''میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟'' محمد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''جیسے اس وقت دیکھ رہے ہیں۔''

''میں تو صرف دیکھ رہا ہوں۔'' محمد کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔

''اتنا غور سے کون دیکھتا ہے؟'' وہ ابھی بھی مسلسل اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

محمد نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر اچانک ہنس پڑا، وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی کو کنٹرول کرنے کی کوشش بھی کرنے لگا تھا۔ پھر نظریں ہٹا کر سامنے جلتی روشنیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''تنگ کر رہا تھا میں بس تمہیں۔'' اس نے ہانی کو حوصلہ دیا تھا۔

اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ابھی بھی ویسی ہی تھی۔ ہانی کچھ بھی نہ کہہ سکی، اس کے پاس کچھ کہنے کو تھا ہی نہیں۔

وہ کچھ لمحے یوں ہی بیٹھی رہی، چپ چاپ اور شرماتی ہوئی، وہ اپنی نظریں نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ محمد اسے ایسے دیکھنے لگے گا، اتنی گہری نگاہوں سے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے محمد کی آنکھیں گھوم رہی تھیں جو کچھ دیر پہلے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''کچھ کھانا ہے؟'' اس گہری خاموشی کو محمد نے توڑا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

قریب والی میز پر کچھ سیاح زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے، ایک بچہ ضد میں رو رہا تھا، جبکہ کچھ لوگ کھانے کی تصویریں بنا رہے تھے۔ مگر اس سارے شور کے باوجود ان دونوں کے درمیان جیسے الگ سی خاموشی حائل ہو جاتی تھی۔

''بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے۔'' محمد نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو پھر ہم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟''اس نے اچانک سر اٹھا کر محمد کو دیکھا اس کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی اور معصومیت تھی۔

محمد چند لمحے خاموش رہا، پھر اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔

''مجھے یہ جگہ پسند ہے۔ میں جب کبھی اکیلا بھی لاہور آتا ہوں تو یہاں ضرور ہو کر جاتا ہوں۔''اس نے یہ کہتے ہوئے نظریں دوبارہ ہانی پر جمادی تھیں۔ ایسے جیسے آج اس جگہ کی خوبصورتی کی اصل وجہ سامنے بیٹھی لڑکی ہو۔

ہانی اس کی اس حرکت پر پھر سے شرما گئی تھی، ہانی نے پھر سے سر جھکا لیا۔ نا جانے کیا تھا جو محمد، ہانی کی آنکھوں میں بار بار تلاش کر رہا تھا، وہ جب جب اس کی طرف دیکھتی تھی، محمد تب تب اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتا تھا۔

''کافی۔۔۔؟'' کچھ دیر خاموشی رہی جب محمد نے اس خاموشی کو ہوا میں تحلیل کیا۔

''Why Not?''ہانی فوراً چہک اٹھی تھی۔

''ابھی تو ہم میں سے کسی کو بھوک نہیں تھی۔'' محمد اسے تنگ کرنے والے انداز میں بولا تھا۔

''کافی کو کون منع کر سکتا ہے؟'' ہانی نے بھی شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں بلیک کافی کے مگز تھامے بیٹھے تھے۔ کافی کی بھاپ ٹھنڈی ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ حنین چونکہ نقاب میں تھی، اس لیے ہر گھونٹ سے پہلے وہ نقاب ذرا سا اوپر اٹھاتی، کافی پیتی، پھر فوراً واپس ٹھیک کر لیتی۔

محمد کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا سکون تھا۔

''تم ایسے کیسے کمفرٹیبل رہ لیتی ہو؟'' آخر کار وہ دھیرے سے بولا۔

اس کا اشارہ اس کے یوں کافی پینے کی طرف تھا، مگر انداز سراسر تعریف والا تھا۔

''میں یہاں لوگوں کے درمیان چہرہ کھول کر کافی پینے سے زیادہ ایسے کمفرٹیبل ہوں جیسے ابھی پی رہی ہوں۔'' ہانی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

محمد اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا تھا۔ اس کی انگلیاں کافی مگ پر ذرا مضبوطی سے جم گئی تھیں۔ وہ ہانی کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس تھا۔ اسے یہ خیال بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ کوئی اور اسے ویسے دیکھے جیسے وہ دیکھتا تھا۔

کچھ دیر بعد لاہور کی گلیوں میں یونہی آوارہ گردی کرنے کے بعد اب وہ دونوں واپس اسلام آباد کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

محمد کی Dodge موٹروے پر خاموشی سے دوڑ رہی تھی۔ باہر رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف اندھیرے میں ڈوبے کھیت تھے، جبکہ دور دور لگے اسٹریٹ لائٹس کے قمقمے ایسے لگ رہے تھے جیسے رات کے سینے پر کسی نے روشنی کے نقطے ٹانک دیے ہوں۔

ہانی سر کھڑکی سے ٹکائے باہر گزرتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی، محمد ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے ہوئے تھا جبکہ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں بے دھیانی میں اسٹیئرنگ پر ردھم بنا رہی تھیں۔ وہ وقفے وقفے سے نظریں موڑ کر ہانی کو دیکھ لیتا تھا۔

اور جیسے جیسے رات پھیلتی جا رہی تھی، ویسے ویسے ان کی Hellcat لاہور کو پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی، مگر اس رات کی خاموشی، وہ کافی کی خوشبو، اور وہ چند بے ترتیب سی باتیں شاید دونوں کے ساتھ ہی سفر کر رہی تھیں۔

★。˚ ✦ ˚。★

کار میں اس وقت مکمل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ایسی خاموشی جو صرف آوازوں کو نہیں، بلکہ دل کی دھڑکنوں کو بھی نمایاں کر دیتی ہے۔وہ دونوں ایسے بیٹھے تھے جیسے ایک دوسرے کے وجود سے بھی انجان ہوں، حالانکہ چند لمحے پہلے تک گفتگو فضا میں زندہ تھی۔

رات کا اندھیرا اب تقریباً مکمل طور پر سڑک پر چھا چکا تھا۔موٹروے کے دونوں کنارے سیاہی میں گم تھے اور ہر گاڑی اپنی ہیڈ لائٹس کی سفید روشنی کے سہارے آگے بڑھ رہی تھی۔ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی اور شیشوں کے باہر سے گزرتی ہوا کار کے اندر ایک مدھم سرگوشی چھوڑ جاتی تھی۔

محمد کی نظریں مسلسل سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں، مگر اس کے چہرے پر ایک انجانی سی بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔اس کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر ہلکی ہلکی حرکت کر رہی تھیں، جیسے وہ کسی اندرونی اضطراب کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''امید ہے کہ ہم ڈنر کے وقت تک گھر پہنچ جائیں گے۔'' ہانی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''ہوں۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

اس کے لہجے کی سرد مہری ہانی کو محسوس ہوئی۔اس نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کو کیا ہوا ہے؟'' اس کی آواز میں اب ہلکی سی تشویش آ گئی تھی۔

محمد نے ایک لمحہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔اس کی نظریں اب بھی ونڈ اسکرین سے باہر تھیں۔

''مجھے بھی نہیں معلوم۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ہانی کچھ لمحے خاموش رہی، پھر اچانک پوری طرح اس کی طرف مڑ گئی۔

''کیا مطلب آپ کو بھی نہیں پتا؟ ابھی تو لاہور سے نکلتے ہوئے آپ کا موڈ ٹھیک تھا... پھر اچانک ایسا کیا ہو گیا؟''

محمد نے گہرا سانس لیا۔اس کے چہرے کے زاویے کچھ ڈھیلے پڑ گئے تھے، جیسے اندر کوئی دباؤ آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہو۔

''دل بے چین سا ہے... ایسے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔شاید ہمیں آج لاہور میں ہی رک جانا چاہیے تھا۔''

''فکر نہ کریں، کچھ نہیں ہو گا۔بس اللہ سے خیر کی امید رکھیں۔'' ہانی نے فوراً نرم لہجے میں کہا۔

''یہ لیں، پانی پی لیں۔'' اس نے سیٹ سے جھک کر پانی کی بوتل اٹھائی اور اس کی طرف بڑھا دی۔

محمد نے بوتل لے کر چند گھونٹ پیئے۔اس کے ہونٹ ہلکے سے حرکت کر رہے تھے، جیسے وہ خاموشی سے کچھ پڑھ رہا ہو۔وہ بے دھیانی میں ذکر کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کار نے اچانک ہلکا سا جھٹکا لیا اور پھر خاموشی سے بند ہو گئی۔دونوں کے درمیان لمحہ بھر کے لیے مکمل سناٹا چھا گیا۔

''اب اسے کیا ہو گیا؟'' محمد بڑبڑاتے ہوئے سیٹ بیلٹ کھولنے لگا۔اس کے لہجے میں اب بے چینی واضح تھی۔

''تم اندر ہی بیٹھو، میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے ہانی کو روکتے ہوئے کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔

''ٹھہریں... یہ لے جائیں۔'' اسی لمحے ہانی نے فوراً ڈیش بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس نے محمد کی گن اس کی طرف بڑھائی۔محمد نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے گن لے کر اپنی پینٹ کی سائیڈ میں اڑس لی۔اس کے چہرے پر سنجیدگی مزید بڑھ گئی تھی۔

سڑک پر اندھیرا گہرا تھا۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی گزرتی تو اس کی ہیڈ لائٹس لمحہ بھر کے لیے سب کچھ روشن کر دیتی تھیں، پھر دوبارہ اندھیرا غالب آ جاتا تھا۔ وہ جگہ نسبتاً سنسان تھی، اور فضا میں ایک عجیب سا بھاری پن تھا۔

محمد گاڑی کے باہر آ گیا۔ اس نے بونٹ کھولا اور اندر جھک کر انجن کو دیکھنے لگا۔ دھات کی ہلکی ہلکی آوازیں رات کی خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔

"کتنی دیر لگے گی؟" کچھ دیر بعد ہانی نے اندر سے آواز دی۔

"بس ہو گیا... پانچ منٹ۔" محمد نے بغیر سر اٹھائے جواب دیا۔

وہ ابھی بونٹ بند کرنے ہی لگا تھا کہ اچانک سے ایک سفید گاڑی آ کر ان کے قریب رکی۔

محمد کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ اس کی چھٹی حس نے فوراً خطرے کا اشارہ دیا۔ اس کی نظریں گاڑی پر جم گئیں، اور اس کے جسم میں ایک ہلکی سی سختی آ گئی۔

دروازہ کھلا۔ تین لوگ تیزی سے باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔ رات کی خاموشی اچانک کسی اور ہی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

ایک لمحے میں فضا بدل گئی۔

محمد نے فوراً اپنی پوزیشن سیدھی کی، مگر اس سے پہلے ہی وہ لوگ آگے بڑھ چکے تھے۔ ایک محمد کی طرف بڑھا اور دوسرا ہانی کی طرف۔

انہوں نے کار کا دروازہ کھولا۔ ہانی کو زبردستی باہر نکالا گیا۔ اس کے قدم لڑکھڑائے مگر اس نے

خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اسے گھٹنوں کے بل زمین پر بٹھایا گیا اور اس کے سر پر گن تان دی

گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی، محمد بھی اسی لمحے کی زد میں آ چکا تھا۔ ایک اور آدمی اس کی طرف بڑھا اور اسے بھی اسی انداز میں زمین پر بٹھا دیا۔

موٹروے کی سڑک، اندھیری رات، اور خاموش فضا... اب ایک خطرناک سناٹے میں بدل چکی تھی۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ دونوں کے پاس ردِ عمل دینے کا وقت بھی نہ بچا تھا، جیسے وقت نے خود بھی سانس روک لی ہو۔

ایک لمحے میں ان کی معمول کی دنیا ٹوٹ کر کسی اور ہی کہانی میں داخل ہو گئی تھی۔

محمد کو انہوں نے اس انداز میں بٹھایا تھا کہ اس کی پشت کار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف تھے۔ جب کہ ہانی کو بھی زبردستی اس کے قریب ہی بٹھا دیا گیا تھا، جیسے دونوں کو ایک ہی انجام کے لیے ساتھ رکھا گیا ہو۔

ہانی کی سانسیں تیز تھیں، مگر وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی نظریں بار بار محمد کی طرف اٹھتی اور پھر فوراً نیچے جھک جاتیں۔

"تم دونوں کو کوئی آخری خواہش؟" ان میں سے ایک نے محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی، بس ایک مشینی سرد مہری تھی۔

"لڑکی کو جانے دو۔" محمد نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں خوف نہیں تھا، صرف ایک خاموش سا یقین اور غصہ تھا۔

"یہ ممکن نہیں۔" وہی آدمی پھر سے بولا تھا۔ شاید وہ باقی دو کا سربراہ تھا۔

"میں نے تم دونوں کو ختم کرنے کے پیسے لیے ہیں۔" اُس کے لہجے میں ذرا بھی رحم نہیں تھا، ایسے جیسے یہ اس کا روز کا کام ہو۔

"کس نے بھیجا ہے تم لوگوں کو؟" محمد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہمارے رُولز کے خلاف ہے۔" اس نے بھی محمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں کو۔۔۔ولید خان نے بھیجا ہے نہ؟'' محمد کے الفاظوں میں یقین کی جھلک تھی۔

محمد کی منہ سے ولید خان کا نام سن کر ایک لمحے کے لیے سامنے کھڑے آدمی کی آنکھیں سکڑیں،اور بس۔۔۔ محمد کے لیے اتنا ہی کافی تھا،وہ آنکھیں پڑھنے میں ماہر تھا،اُسے اس کا جواب مل چکا تھا۔

''زیادہ بک بک کر رہا ہے یہ،اڑا دو ان دونوں کو۔'' اس کے لہجے میں اچانک سختی آگئی تھی۔

''اور اگر میں بچ گیا... تو تم سب جینے کی امید نہ رکھنا۔''

اس کی آواز دھیمی تھی،مگر اس میں ایک ایسی سختی تھی کہ لمحہ بھر کو فضا اور بھاری ہو گئی۔

''اس وقت تم ہماری گنز کے نیچے ہو۔یاد رکھو یہ بات۔'' سامنے کھڑے شخص نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

محمد نے دانت بھینچ لیے،مگر کچھ کہا نہیں۔اس کے جبڑے سخت ہو گئے۔

''تم!اٹھو اور اس طرف منہ کرو۔'' ایک نے ہانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

ہانی چند لمحے محمد کو دیکھتی رہی۔اس کی آنکھوں میں سوال تھا،خوف بھی تھا،مگر ایک عجیب سا اعتماد بھی... جیسے وہ محمد کی موجودگی کو ہی اپنی ڈھال سمجھ رہی ہو۔

'' اسے چھوڑ دو۔'' محمد کی آواز اب پہلے سے زیادہ گہری اور سنجیدہ تھی۔اس کے ماتھے پر بل تھے،مگر لہجے میں التجا نہیں تھی،صرف ایک حکم کی سی سختی تھی۔

وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے،جیسے اس کی بات سمجھ نہ آئے۔

''آئی سیڈ لیو ہر۔(میں نے کہا اُسے چھوڑ دو۔)'' محمد نے دوبارہ کہا،اس بار اس کی آواز اور بھی صاف اور سیدھی ان کی آنکھوں میں اتر رہی تھی۔

ایک لمحہ خاموشی چھا گئی۔صرف دور سے گزرتی کسی گاڑی کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور پھر وہ بھی ختم ہو گئی۔

''تین تک گنتی گنوں گا۔اگر تم نے رخ نہیں موڑا تو میں ابھی یہیں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' ہانی کے قریب کھڑے شخص نے گن اس کے سر پر مزید کس کر رکھتے ہوئے غرایا۔

''ایک...''

محمد کی نظریں اب بھی سیدھی ان کے چہروں پر جمی ہوئی تھیں۔اس کے چہرے پر نہ جھکاؤ تھا،نہ خوف۔

''تم لوگ خدا کے واسطے اسے چھوڑ دو۔'' اس نے ایک بار پھر کہا۔

''دو...''

اب ان میں سے ایک کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

''تم ہم سے زندگی کی بھیک مانگ رہے ہو؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

محمد نے جواب نہیں دیا،وہ بس خاموش رہا اور اس کی خاموشی اس بار زیادہ خطرناک تھی۔

''تین...''

ہانی نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

اور پھر...

فائرنگ کی آوازیں موٹروے کے سناٹے میں گونجیں۔ تین دفعہ ٹریگر پریس ہوا... اور پھر اچانک وہی خاموشی، جو چند لمحے پہلے تھی، دوبارہ لوٹ آئی۔ سب کچھ پہلے کی طرح شانت ہو گیا تھا۔

وہ تینوں، جو چند لمحے پہلے تک زندہ، متکبر اور قابض ان کے سروں پر گنتا نے کھڑے تھے، اب

زمین پر بے حرکت پڑے تھے۔ ان کے ماتھوں پر ایک ایک صاف نشان تھا، اور خاموشی سے خون سڑک پر پھیل رہا تھا... جیسے رات نے خود اپنی گواہی لکھ دی ہو۔ ہانی نے جب آنکھیں کھولی تو وہ کھڑا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں الٹیمیٹ گلاک X43 تھی۔

''چلو! اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' وہ ہانی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جو منہ کھولے ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی وہی شاک تھا، آنکھیں پھیلی ہوئیں۔

وہ دونوں انہیں ایسے ہی چھوڑ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔ موٹروے کے کنارے اندھیرا گہرا ہو چکا تھا، دور دور تک کوئی انسان یا گاڑی نہیں تھی۔ صرف ہوا کی سرسراہٹ اور ان کے قدموں کی ہلکی آواز سنی جا سکتی تھی۔

''آپ نے انہیں شوٹ کر دیا؟'' ہانی ابھی تک ڈری ہوئی تھی مگر اس کے دماغ میں اٹھنے والا سوال اسے بار بار تنگ کر رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ محمد ایسا کر سکتا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی مگر وہ خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔

(''آہاں! اب آئے ہو نا تم دونوں ہمارے ہاتھ۔'' محمد اور ولی کو اس وقت بہت سے لڑکوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور وہ دونوں درمیان میں پرسکون کھڑے تھے۔)

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں نے غلط کیا؟'' وہ سٹیرنگ پر دونوں ہاتھ جمائے باہر دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

اس کی گردن سخت تھی، آنکھیں سڑک پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اپنے ہی اندر کسی سوال سے لڑ رہا ہو۔ کار کی کھڑکی سے باہر رات کی ہوا اندر آ کر اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔

(''ہم تمہارے ہاتھ نہیں آئے، تم ہمارے ہاتھ آئے ہو۔'' ولی اپنے کف فولڈ کرتے ہوئے بولا۔ ولی کی بات پر وہ سب ایک دوسرے کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔)

''میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا، میں بس یہ پوچھ رہی ہوں کہ انہیں مارنا ضروری تھا کیا؟'' ہانی

ابھی بھی نا سمجھی سے محمد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کی آواز اب زیادہ نرم تھی، مگر آنکھوں میں وہ منظر بار بار چل رہا تھا۔ زمین، گولیاں، اور وہ اچانک ٹوٹ جانے والی خاموشی۔

(''تم دونوں اپنے آپ کو ہیرو سمجھتے ہو کیا؟'' ان میں سے ایک لڑکا دانت کچکچاتے ہوئے بولا، جبکہ محمد اس کی اس بات پر ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔

محمد کی وہ مسکراہٹ ہلکی تھی، مگر اس میں طنز بھی تھا اور اعتماد بھی۔ وہ ذرا سا سر جھکا کر جیسے اس بات کو نظر انداز کر گیا ہو۔)

''میں نے جو کیا، سیلف ڈیفنس میں کیا، اگر میں انہیں شوٹ نہ کرتا تو وہ ہمیں شوٹ کر دیتے۔'' اس کے ماتھے پر بل پڑنے لگے تھے۔

''محمد آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ کسی فلم کے ہیرو نہیں ہیں۔'' اس کا دماغ ابھی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس نے تھوڑی دیر پہلے تین لوگوں کی جان لی ہے۔

(''تمہیں کس نے کہا کہ ہم ہیرو ہیں، ہم ہیرو نہیں۔۔۔''ولن'' ہیں،اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔'' محمد ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا جو صرف انہیں ہی گھور رہے تھے۔)

''صحیح کہا تم نے، میں کوئی ہیرو نہیں ہوں، میں ولن ہوں اور حقیقی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا، ہر شخص اپنی فیملی کے لیے ولن بنتا ہے اور آج حالات نے مجھے بھی بنا دیا ہے۔''اس کی سارے جسم کی رگیں جیسے تن گئیں تھیں۔

''ولن کبھی بھی پیدا نہیں ہوتے، وہ بنائے جاتے ہیں۔۔۔یہ ظالم معاشرہ جہاں ہم رہ رہے ہیں، یہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنوں کی حفاظت کے لیے ولن بنیں، ایک قاتل بن جائیں یا پھر ایک
وحشی درندے۔''

اس کے ہاتھ سختی سے بند تھے، جبڑا بھنچ گیا تھا، اور آنکھوں میں ایک ایسی سختی تھی جیسے وہ اپنے فیصلے کو خود justify کر رہا ہو۔

وہ رات، وہ سڑک، اور وہ خاموشی... سب ایک ایسی حقیقت بن چکے تھے جہاں کوئی ہیرو نہیں تھا۔

اس نے ٹھیک ہی تو کہا تھا، وہ ہیرو نہیں تھے، وہ تو اس کہانی کے ولن تھے جیسے ہر انسان دوسروں کو ولن ہی لگتا ہے، حقیقی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں ہوتا، ہر وہ مرد جو اپنی فیملی کے لیے کھڑا ہوتا ہے، جو اپنوں کے لیے لڑتا ہے، وہ دوسروں کے لیے ہمیشہ ولن ہی ہوتا ہے۔

★。° ✦ °。★

چند سال قبل، تاریخ تھی ۱۸ اگست۔

وہ دونوں کالج سے سیدھا گھر آئے تھے۔ ہوا میں ہلکی نمی اور ٹھنڈک گھلی ہوئی تھی، جس سے پورا ماحول غیر معمولی طور پر خوشگوار لگ رہا تھا، جیسے دن کی تھکن خود بخود اتر رہی ہو۔

ولی اندر آتے ہی بغیر کسی بات کے سیدھا بیڈ پر گر گیا۔ اس نے اپنا اسمارٹ فون اٹھایا، پیٹ کے بل لیٹ گیا، اور اگلے ہی لمحے اس پر بے مقصد سکرولنگ میں گم ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک لاپرواہ سی تھکن تھی، جیسے ابھی جو کچھ ہوا ہو وہ اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

دوسری طرف محمد اپنے کمرے میں زیادہ دیر نہیں رکا تھا۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا، جیسے کسی سوچ میں ڈوبا ہو، پھر بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔ اس کے قدم سیدھے نہیں تھے، مگر ان میں ایک واضح مقصد تھا جیسے وہ کسی چیز سے بھاگ بھی رہا ہو اور کسی چیز کی طرف جا بھی رہا ہو۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔

گھڑی کی سوئیاں جیسے جیسے آگے بڑھتی گئیں، ویسے ویسے سورج افق کے پیچھے ڈوبتا چلا گیا۔ آسمان
پہلے نارنجی ہوا، پھر گہرا نیلا، اور آخر کار مکمل سیاہ۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس جل
اٹھیں، اور شہر ایک مدھم سی روشنی میں ڈوب گیا۔ ہر چیز پر ایک پر سکون مگر خاموش سی چادر تن گئی تھی۔

گھر کے اندر اس وقت سکون تھا۔

ریان صاحب، مسز ریان اور محمد سب گھر پر ہی موجود تھے۔ کمروں میں ہلکی ہلکی روشنی تھی، کہیں ٹی وی کی مدھم آواز آ رہی تھی اور کہیں برتنوں کی ہلکی کھنک۔ مگر ولی شام سے غائب تھا۔

تقریباً رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ جب سے شام کو نکلا تھا، واپس نہیں آیا تھا۔ محمد کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کہاں ہوتا ہے۔

محمد کچھ دیر اپنے کمرے میں خاموش بیٹھا رہا۔
اس کے ہاتھ میں موبائل تھا مگر اس کی نظر اسکرین پر نہیں تھی۔اس کی آنکھیں کہیں اور تھیں،
کسی ایسی جگہ جہاں وہ خود بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔اس کے چہرے پر فکر بھی تھی اور ایک طرح کی بے بسی بھی۔
اس نے ایک بار کھڑکی سے باہر دیکھا۔رات مکمل طور پر پھیل چکی تھی۔سڑک پر گاڑیاں کم تھیں،اور ہر چیز پر سکون لگ رہی تھی، مگر اس کے اندر کا سکون کہیں موجود نہیں تھا۔اس نے آہستہ سے سانس لیا اور موبائل واپس میز پر رکھ دیا۔
وہ جانتا تھا کہ ولی کو وہاں سے زبردستی واپس لانا ممکن نہیں۔نہ پہلے کبھی ممکن ہوا تھا،نہ اب۔
اس نے پہلے بہت دفعہ کوشش کی تھی کہ کسی طرح اسے روکے، سمجھائے،واپس لے آئے... مگر ہر بار وہ ناکام رہا تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ اس نے کوشش کرنا بھی کم کر دیا تھا،اس لیے نہیں کہ اسے پرواہ نہیں رہی تھی، بلکہ اس لیے کہ وہ جان چکا تھا کہ کچھ فیصلے بندے خود نہیں کرتے ہیں،
چاہے کوئی کتنا بھی قریب کیوں نہ ہو۔
اور اب وہ صرف ایک چیز کر سکتا تھا۔۔۔انتظار۔

★。° ✦ °。★

یہ ایک ایلیٹ انڈر گراؤنڈ پارٹی تھی جہاں روشنیوں کا شور ہر چیز پر غالب تھا۔رنگ برنگی نیون لائٹس دیواروں پر ٹکرا کر ماحول کو کسی اور ہی دنیا میں بدل رہی تھیں۔اونچی لاؤڈ میوزک پورے ہال میں گونج رہی تھی، جس کی بیٹ ہر سینے میں دھڑکن کی طرح اتر رہی تھی۔
ڈانس فلور پر لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔کوئی بے خودی میں رقص کر رہا تھا،تو کوئی تھکن اور نشے کے درمیان جھوم رہا تھا۔کاؤنٹر کے قریب کچھ لوگ اونچے سٹولز پر بیٹھے ہنس رہے تھے،کچھ سگریٹ کے دھوئیں کے گولے فضا میں چھوڑ رہے تھے جو روشنی میں تیرتے دکھائی دیتے تھے۔
ویٹر تیزی سے ادھر سے ادھر جا رہے تھے،ہاتھوں میں ڈرنکس کی ٹرے لیے۔جو اشارہ کرتا،وہ فوراً اسی طرف چلے جاتے،یہاں ہر چیز رفتار میں تھی، مگر احساس کہیں نہیں تھا۔
ایک طرف کاؤنٹر کے قریب ولی بیٹھا تھا۔وہ چپ چاپ، سر جھکائے،اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھا جیسے وہ اس شور کا حصہ ہو کر بھی اس سے الگ ہو۔
وہ اکثر یہاں آتا تھا۔اور یہاں کا ہر ویٹر،ہر بارٹینڈر اسے پہچانتا تھا۔اس کی موجودگی کسی حکم کی طرح تھی،خاموش مگر بھاری۔
اس نے سفید ٹی شرٹ اور گرے جینز پہن رکھی تھی۔ایک کان میں سیاہ رنگ کا سکے نما ٹاپس تھا،بال بکھرے ہوئے تھے،اور ہاتھوں میں معمول کے مطابق بریسلٹس تھے۔اس کی باڈی لینگویج ریلیکسڈ تھی، مگر آنکھوں میں ایک تھکن سی جمی ہوئی تھی۔
"ہائے۔"اس آواز نے اسے چونکنے پر مجبور کیا۔
ولی نے آہستہ سے سر اٹھایا۔سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا... اور پھر اگلے ہی لمحے بے دلی سے دوبارہ
سر جھکا لیا،جیسے اس کی موجودگی کوئی خاص معنی نہ رکھتی ہو۔
وہ لڑکی اس کے ردعمل سے متاثر نہیں ہوئی۔وہ مسکراتے ہوئے اس کے بالکل سامنے آ کر ایک اونچا سٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔
کچھ لمحے خاموشی رہی۔صرف میوزک کی بیٹ اور گلاسز کی آوازیں ان کے درمیان جگہ کو بھرتی رہیں۔
"تم ولی ہو نا؟" اس نے دوبارہ کہا۔
"ہاں... تو؟" ولی نے آہستہ سے سر اٹھایا،اس کی طرف دیکھا،اور پھر بغیر کسی تاثر کے بولا۔

اس کی آنکھوں میں پہچان تھی۔وہ جانتا تھا یہ کون ہے،اور یہ یہاں کیوں بیٹھی ہے۔وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اس کے بارے میں پہلے ہی کافی معلومات اکٹھی کی جاچکی ہیں۔

لڑکی ایک لمحے کو ہلکی سی گڑبڑا گئی،پھر بات بدلنے کی کوشش کی۔

''نہیں... بس ایسے ہی پوچھا تھا۔''

''جاؤ یہاں سے،تمہارے جیسی بہت آتی ہیں۔'' اُس بے بے زاریت سے ہاتھ جھلایا تھا۔

لڑکی نے ولی کی بات کو سن کر بھی ان سنا کر دیا اور نظریں کلب کے ارد گرد گھمائیں،جیسے غیر دلچسپی دکھا رہی ہو،مگر حقیقت میں وہ خود کو سنبھال رہی تھی۔

اس کا لباس سیاہ تھا،اس کی بازو اور ٹانگیں برہنہ تھیں،چہرے پر بھاری میک اپ تھا اور بال کھلے ہوئے تھے۔وہ اپنی موجودگی میں مکمل طور پر پراعتماد لگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے انگلی سے دور کھڑے ویٹر کو اشارہ کیا۔

ویٹر فوراً اُن کے پاس آیا۔دو گلاس ہارڈ ڈرنکس رکھے گئے اور وہ بغیر کچھ کہے واپس چلا گیا۔

لڑکی نے ایک گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا،اور دوسرا آہستہ سے ولی کی طرف سلائڈ کر دیا۔

ولی نے ایک نظر گلاس پر ڈالی... پھر لڑکی پر... پھر دوبارہ گلاس پر۔اس کی آنکھیں چند لمحے رکی رہیں،جیسے وہ صرف مشاہدہ کر رہا ہو۔

پھر اس نے خاموشی سے گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔

یہ دیکھ کر لڑکی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی،جسے اس نے فوراً چھپانے کی کوشش کی۔

اس نے دوبارہ ویٹر کو اشارہ کیا۔ایک اور گلاس رکھا گیا۔ولی نے اس بار بھی کچھ نہیں کہا۔صرف سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم چاہتی کیا ہو؟'' اس نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟'' اس لڑکی نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

''اس وقت یہاں کوئی اور نظر آرہا ہے؟'' ولی نے سیدھا سوال پلٹا دیا۔

وہ لڑکی مسکرا دی،پھر جان بوجھ کر دائیں بائیں دیکھا۔

''مجھے تو کوئی نظر نہیں آرہا جو تمہاری طرف متوجہ ہو۔''

اس کی مسکراہٹ میں کھیل تھا۔

کچھ دیر تک ان کے درمیان باتیں چلتی رہیں۔لہجے اکھڑے ہوئے تھے،مگر وقت کے ساتھ نرم ہوتے گئے۔جیسے لفظوں کے پیچھے کوئی پرانی واقفیت چھپی ہو۔

ولی اب واضح طور پر نشے کی حالت میں تھا۔اس کی آنکھوں کی فوکس کمزور ہو رہی تھی،پلکیں بار بار جھپک رہا تھا،اور اس کا سر ہلکا سا جھکنے لگا تھا جیسے جسم کا کنٹرول آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہو۔

اس کے مقابل وہ لڑکی بالکل ہوش میں تھی۔

وہ اپنے گلاس کے کنارے پر انگلی پھیر رہی تھی،اس کی نظریں ولی پر جمی ہوئی

تھیں۔اس کی آنکھوں میں ایک واضح منصوبہ تھی،خاموش،صبر سے بھری ہوئی،اور
خطرناک حد تک مطمئن۔
وہ جانتی تھی...
اب آگے کیا ہونا ہے۔

★。° ✦ °。★

جب اس کی آنکھیں کھلیں تو وہ ایک بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔اس کا سر بھاری تھا،جیسے کسی نے اس کے دماغ کے اندر ریت بھر دی ہو۔آنکھیں کھولتے ہی چھت کی سفید لائٹ چبھنے لگی،اس نے فوراً ہاتھ ماتھے پر رکھ لیا اور پلکیں بار بار جھپکائیں۔
سانس ہلکی بھاری تھی۔جسم میں عجیب سا وزن تھا،ایسا نہیں جیسے نیند پوری نہ ہوئی ہو،بلکہ جیسے رات جسم سے گزر کر اسے چھوڑ گئی ہو۔
وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔کمرہ اجنبی تھا۔پردے آدھے بند تھے،باہر سے مدھم آوازیں آ رہی تھیں،لوگوں کی گفتگو،کہیں دروازہ بند ہونے کی آواز،اور دور کہیں اب بھی کلب کی دھندلی سی بیٹ۔
ولی نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔جینز،شرٹ،شوز سب بکھرے ہوئے تھے،جیسے کسی نے جلدی میں چیزیں اتار دی ہوں۔
وہ فوراً اٹھا اور اپنے کپڑے پہننے لگا،جب وہ جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا تو اس کے ہاتھ ایک لمحہ کے لیے تھم گئے۔س کے ذہن میں ایک فلیش آیا۔
(کلب کی لائٹس... شور... وہ لڑکی سامنے بیٹھی... گلاس اس کے ہاتھ میں... اس کی آنکھوں میں ایک حسابی چمک... پھر سب کچھ ٹوٹتا ہوا سا... اور وقت کا غائب ہو جانا)ولی نے آنکھیں جھپکائیں۔
''نہیں۔'' اس نے خود سے آہستہ کہا اور دوبارہ جوتا باندھنے لگا۔
دروازہ کھلا۔
وہی لڑکی اندر آئی۔
اس نے اندر آتے ہی دروازہ آہستہ سے بند کیا،مگر بند کرنے کی جلدی نہیں کی،جیسے اسے یقین ہو کہ یہاں سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہے۔
''اٹھ گئے ہو؟'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔
ولی نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا،پھر دوبارہ جوتے کی طرف جھک گیا۔
''میں یہاں کیسے آیا؟''لڑکی نے کندھے ہلکے سے اچکائے۔
''تم خود چل نہیں پا رہے تھے۔میں لے آئی۔''ولی کی انگلیاں جوتے کے تسمے پر سخت ہو گئیں۔
اس کے ذہن میں دوسرا فلیش آیا۔
(اس کا لڑکھڑاتے ہوئے چلنا... باہر اندھیری گلی... لڑکی کا بازو تھامنا... گاڑی کا دروازہ بند ہونا... اور پھر سب کچھ دھند میں ڈوب جانا)
وہ چند لمحے خاموش رہا۔پھر آہستہ سے بولا،
''اور تم نے مجھے یہاں کیوں رکھا؟''
لڑکی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔
''کیونکہ تم نے میرے پیسے دینے تھے۔''

اس کی آواز میں اب وہی اعتماد تھا، مگر اس بار اس کے نیچے ایک تھکن بھی چھپی ہوئی تھی۔
ولی نے اس کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھیں اب مکمل جاگ رہی تھیں اور اس بار وہاں الجھن نہیں تھی۔ صرف حساب تھا۔
''تمہیں لگتا ہے تم نے مجھے سنبھال کر لیا؟'' اس نے دھیرے سے کہا۔
لڑکی نے فوراً جواب نہیں دیا۔بس اسے دیکھتی رہی، جیسے اس کے لہجے کو ناپ کر رہی ہو۔
ولی جوتے باندھ کر سیدھا ہوا۔چاہے جسم ابھی بھی تھوڑا سا بھاری تھا۔
''تم نے رات مینیج کی... بس اتنا ہی تھا۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔
لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ دبائی۔
ولی ایک قدم اس کے قریب آیا۔اب اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا نہ غصہ، نہ شرمندگی، نہ نرمی۔
''میں کچھ نہیں بھولا۔'' اس نے آہستہ مگر واضح کہا۔
اس نے جیب سے کچھ نکالا، اور لڑکی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔
لڑکی نے نیچے دیکھا، پھر اس کی طرف۔
''یہ کم ہے۔''
ولی نے بغیر پلک جھپکائے کہا،
''یہی ہے۔''
کمرے میں خاموشی چھا گئی۔لڑکی نے ایک لمحے کو اس کے چہرے کو دیکھا، جیسے وہ کسی ردِ عمل کا انتظار کر رہی ہو، کسی کمزوری کا۔مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔
ولی نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔پھر رک کر بغیر پیچھے دیکھے کہا،
''اور سن لو... تم نے مجھے نہیں رکھا تھا۔میں نے خود قیام کیا تھا۔''
یہ جملہ اس نے پہلی بار کہا تھا۔وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
پیچھے لڑکی چند لمحے ساکت رہی۔اس کے ہاتھ میں نوٹ تھے، مگر اس کی مسکراہٹ اب پہلی جیسی نہیں تھی۔وہ اُسے منہ کھولے بے یقینی سے دیکھنے لگی تھی۔ولی نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل آیا۔

★。° ✦ °。★

ولی وہاں سے نکل کر سیدھا کلب کی پارکنگ میں آیا تھا۔اس کے قدم دھیمے مگر پُراعتماد تھے، جیسے زمین اس کے نیچے سرک رہی ہو۔
پارکنگ کے آخری کونے میں، نیون لائٹس کی دھندلی روشنیوں کے درمیان، ایک شاہکار کھڑا تھا، Lamborghini Aventador SVJ وہ سیاہ رنگ میں لپٹی ہوئی، سنگِ مرمر کی مانند چمکتی کار تھی۔فرنٹ لائٹس میں ایسی تیزی تھی جیسے رات کے سینے میں دو خنجر پیوست ہوں۔

ولی نے جیب سے ریموٹ نکالا،ایک ہلکی سی بیپ کے ساتھ گاڑی زندہ ہو گئی،انجن کی دھیمی غرّاہٹ، جیسے کسی شیر نے انگڑائی لی ہو۔ولی دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تو ایسا لگا جیسے تخت سنبھال لیا گیا ہو۔اس کے ہاتھ نے اسٹیئرنگ کو تھاما،اور دنیا کا شور جیسے پسِ پشت رہ گیا ہو۔اس کا نشہ اب کافی حد تک اتر چکا تھا اس لیے وہ کار ڈرائیو کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

وہ جب گھر میں داخل ہوا تو لان کی نیم تاریکی میں اسے ایک ہیولا سا دکھائی دیا۔کوئی گھاس پر سجدے میں سر رکھے ہوئے تھا،وہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے... اور کس کے سامنے گڑگڑا رہا ہے۔

ولی نے ایک بے زار سی نظر اس پر ڈالی اور بغیر رکے سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا،اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے،جیسے جسم میں جان باقی نہ ہو۔

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی واش روم میں چلا گیا۔ویسن کے سامنے جھک کر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے منہ میں انگلیاں ڈالیں۔چند لمحوں کی اذیت ناک کوشش کے بعد آخر کار اسے قے آ گئی تھی۔واش روم میں شراب اور الٹی کی ملی جلی بو پھیل گئی تھی۔

وہ کچھ دیر دونوں ہاتھ ویسن پر ٹکائے،سر جھکائے بھاری سانسیں لیتا رہا،پھر نل کھول کر اس نے منہ دھویا۔ٹھنڈے پانی کے قطرے اس کے بے جان چہرے سے بہتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔

وہ بمشکل قدم اٹھاتا ہوا بیڈ تک آیا،جوتے اتارنے کی بھی ہمت اس میں نہیں بچی تھی۔وہ سیدھا پیٹ کے بل بستر پر گرا اور چند ہی لمحوں میں ایک گہری نیند نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

ولی کو یہیں چھوڑ کر ذرا نیچے لان کی طرف چلتے ہیں...جہاں محمد اس وقت موجود تھا۔جب تک ولی گھر پہنچا تھا،محمد نوافل ادا کر چکا تھا۔وہ سجدے میں سر رکھے رو رہا تھا۔

وہ رب... جس کے سامنے ٹوٹ کر رونے والے پر کبھی کوئی نہیں ہنستا۔ایک یہی وہ حالت ہے جس میں کوئی بھی آپ کو کچھ کہنے کہ ہمت نہیں کر سکتا۔

رات کی خاموشی میں اس کی دبی دبی سسکیاں عجیب اداسی بکھیر رہی تھیں۔وہ زار و قطار رو رہا تھا،کیونکہ اسے یقین تھا کہ جو دنیا نہیں دے سکتی،وہ اللہ دے سکتا ہے۔

محمد ہمیشہ اپنے لیے مانگنے سے پہلے دوسروں کے لیے مانگا کرتا تھا۔اگر اپنے لیے مانگا جائے تو وہ عبادت ہے...اور اگر دوسروں کے لیے مانگا جائے تو وہ خدمت۔

اور محمد کو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا بے حد پسند تھا۔آج بھی اس کی دعاؤں کا بڑا حصہ اس کے بھائی کے لیے تھا۔

ویسے... کسی کی دعاؤں کا حصہ ہونا بھی کتنی بڑی خوش نصیبی ہے نا؟کوئی انسان رات کی تنہائی میں اللہ کے سامنے آپ کا نام لے کر روئے... اور آپ کو خبر تک نہ ہو۔

اور وہ لوگ...جو خود کو چھوڑ کر دوسروں کے لیے مانگتے ہیں،ان کے دل کتنے وسیع ہوتے ہیں۔وہ اپنی ذات پر دوسروں کی ذات کو ترجیح دیتے ہیں۔ایسے لوگ واقعی عام نہیں ہوتے۔

محمد اپنی لاکھ کوششوں کے باوجود ولی کے دل میں اللہ اور دین کی محبت نہیں اتار سکا تھا۔مگر شاید ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ہر شے مکتوب ہوتی ہے اور شاید ولی کے لیے وہ وقت ابھی آیا

نہیں تھا...

یا شاید... کبھی آنا ہی نہیں تھا۔

محمد جانتا تھا کہ جب تک اللہ نہ چاہے، کسی انسان کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکتا۔اسی لیے وہ ہر رات اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلاتا تھا... کہ کسی دن ولی اسے دوبارہ حاصل کر لے جسے وہ کھو بیٹھا ہے۔ولی اپنے خدا کو کھو بیٹھا ہے۔

★。° ✦ °。★

اگر ریان صاحب کے گھر کو یہیں چھوڑ کر ہم شہر کے دوسرے حصے میں موجود ایک اور گھر کی طرف چلیں تو وہاں کا منظر بالکل مختلف تھا۔پورا گھر گہری خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

راہداریوں میں پھیلا سناٹا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت بھی تھم گیا ہو۔صرف اوپر والے حصے کے ایک کمرے سے مدھم زرد روشنی باہر آ رہی تھی، جیسے اندھیرے کے سمندر میں کوئی چھوٹا سا چراغ جل رہا ہو۔

اگر آہستگی سے اس کمرے کے دروازے تک جاؤ اور ذرا سا اندر جھانکو تو وہاں ایک لڑکی جائے نماز پر کھڑی نظر آئے گی۔وہ چہرے کے گرد دوپٹہ سمیٹے، ادب سے ہاتھ باندھے اپنے رب کے حضور کھڑی تھی۔

اس کا سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ٹھوڑی تقریباً سینے سے لگی ہوئی تھی۔کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا اس کے دوپٹے کے کنارے کو ہلکا ہلکا ہلا رہی تھی جبکہ کمرے میں جلتا چھوٹا سا لیمپ دیوار پر اس کا دھندلا سا عکس بنا رہا تھا۔

اس کی آنکھیں نم تھیں۔شفاف آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر گر رہے تھے اور اس

کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے، جیسے وہ کسی سے چپکے چپکے دل کی باتیں کر رہی ہو۔

اور حقیقت میں... وہ باتیں کر بھی تو اپنے رب سے ہی رہی تھی۔جہاں ایک طرف پوری دنیا نیند کی وادیوں میں کھوئی ہوئی تھی، وہیں وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنی نیند اپنے اللہ کے لیے قربان کیے کھڑی تھی۔

حنین کا ماننا تھا کہ تہجد پڑھنے سے کوئی ملے یا نہ ملے... مگر خدا ضرور مل جاتا ہے۔اور جسے خدا مل جائے، پھر وہ کسی اور شے کا محتاج کیسے رہ سکتا ہے؟

وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھی جنہیں اللہ خود چُن لیتا ہے۔کیونکہ جس عمر میں انسان کے اندر ہر گناہ کرنے کی طاقت اپنے عروج پر ہوتی ہے، وہ اس عمر میں اپنے رب کی محبت میں کھڑی راتوں کو جاگ رہی تھی۔

کہتے ہیں جوانی میں سجدوں کی توفیق مل جانا دنیا کی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہوتی ہے۔اور یہ نعمت ہر کسی کو نہیں ملتی۔یہ صرف اسے عطا کی جاتی ہے جو اسے پانے کی جدوجہد کرتا ہے۔

حنین کو خود نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل کے کسی نرم گوشے میں ولی کے لیے احساس کب پیدا ہوا تھا۔وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اس کی دعاؤں میں شامل کیوں ہو جاتا تھا۔

حالانکہ وہ کبھی دعا میں اس کا نام نہیں لیتی تھی مگر چپکے سے اس کے دعا میں کہیں سے آ جاتا تھا، وہ روتی تھی، گڑگڑاتی تھی کہ ایسا کیوں ہوتا، مگر سب بے سود۔

شاید تقدیر خود اسے ایک موقع دینا چاہتی تھی۔وہ دو لوگوں کی دعاؤں کا حصہ تھا... اور اسے خبر تک نہیں تھی۔جہاں ایک طرف محمد اپنے بھائی کے لیے ہدایت مانگ رہا تھا، وہیں شہر کے دوسرے کنارے ایک اور دعا خاموشی سے عرش کی طرف اٹھ رہی تھی۔

شاید ایک اسے اپنانا چاہتا تھا...

اور ایک اسے راستے پر لانا چاہتا تھا۔

اور دعا میں تو اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دے۔

یہاں تو معاملہ صرف ایک دل کا تھا...ایک ایسے دل کا، جسے شاید صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ باقی راستہ پھر اسے خود طے کرنا تھا۔

تمہیں چاہا بھی نہیں، تمہیں مانگا بھی نہیں

پھر بھی نہ جانے کیوں دعاؤں میں شامل ہو

(محسن نقوی)

★。° ✦ °。★

تاریخ تھی ۱۹ اگست، وقت تھا صبح کا۔

آج اسلام آباد پر صبح غیر معمولی طور پر خوشگوار اتری تھی۔ آسمان پر ہلکے سفید بادل بکھرے ہوئے تھے جبکہ نرم سنہری دھوپ دھیرے دھیرے عمارتوں کی دیواروں پر اتر رہی تھی۔

ہر طرف ٹھنڈی ہوا کا نرم لمس محسوس ہو رہا تھا، وہ ہوا جو نہ زیادہ سرد تھی اور نہ گرم... بس اتنی خوشگوار کہ انسان بے اختیار گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لے۔

کالج کے لان اور کیاریوں میں لگے رنگ برنگے پھول پوری آب و تاب سے کھلے ہوئے تھے۔ گلاب، گیندا، چنبیلی اور پیٹونیا کی مہک ہوا میں ہلکے ہلکے گھل رہی تھی۔

پھولوں کی نرم پتیوں پر شبنم کے ننھے ننھے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، جن پر پڑتی دھوپ ایک عجیب سی دلکشی پیدا کر رہی تھی۔

کالج کی راہداریوں میں طلبہ کی دھیمی آوازیں، کہیں دور سے آتی ہلکی ہنسی، اور کلاس رومز میں چلتے لیکچرز کا مدھم شور ایک زندہ مگر پُرسکون ماحول بنا رہا تھا۔ ہر پروفیسر معمول کے مطابق اپنے لیکچرز دے رہا تھا اور انہی کلاسوں میں سے ایک کلاس میں وہ دونوں بھی خاموشی سے بیٹھے تھے۔

کلاس روم کی کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا پردوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی جبکہ پروفیسر کی آواز پورے کمرے میں سنجیدگی سے گونج رہی تھی۔ کلاس کی بائیں جانب، سب سے آگے والی قطار میں، وہ بیٹھی تھی۔

اس نے یونیفارم کے اوپر سیاہ رنگ کا عبایا اوڑھ رکھا تھا جبکہ اسی رنگ کے اسکارف سے اپنے سر اور چہرے کو بڑی نفاست سے ڈھانپا ہوا تھا۔

اس کی سیاہ آنکھوں پر گول فریم کا چشمہ سجا ہوا تھا، جو اس کی شخصیت کو عجیب سی سنجیدگی اور وقار دے رہا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے اپنی باریک انگلی کے پور سے چشمے کو ناک پر درست کرتی تو چند لمحوں کے لیے اس کی پلکیں جھک جاتیں۔

ویسے اگر سچ کہا جائے تو مناسب فریم والا چشمہ بھی انسان کی خوبصورتی میں ویسے ہی اضافہ کرتا ہے جیسے کسی لڑکی کے کانوں میں پہنے نفیس ٹاپس... یا کسی لڑکے کے ہاتھ میں بندھی ہوئی ایک خوبصورت گھڑی۔

اب اگر کلاس کی دائیں طرف نظر دوڑائی جائے تو سب سے آخری سیٹ پر وہ بیٹھا دکھائی دے گا۔ وہ کرسی سے آدھا ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا، مگر اس کی نظریں مسلسل پروفیسر پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ سن تو رہا تھا، مگر اس انداز سے جیسے ہر دوسری بات کو دل ہی دل میں رد کر رہا ہو۔

اس نے سرمئی رنگ کی جینز کے ساتھ نیوی بلیو اور سفید چیک والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اگرچہ اس کے کپڑے خاصے مہنگے لگ رہے تھے، مگر اس کی جینز جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی، جو آج کل کے فیشن کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔

ایک ہاتھ میں کئی دھاگے بندھے ہوئے تھے جبکہ دوسرے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی گھڑی بندھی ہوئی تھی، جو اس کی کل شخصیت کو مزید رَف اینڈ اسٹائلش بنا رہی تھی۔

بال اس نے حال ہی میں چھوٹے کروائے تھے، جس کی وجہ سے اس کے نین نقش پہلے سے زیادہ نمایاں لگ رہے تھے۔

مگر اس کی آنکھوں میں نیند کی ہلکی سرخی اور چہرے پر دنیا بھر کی اکتاہٹ پھیلی ہوئی تھی، جیسے پروفیسر کا لیکچر اس کے لیے کسی اذیت سے کم نہ ہو۔

اور ویسے بھی... پروفیسر اسلامیات پڑھا رہے تھے۔ اور ولی کا تو دین کے ساتھ شروع سے ہی چھتیس کا آکڑا تھا۔

''ایکسکیوزمی، سر!''

آخر کار جب وہ مزید خاموش نہ رہ سکا تو اس نے بے زاری سے مداخلت کی۔

اس نے اپنی گھڑی والے ہاتھ کو آہستگی سے بلند کیا تھا، اور اس کی آواز سنتے ہی پوری کلاس کی نظریں ایک ساتھ اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

''جیسا کہ آپ نے کہا کہ پروفیٹ محمد (ﷺ) نے اپنی زندگی میں ہر عمل مکمل طور
پر پرفیکٹ اور اعلیٰ اخلاقیات کے مطابق کیا، یعنی آپ کے مطابق انہوں نے پرفیکٹ
زندگی گزاری، ہے نا؟''

''جی، بالکل۔'' پروفیسر نے نرمی سے جواب دیا۔

''تو پھر کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے (حضرت) عائشہؓ سے محض چھ سال کی عمر میں شادی کیوں کی؟ ایک مسلمان انہیں عظیم اخلاقی راہنما کیسے مان سکتا ہے، جب کہ انہوںؐ نے ایک بچی سے شادی کی تھی؟'' وہ سانس لینے کو رُکا۔

''اگر آج کے دور میں کوئی ایسا کرتا تو کیا وہ چائلڈ ابیوز کے جرم میں گرفتار نہ ہوتا؟''

پوری کلاس سانس روکے، دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی، جبکہ پروفیسر اب بھی پر سکون انداز میں کھڑے تھے۔

''کیا آپ کا کوئی اور سوال بھی ہے؟'' پروفیسر نے نرمی سے پوچھا جبکہ ولی کو تو ان کا سکون دیکھ کر سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی تھی۔

''جی نہیں، مجھے بس ان سوالوں کا جواب چاہیے ہے۔'' ولی نے دانت پیستے اور مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''میں خود ان سوالات کا جواب دے سکتا ہوں، مگر میری خواہش ہے کہ کلاس میں موجود کوئی سٹوڈنٹ اس سوال کا جواب دے، کیا کسی کو ان سوالات کا جواب معلوم ہے؟'' پروفیسر نے کلاس پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا تھا۔

مگر سب کی نظریں جھک چکی تھیں۔ ولی کے ہونٹوں پر تنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی جیسے وہ یہ کہنا چاہتا ہو کہ ''دیکھا؟ کسی کو کچھ نہیں معلوم!''

لیکن یہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر زیادہ دیر ٹک نہ سکی تھی۔ کیونکہ اسے کلاس کی بائیں طرف سے ایک ہاتھ بلند ہوتا دکھائی دیا تھا۔

''اگر اجازت ہو تو... ان سوالات کا جواب میں دے سکتی ہوں؟'' حنین اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''جی، ضرور۔'' پروفیسر نے مسکرا کر اجازت دی، جبکہ اس کی آواز پر سب کی نظریں حنین کی طرف اٹھنے لگیں تھیں۔
ولی نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی، پھر فوراً نظریں پھیر لیں تھیں۔ وہ چاہے باقی لڑکیوں کو جس
نظر سے بھی دیکھتا ہو، مگر اس لڑکی کا دل سے ادب کرتا تھا۔ اسی لیے وہ کبھی بھی اپنی نظریں اس پر نہیں جمایا کرتا تھا۔
''حضرت محمد ﷺ کی حضرت عائشہؓ سے ہونے والی شادی ایک اخلاقی، تہذیبی اور سماجی حیثیت رکھتی تھی، اور دوسری بات یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ جو بھی کام کرتے تھے، وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کی مرضی سے کرتے تھے، اور یہ شادی بھی اللہ کے حکم سے ہوئی تھی۔'' وہ سب کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی نرمی سے جواب دے رہی تھی۔
''جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر زمانے کی تہذیب، ثقافت اور رسم و رواج ہر دوسرے زمانے سے مختلف رہی ہے، اس ہی طرح ہر زمانے میں لڑکی کی شادی کی عمر بھی ہر دوسرے زمانے کے حساب سے مختلف رہی ہے، اگر کوئی انسان آج کے زمانے میں کھڑا ہو کر آج سے چودہ سو سال پہلے کے زمانے کی تہذیب، ثقافت اور رسم و رواج کو چیلنج کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس زمانے کے رسم و رواج کو پرکھے اور اس زمانے کی تہذیب، ثقافت اور رسم و رواج کا مطالعہ کرے۔'' ولی اپنی جگہ پر واپس بیٹھ چکا تھا مگر وہ بے چینی سے اپنے پہلو بدل رہا تھا جیسے اسے اس طرح کی جواب کی توقع ہی نہیں تھی۔
اس نے تو شاید یہ سوچا تھا کہ وہ قرآن اور حدیث کے حوالے سنانا شروع کر دے گی مگر وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ حنین کو سوال کو سمجھنے کے تین اصول معلوم تھے۔
وہ یہ بات جانتی تھی کہ سب سے پہلے سوال کو سمجھا جائے، پھر سوال کرنے کے انداز کو سمجھا
جائے اور پھر سوال کرنے والے کو سمجھا جائے۔ کیونکہ ہم کسی بھی غیر مسلم یا ایسا شخص جو دین سے کوسوں دور ہے، اسے قرآن و حدیث کے حوالوں سے نہیں سمجھا سکتے، اگر اسے سمجھایا جا سکتا ہے تو صرف ایک طریقہ ہے اور وہ طریقہ عقلی دلائل کا ہے۔
''جس طرح آج کا دَور اس دَور یعنی آج سے چودہ سو سال پہلے کے عرب معاشرے سے بالکل مختلف ہے اس ہی طرح اِس زمانے کے اصول و ضوابط اُس زمانے کے اصول و ضوابط سے بالکل مختلف ہیں، اُس دَور میں عام طور پر لڑکیاں آٹھ سے بارہ سال کی عمر کے درمیان میں بلوغت کو پہنچ جاتی تھیں اور آج سے چودہ سو سال پہلے کے عرب معاشرے میں جیسے ہی لڑکیاں بلوغت (Puberty) کی عمر کو پہنچتی تھیں، ان کی شادی کروا دی جاتی تھی۔'' وہ ولی کو عقلی دلائل سے سمجھا رہی تھی جس کی ولی کو بالکل بھی اُمید نہیں تھی۔
''آپ خود سوچیں، جو لوگ آپ ﷺ کی چھوٹی سی چھوٹی بات پر بڑے بڑے ہنگامے شروع کر دیتے تھے انہوں نے آپ ﷺ کے اس قدم پر کوئی ہنگامہ کھڑا کیوں نہیں کیا؟ وہ سب لوگ کیوں خاموش رہے؟'' وہ پوری کلاس سے سوال کر رہی تھی، جبکہ پوری کلاس میں سے کسی کے پاس اُس کے اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔
''میں بتاتی ہوں کہ وہ لوگ کیوں خاموش تھے اور انہوں نے کیوں کوئی ہنگامہ برپا نہیں کیا تھا، اگر کسی معاشرے میں کوئی ایسا کام کیا جائے جو ہمیں لگے کہ یہ غلط ہے، مگر ہم یہ دیکھیں کہ وہ معاشرہ بالکل خاموش ہے تو اس کا ایک ہی مطلب کہ یا تو وہ کام کرنے والا شخص کوئی بااثر انسان ہے یا پھر وہ کام جو ہمیں غیر معمولی لگ رہا ہے، وہ اس معاشرے میں جائز ہے، اس شادی کے لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خود اپنی مرضی سے اجازت دی تھی، جس طرح آج کے زمانے میں 16 سے 18 سال کی عمر شادی کے لئے لیگل ہے، اُس ہی طرح اس زمانے میں 8 سے 12 سال کی عمر شادی کے لیے لیگل تھی۔'' جیسے جیسے ولی، حنین کا جواب سنتا جا رہا تھا، ویسے ویسے اس کے اعصاب ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔

''یورپ میں قرون وسطیٰ(5ویں سے 15ویں صدی)اور ابتدائی جدید دور(16ویں-18ویں صدی)میں 12-13 سال کی عمر میں شادیاں عام تھیں۔

جیسا کہ تاریخی دستاویزات مثلاً James A. Brundage کی کتاب 'Law, Sex, and Christian Society in Medieval Europe' میں درج ہے۔ حتیٰ کہ 19ویں صدی تک بھی بعض اشرافیہ خاندانوں میں ایسی شادیاں ہوتی تھیں۔انگلینڈ کی ملکہ ''Eleanor Of Castile'' کی شادی صرف 13 برس کی عمر میں ہوئی تھی اور اس کے علاوہ Shakespeare کی ہیروئن Juliet(رومیو اور جولیٹ)،اس کی شادی بھی 12 سے 13 برس کی عمر میں ہو گئی تھی،یہ سب وہ مشہور لوگ ہیں جنہیں پوری دنیا آج تک جانتی ہے مگر ان پر کبھی کسی نے انگلی نہیں اٹھائی،ان پر کبھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا،اگر ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر ہمارے پیارے نبی ﷺ پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟''بولتے بولتے اس کا سانس کافی پھول چکا تھا مگر اس کا جواب ابھی باقی تھا اس لیے وہ ابھی بھی پوری کلاس کی طرف دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

''اب اگر کوئی یہ کہے کہ انہیں ﷺ کیا ضرورت تھی کہ انہوں ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شادی کی تو اوّل یہ کہ یہ اللہ کا حکم تھا اور دوم یہ کہ یہ شادی سماجی اور اخلاقی پہلو کا حصہ تھی،اس شادی کا مقصد کوئی Sexual Relationship نہیں تھا کیونکہ ان ؓ کی علاوہ آپ ﷺ کے حرم میں اس وقت گیارہ ازواجِ مطہرات ؓ اور بھی تھیں۔اسلامی تاریخ میں نبی کریم ﷺ کی کسی بھی زوجہ مطہرہ کے ساتھ تعلق صرف جذباتی یا جسمانی بنیاد پر نہیں تھا،بلکہ ہر ایک کے ساتھ نکاح کے پس پردہ کوئی حکمت،مصلحت یا سماجی پیغام موجود تھا،اور ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کبھی بھی اس رشتہ پر اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ تو اپنے اس رشتہ پر فخر کرتیں تھیں،نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح ایک پاکیزہ اور باحکمت رشتہ تھا،جس میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں اور انہوں نے اس رشتے کو امت کی خدمت کے لیے استعمال کیا۔آج اگر کوئی تاریخی واقعات کو جدید معیارات پر پرکھتا ہے تو یہ ناانصافی ہے،کیونکہ ہر دور کے اپنے تقاضے اور حالات ہوتے ہیں۔''

کلاس میں موجود تمام سٹوڈنٹس اس طرح خاموش تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو،کلاس رُوم میں اس وقت اتنی خاموشی چھائی تھی کہ اگر کوئی سانس بھی لیتا تھا تو اس کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔

''حضرت عائشہ صدیقہؓ،آپ ﷺ کی وہ زوجہ تھیں جن سے تقریباً دو ہزار احادیثِ مبارکہ مروی ہیں۔اگر یہ رشتہ ان کی مرضی کے خلاف ہوتا... اگر وہ اپنی زندگی میں خوش نہ ہوتیں... تو کیا وہ نبی کریم ﷺ کی ایک ایک بات اس محبت،عقیدت اور اہتمام سے یاد رکھتیں؟کیا وہ انہیں پوری اُمت تک اس طرح پہنچاتیں؟''وہ اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

اتنا مسلسل بولنے کی وجہ سے اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ آگئی تھی،مگر لہجے کا یقین اب بھی قائم تھا۔

''اور اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس قدر راضی تھے کہ جب ان ؓ پر الزام لگایا گیا تو ان کی پاک دامنی بیان کرنے کے لیے آسمان سے سورۃ النور کی آیات نازل فرمائیں۔''پوری کلاس پر خاموشی طاری تھی۔

ایسی خاموشی... جس میں ہر شخص جیسے اپنے ہی خیالات میں ڈوب گیا ہو۔

''اور آخری بات...''اس نے چند لمحے توقف کیا۔

''ان کی شادی چھ برس کی عمر میں ضرور ہوئی تھی،مگر رخصتی نو برس کی عمر میں کی گئی تھی۔''یہ کہتے ہوئے اس نے آہستگی سے اپنی نظریں جھکا لیں۔

جیسے اس نے اپنی بات مکمل نہیں کی... بلکہ صرف ایک امانت واپس لوٹائی ہو۔

کلاس روم میں چند لمحوں تک مکمل سکوت چھایا رہا۔

ولی اپنی جگہ خاموش بیٹھا تھا۔

اس کے چہرے پر پھیلی طنزیہ مسکراہٹ کب کی غائب ہو چکی تھی۔

وہ پہلی بار لاجواب نہیں ہوا تھا...

وہ پہلی بار اندر سے ہلا تھا۔

اسے شاید امید تھی کہ جواب جذباتی ہو گا...

مگر حنین نے اسے جذبات سے نہیں، عقل سے شکست دی تھی۔

اس کی انگلیاں کرسی کے ہینڈل پر ڈھیلی پڑ چکی تھیں۔

وہ بے اختیار حنین کو دیکھ رہا تھا۔

اور پہلی بار...

حنین جب جواب مکمل کر کے واپس اپنی جگہ بیٹھی تو اچانک پوری کلاس تالیوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔

کچھ بچے متاثر تھے...

کچھ حیران...

اور کچھ شاید شرمندہ۔ پروفیسر کی آنکھوں میں واضح فخر جھلک رہا تھا۔

انہوں نے بس ایک نظر حنین خان کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیے تھے۔

اسی لمحے لیکچر ختم ہونے کی بیل بجی تھی۔

طلبہ آہستہ آہستہ اپنی جگہوں سے اٹھنے لگے تھے، مگر ولی وہیں بیٹھا رہا۔

چند ثانیے...

صرف چند ثانیے۔

پھر وہ اچانک کرسی سے اٹھا اور بغیر کسی سے کچھ کہے کلاس روم سے باہر نکل گیا۔

مگر جاتے ہوئے پہلی بار اس کے قدموں میں وہ غرور نہیں تھا... جو آتے وقت تھا۔

شاید کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو انسان زبان سے نہیں... اپنے اندر رہا رتا ہے۔

حنین نے نظریں جھکائے اپنی کتاب بند کی ہی تھی کہ اچانک اس کے ذہن کے پردے پر علامہ اقبالؒ کا شعر لہرایا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن

گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان

★｡ ° ✦ ° ｡★

وہ اس وقت کلاس روم میں بیٹھا تھا۔ باہر موسم بالکل خوشگوار تھا اور کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا کلاس میں

عجیب سی خاموش ٹھنڈک بکھیر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ بیٹھا، انگلیوں میں بال پین دبائے کسی گہرے خیال میں گم تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ، پروفیسر کی آواز، بورڈ پر چلتا مارکر... سب کچھ دھندلا پڑ چکا ہو اور اس کے ذہن میں صرف ایک ہی چیز بار بار گردش کر رہی ہو۔

وہ ڈارک گرے پینٹ پر آف وائٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا، بالوں کا وہی سٹائل جو اسے مزید گڈ لوکنگ بناتا تھا یعنی ولف ہیئر سٹائل۔ چہرہ بالکل دھلا دھلایا اور شیو کی ہوئی، ہونٹ کے کنارے پر جو زخم تھا وہ اب بھرتا جا رہا تھا۔

اس کے ہاتھوں کی انگلیوں پر بھی کافی زخم کے نشان رہتے تھے، جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ باکسنگ کے لیے کتنا پاگل ہے۔ کبھی کبھی وہ بے دھیانی میں انہی زخموں پر انگوٹھا پھیرنے لگتا تھا۔

کلاس روم میں موجود پروفیسر پوری توجہ سے لیکچر دے رہے تھے۔ بورڈ پر لکھتے ہوئے ان کا دھیان دو سے تین مرتبہ اس کی طرف گیا مگر وہ کچھ بولے نہیں۔

اس کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں اور اسے دیکھ کر کوئی بھی اس بات کا اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کلاس روم میں ہوتے ہوئے بھی کلاس روم میں نہیں ہے۔

''ابراہیم!'' آخر پروفیسر تنگ آ کر اسے پکار ہی بیٹھے تھے۔

''جج۔۔۔جی سر!'' وہ یوں اچانک پکارے جانے پر بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں دبا پین تقریباً نیچے گرنے والا تھا جسے اس نے جلدی سے سنبھالا۔ کلاس میں بیٹھے چند لڑکے دبی دبی ہنسی ہنس دیے تھے۔

''کدھر کی سیر ہو رہی ہے؟'' پروفیسر اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''کیا مطلب سر؟'' وہ نا سمجھی سے پروفیسر کو دیکھنے لگا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں موجود الجھن صاف بتا رہی تھی کہ وہ واقعی کہیں اور کھویا ہوا تھا۔

''میں نے پوچھا کہ کہاں گھوم پھر رہے ہو؟'' وہ دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں ڈالتے ہوئے اس کے قریب آ گئے تھے۔

''سر میں تو یہیں ہوں۔'' اس نے ہلکے سے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''تم یہاں نہیں ہو بچے! اگر یہاں ہوتے تو میں نے جو کچھ دیر پہلے سب بچوں سے سوال کیا تھا، تم بھی اس کا جواب دیتے۔'' وہ اب عین اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔

''وہ۔۔۔میں۔'' ابراہیم کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ نظریں چرا کر نیچے دیکھنے لگا تھا۔

''پچھلے دو ہفتوں سے تم ویسے ہی غائب تھے، اور اب اگر آج آ ہی گئے ہو تو جسم کو یہاں بٹھا کر اپنے دماغ کو کہیں گھما پھرا رہے ہو؟'' وہ اس کے بالکل قریب ہو کر بولے تھے، ایسے کہ اُن کی آواز ابراہیم کے علاوہ اور کسی کے کانوں میں نہ پڑے۔

''سر! میں فیملی کے ساتھ۔۔۔'' ابراہیم نے بات شروع ہی کی تھی کہ پروفیسر نے آہستگی سے ٹوک دیا۔

''کوئی بات نہیں بچے! مگر اب کلاس میں واپس آ جاؤ۔'' وہ اس کے کندھے کو نرمی سے تھپتھپا کر واپس مڑ گئے تھے۔

''تو بچوں! ہم یہ ڈسکس کر رہے تھے کہ۔۔۔'' پروفیسر نے دوبارہ وہیں سے لیکچر شروع کر دیا تھا جہاں چھوڑا تھا۔

''اس کے خیالوں سے نکل آؤ ابراہیم!''اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے دبی آواز میں اسے مفت مشورہ دیا تھا۔ابراہیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ میں کیا سوچ رہا تھا؟''وہ واقعی حیران ہوا تھا۔لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ دبائی۔

''تمہارے چہرے کی رونق بتا رہی ہے کہ تمہیں کسی سے محبت ہو گئی ہے۔''ابراہیم نے فوراً نظریں پھیر لی تھیں، مگر اس کے کانوں تک سرخی پھیل گئی تھی۔

''جھوٹ نہ بولو۔''

''تو پھر تم خود اس بات کا انکار کر دو کہ تم کسی لڑکی کو نہیں سوچ رہے تھے۔''وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی تھی، جیسے وہ ابراہیم سے مخاطب ہی نہ ہو۔

''میں کسی لڑکی کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔''ابراہیم نے پھر سے اس کی طرف دیکھا تھا، مگر وہ ابھی بھی پروفیسر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں تو جھوٹ بھی نہیں بولنا آتا یار!''اس لڑکی کو ابراہیم پر ڈھیروں افسوس ہوا تھا۔

''ہاں مجھے نہیں آتا۔''وہ اپنی گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے اعتراف کر رہا تھا۔

اس کی انگلیاں بے چینی سے ایک دوسرے میں الجھ رہی تھیں۔

''میں جانتی ہوں۔''اس نے بھی اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا تھا، جو صاف اس کی بے چینی بیان کر رہے تھے۔

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔پروفیسر کی آواز پس منظر میں دھندلی پڑ گئی تھی۔

''کیا تم love at first sight پر یقین رکھتی ہو؟''

اس نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔لڑکی نے کندھے اچکائے تھے۔

''ہاں کافی حد تک، کیوں کہ یہ آنکھیں ہی ہیں جو کسی بھی اچھے خاصے انسان کو عشق میں ڈال سکتی ہیں۔''

''مگر عائشہ! یہ سب تو قصے کہانی نہیں ہیں؟'' ابراہیم نے بے یقینی سے ہنسنے کی کوشش کی۔

''تمہارا دل اس وقت اس کے لیے دھڑک رہا ہے اور تم ابھی بھی کہہ رہے ہو کہ یہ سب قصے کہانی ہیں؟''عائشہ کو اس کی نادانی پر حیرت ہوئی تھی۔

''مگر۔۔''ابراہیم کچھ بھی نہ بول پایا۔

''تمہیں میرا چہرہ دیکھ کر میرے دل کی کیفیت کیسے معلوم ہو گئی؟''

''تمہاری آنکھیں۔''اس نے انگلی سے ابراہیم کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''کیا؟''

''بدھو! تمہاری آنکھیں صاف صاف بتا رہی ہیں، تمہاری آنکھوں کی چمک تمہارے دل کا حال بیان کر رہی ہیں۔''ابراہیم بے اختیار اپنی نظریں جھکا گیا تھا۔

''ایسا تو نہیں ہوتا یار!''

''اوہ گاڈ! ایک تو تمہیں یقین نہیں آتا۔آنکھیں دل کا وہ کھلا دروازہ ہیں جو سب کچھ بیان کر دیتی ہیں۔اس سے تمہاری خوشی، تمہاری اداسی، تمہاری گھبراہٹ... سب واضح ہو جاتی ہیں۔'' عائشہ کی آواز نرم تھی، مگر نجانے کیوں اس کے لہجے میں ہلکی سی اداسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

''تو کیا ہر انسان آنکھیں پڑھ سکتا ہے؟''

''نہیں، جو تمہارے زیادہ قریب ہوں یا پھر جنہیں یہ ہنر خدا نے تحفے میں دیا ہو۔''

''تم کس کیٹیگری میں آتی ہو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''آفکورس پہلی والی میں، بھئی تم میرے دوست ہو، کیا میں ہی تمہیں نہیں سمجھوں گی؟''

''ہمم... یہ بات تو ہے۔'' وہ سوچنے والے انداز میں بولا تھا۔

''ویسے کون ہے وہ؟ اپنی یونی سے ہے؟'' اب عائشہ کا پورا دھیان اس کی طرف تھا۔

وہ دونوں بھول چکے تھے کہ اس وقت وہ کلاس میں کیوں بیٹھے ہیں۔

''آئے ہائے، سارا موڈ خراب کر دیا۔'' یونی کا سن کر ابراہیم کا تو حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

عائشہ ہلکا سا ہنس دی۔

''اچھا پھر کون ہے؟''

''پھپھو کی بیٹی!'' وہ بس اتنا ہی کہہ پایا...

اور عائشہ... نجانے کیوں یہ سن کر اندر ہی اندر بجھ سی گئی تھی۔

''جہاں جاؤں وہاں نظر آتی ہے، سو جاؤں تو خواب میں آتی ہے اور اگر اٹھ جاؤں تو پھر دماغ میں گھومتی رہتی ہے۔'' وہ اپنا ماتھا پکڑتے ہوئے بولا تھا۔

عائشہ چپ چاپ اسے سننے لگی تھی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ اب آہستہ آہستہ غائب ہو رہی تھی۔ دل میں جیسے کسی نے خاموشی سے بوجھ رکھ دیا ہو۔

''اس سب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟'' ابراہیم نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

عائشہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے بولنا شروع کیا۔

''محبت وہ آسیب ہے جو ایک دفعہ ہماری جان سے چپک جائے تو پھر کبھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' اس نے اپنی نظریں پروفیسر پر جما لیں تھیں، مگر آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

''یہ محبت اس بلا کا نام ہے جو تمہیں بھرے بازار میں نچوا سکتی ہے، پوری سلطنت کو جوتے کی نوک پر لا سکتی ہے اور کسی کی بھی انا کو خاک میں ملا سکتی ہے۔''

ابراہیم پہلی بار اسے اتنی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے؟''

''ہاں۔''

ایک لفظی جواب آیا تھا۔

''کس سے؟''

''بتا نہیں سکتی۔''

''کیا تم نے اسے کھو دیا؟''

''کھونے کے لیے شرط ہے کہ پہلے اسے پایا جائے۔''عائشہ نے اپنی نظریں جھکالی تھیں۔

''یعنی وہ تمہیں کبھی ملا ہی نہیں۔''

''وہ میرے قریب تر ہو کر ہمیشہ مجھ سے ہمیشہ دور رہا ہے۔''

ابراہیم کو پہلی بار محسوس ہوا تھا کہ شاید عائشہ ہنسنے والی لڑکی نہیں...بلکہ درد چھپانے والی لڑکی ہے۔

''تم شاید ایک اچھا لڑکا ڈیزرو کرتی ہو،اس لیے وہ تمہیں مل نہیں سکا۔''اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نرمی سے تھپکا تھا۔

عائشہ نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔

''اس دنیا میں اچھا کسے چاہیے ابراہیم؟''وہ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''ہمیں کبھی بھی اچھا یا اچھی کی تلاش نہیں ہوتی... اور نہ ہی ہمیں وہ چاہیے۔ہمیں صرف وہ چاہیے ہوتا ہے جو ہمیں پسند ہوتا ہے... جس کے لیے ہم کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔''اس نے دکھ بھرے لہجے میں اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا تھا۔

ابراہیم خاموش ہو گیا تھا۔

''میں دعا کروں گا کہ تمہیں وہ مل جائے جو تمہیں پسند ہے۔''

عائشہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔پھر اس نے اپنی آنکھیں ہاتھوں کی پشت سے صاف کیں۔

''اب مجھے وہ بھی نہیں چاہیے۔''وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ہمیں اچھا نہیں چاہیے... ہمیں صرف وہ چاہیے جو ہمیں پسند ہے۔''

وہ باہر جاتے ہوئے بار بار بس یہی بات دہرا رہی تھی۔رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں لال ہو چکی تھیں۔

اور ابراہیم خاموش بیٹھا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔عائشہ کو روتا دیکھ کر پہلی بار اس کے دل میں عجیب سا بوجھ اترا تھا۔

اس نے دل میں دعا کی تھی کہ کاش...

اسے وہ مل جائے جو اسے پسند ہے۔

اور اگلے ہی لمحے...

اس نے اپنے لیے بھی یہی دعا مانگ لی تھی۔

یہاں کسی کو بھی کچھ حسب آرزو نہ ملا

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تُو نہ ملا

★。゜ ✦ ゜。★

وہ اس لیکچر کے بعد دوبارہ کلاس میں نہیں آیا تھا۔کلاس بنک کرنا اُس کی پرانی عادت رہی تھی۔سکول کے زمانے میں بھی وہ بغیر کسی خوف یا جھجک کے کلاس سے غائب ہو جایا کرتا تھا اور آج بھی پہلے دو لیکچر لینے کے بعد سے ہی وہ بنک پر تھا۔

بریک ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب حنین کلاس روم سے باہر نکلی تھی۔شاید اُسے بھوک لگی ہوئی تھی کیونکہ وہ بغیر کہیں رُکے سیدھا کیفے ٹیریا کی طرف بڑھ گئی تھی۔

کیفے ٹیریا کالج کی اُن چند جگہوں میں سے تھا جہاں ہمیشہ شور، قہقہوں اور باتوں کی ایک ملی جلی آواز تیرتی رہتی تھی۔ کھلی سی جگہ میں جگہ جگہ لوہے اور لکڑی کی میزیں اور کرسیاں رکھی تھیں۔ کہیں دوستوں کے گروپس ہنس رہے تھے، کہیں کوئی فون پر جھکا بیٹھا تھا، جبکہ کچھ لوگ جلدی جلدی کھاتے ہوئے اگلی کلاس کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔

حنین پتھر سے بنی سڑک پر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی کاؤنٹر تک گئی۔اس نے مختصر سا آرڈر دیا

اور پھر نظریں جھکائے ایک خالی میز کی طرف بڑھ گئی۔وہ خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی، جیسے اُس کا مقصد صرف کھانا کھانا ہو، کسی سے بات کرنا نہیں۔

اُس سے تھوڑی ہی دُور ولی اور محمد ایک میز پر بیٹھے کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ محمد ہاتھ ہلاتے ہوئے اُسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ ولی ہر دو منٹ بعد اُس کی بات درمیان سے کاٹ دیتا تھا۔

"یار تم بات پوری تو ہونے دیا کرو۔" محمد نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

" تم فضول باتیں بہت کرتے ہو۔" ولی کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے بے زاری سے بولا تھا۔

ان دونوں کے درمیان میز پر دو کولڈ کافی رکھی تھیں جنہیں ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔

ٹھنڈی کافی کے گلاسوں پر جمی نمی ایسے محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ بھی خاموشی سے ان دونوں کی بحث سن رہے ہوں۔

حنین چپ چاپ ایک طرف بیٹھی ولی کو مسلسل دیکھ رہی تھی، وہ بس اُسے ہی تو دیکھا کرتی تھی۔وہ اُسے محمد سے بحث کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی، بحث کے دوران ولی کے ماتھے پر کبھی بل پڑتے تو کبھی بالکل ختم ہو جاتے۔

وہ جب جب اُس کے قریب ہوا کرتا تھا حنین کو محفوظ ہونے کا احساس ہوتا تھا، وہ جب جب اُسے اپنے قریب پاتی تھی تو باقی سب کو بھول جاتی تھی، وہ جب جب اُس کے سامنے آیا کرتا تھا اُس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جایا کرتی تھیں۔

ایک تصویر میں لگتا ہے کہ ہم بھی خوش تھے
ایک آواز سے لگتا ہے کہ سب اچھا ہے

میری دنیا میں کوئی چیز ٹھکانے پہ نہیں
بس تجھے دیکھ کے لگتا ہے کہ سب اچھا ہے

کچھ دیر بعد وہ سر جھکائے خاموشی سے اپنا ڈونٹ کھانے میں مصروف ہو گئی تھی، اس کا آرڈر آ چکا تھا اور وہ نقاب کے نیچے سے احتیاط سے چھوٹے چھوٹے لقمے لے رہی تھی۔

وہ ہر لمحہ بعد نظر اٹھا کر اسے بھی دیکھ لیتی تھی جو اب کالڈ کافی پی رہا تھا۔

عام طور پر وہ کیفے سے کم ہی کچھ کھاتی تھی، مگر آج شاید وہ ناشتہ کیے بغیر آئی تھی، اسی لیے مجبوراً اُسے یہاں سے لنچ لینا پڑا تھا۔

جب اُس کے نظریں ولی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں تب اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے میز کے دوسری طرف کوئی کھڑا ہو۔اُس احساس میں کچھ ایسا تھا جس نے اُسے بے اختیار سر پھیرنے پر مجبور کر دیا۔

سامنے ایک لڑکا کھڑا تھا۔وہ ہلکی سی مسکراہٹ لیے مسلسل اُسے دیکھ رہا تھا، جیسے کافی دیر سے اُس کے متوجہ ہونے کا انتظار کر رہا ہو۔
حنین نے ناگواری سے اُسے دیکھا اور فوراً نظریں جھکا لیں۔وہ نقاب کے نیچے سے ڈونٹ کھانے لگی تھی، مگر اب چاکلیٹ کی مٹھاس بھی اُسے کڑوی محسوس ہو رہی تھی۔
وہ لڑکا وہیں کھڑا رہا۔اُس کی نظریں مسلسل حنین پر جمی ہوئی تھیں اور اُس کا یوں سر پر کھڑے رہنا حنین کو شدید پریشان کر رہا تھا۔
''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' جب حنین نے اسے گھاس نہیں ڈالی تو اُس نے خود ہی گفتگو کا آغاز کر لیا تھا۔
حنین نے دوبارہ سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔
اُس کی پیشانی پر ہلکے بل پڑ گئے تھے مگر وہ خاموش رہی۔
شاید وہ صرف یہ چاہ رہی تھی کہ وہ لڑکا خود ہی وہاں سے چلا جائے۔اُس نے بے دھیانی میں ولی کی طرف دیکھا مگر وہ محمد کی طرف متوجہ تھا۔
پھر اُس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اُس نے کرسی کھینچی اور دھپ سے اُس پر بیٹھ گیا۔
''آپ کا نام کیا ہے؟'' وہ دانت نکالتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔
''کیا تم کسی اور جگہ جا کر نہیں بیٹھ سکتے؟'' حنین نے اُس کے سوال کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تھا۔
وہ لڑکا ذرا سا مسکرایا، جیسے اُس کی بد تمیزی بھی اُسے دلچسپ لگ رہی ہو۔
''کسی اور جگہ جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے... کیونکہ وہاں آپ نہیں ہوں گی۔'' وہ آرام سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔
حنین نے گہرا سانس لیا تھا، جیسے اپنے غصے کو زبردستی قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔اس کی نظریں بار بار ولی کی طرف اٹھ رہی تھیں مگر وہ تھا کہ محمد سے بحث میں مصروف تھا۔
کچھ لمحے گزرے تو اُسے محسوس ہوا کہ حنین مسلسل اُسے نظر انداز کر رہی ہے، مگر شاید وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو اشارے سمجھنے کے بجائے جان بوجھ کر انجان بن جاتے ہیں۔
''اچھا چلیں چھوڑیں... نام نہیں بتانا تو نہ بتائیں، یہ بتا دیں رہتی کہاں ہیں آپ؟'' وہ دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے بولا تھا۔
حنین نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔اُس کی آنکھوں میں اب صاف غصہ نظر آ رہا تھا۔
''کیوں؟ تم نے میرے گھر آنا ہے؟'' وہ ایسے بولی تھی جیسے ابھی اُس نے چاکلیٹ نہیں بلکہ لال مرچ سے بھرا ڈونٹ کھایا ہو۔
لڑکا اُس کے لہجے پر ایک لمحے کو واقعی گھبرا گیا تھا۔
''نہیں، نہیں... میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے فوراً صفائیاں دینے لگا تھا۔
مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر پہلے جیسا بے شرم اعتماد لیے بیٹھا تھا۔
''مجھ سے دوستی کریں گی؟'' وہ اٹھ کر جانے ہی لگی تھی جب اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔
حنین نے پہلے اُس کے بڑھائے ہوئے ہاتھ کو دیکھا، پھر اُس کے چہرے کو۔
اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اُسے وہیں گولی مار دے۔آخر اتنا بھی کوئی ڈھیٹ کیسے ہو سکتا ہے؟

''ویسے ہمارے ہاں لڑکی کی خاموشی کا مطلب 'ہاں' سمجھا جاتا ہے۔'' جب اُسے حنین کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ خود ہی ہاتھ واپس کھینچتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا تھا۔

اچانک حنین کی نظریں اس لڑکے سے ہوتی ہوئی اس کے پیچھے جا ٹھہری۔

سامنے بیٹھا لڑکا اس کی نظروں کو فالو کرنے لگا اور پیچھے مڑنے لگا تھا کہ اچانک اس کے پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے کو چھوا، اس لڑکے نے جیسے ہی پیچھے مڑ کر دیکھا اس ہی لمحے ایک زوردار پنچ اُس کے منہ پر پڑا جو کہ اس کا جبڑا ہلانے کے لیے کافی تھا۔

''مگر ہمارے ہاں لڑکی کی خاموشی کا وہ مطلب نہیں لیا جاتا جو تمہارے ہاں لیا جاتا ہے۔'' وہ پنچ ولی کی طرف سے آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی محمد بھی کھڑا تھا۔

ولی نے شاید اس کی آخری بات سن لی تھی اِس لیے اُس نے اُس کا جواب دینا ضروری سمجھا تھا۔

وہ لڑکا ایک ہی پنچ میں کرسی سے نیچے جا گرا تھا۔ وہاں موجود سب سٹوڈنٹس حیرانی سے اُن کی طرف دیکھنے لگے تھے جبکہ وہ لڑکا اپنا منہ پکڑے نیچے زمین پڑا تھا۔

''کیا تم وضاحت کرنا پسند کرو گے کہ آخر کیوں تمہارے ہاں لڑکی کی خاموشی کو اس کی رضامندی کا درجہ دیا جاتا ہے؟'' ولی پنجوں کے بل اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔

وہ اپنے دونوں بازو گھٹنوں پر رکھے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالے دیکھ رہا تھا، اس لڑکے کی آنکھیں غصے کی وجہ سے لال ہونے لگی تھیں۔

''تم ہوتے کون ہو ہم دونوں کے بیچ میں آنے والے؟'' وہ لڑکا غصے سے غرّایا تھا۔

''تمہاری بہن کا بہت ہی قریبی یار!'' ولی نے زمانے بھر کی معصومیت کو اپنے چہرے پر سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بہن کو درمیان میں لانے کی۔'' اُس لڑکے نے اچانک ولی کے منہ پر زوردار پنچ دے مارا جس سے وہ پیچھے کی طرف جا گرا تھا۔

''آہ۔۔! بہت زور سے لگا۔'' ولی اپنے چہرے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کراہا تھا۔

''بات اپنی بہن پر آئی تو تمہاری بھی غیرت جاگ گئی، کسی دوسرے کی بہن کے لیے اپنی غیرت کو کرائے پر دے آتے ہو کیا؟'' ولی نے زمین پر بیٹھے بیٹھے اس لڑکے کو کمنٹ پاس کیا تھا۔

محمد اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ان دونوں کی لڑائی دیکھ رہا تھا، حنین بھی محمد کو ڈھال بنائے اس کے بالکل پیچھے آن کھڑی ہوئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ محمد لڑنا نہیں چاہ رہا تھا، یا پھر وہ ڈر رہا تھا، وہ تو بس اس چھوٹی سی لڑائی کو انجوائے کر رہا تھا۔

کیفے میں موجود تمام سٹوڈنٹس اِس طرف اکٹھا ہونے لگے تھے، سب لوگ ایک گول دائرے کی شکل میں آ کھڑے ہو رہے تھے۔

''یار محمد! تم کیا یہاں شو دیکھنے آئے ہو؟'' ولی نے محمد کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو دنیا جہان کی بے نیازی لیے اُن دونوں کو انجوائے کر رہا تھا۔

''اب میں بھلا کیا ہی کر سکتا ہوں؟'' محمد نے اپنے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا، محمد کے لبوں پر مسکان تھی جو ولی کو اندر تک سلگا گئی تھی۔

ولی، محمد کی بات سن کر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ ابھی اپنی پینٹ جھاڑ ہی رہا تھا کہ اُس لڑکے نے اُسے پھر سے ایک عدد پنچ سے نواز دیا تھا۔

ولی کے منہ سے بہتا خون اس کی شرٹ پر بکھر کر اسے سرخ کرتا جا رہا تھا۔

''ارے ارے! رکو تو سہی، سامنے والے کو صحیح سے کھڑے تو ہونے دو۔'' محمد اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اس لڑکے کے عین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

محمد نے پھر مڑ کر ولی کی طرف دیکھا جو پھر سے کھڑا ہو چکا تھا، اس کا ایک ہونٹ پھٹ چکا تھا، ناک میں سے الگ خون نکل رہا تھا۔

'' تو پھر سے شروع کرتے ہیں، ریڈی۔۔۔۔اینڈ فائٹ۔'' وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

محمد جیسے ہی اُن دونوں کے درمیان میں سے ہٹا تھا، ولی نے اس لڑکے کو گردن سے دبوچ کر پوری قوت سے زمین پر دے مارا تھا۔

''بہت کمینے ہو یار تم۔'' ولی نے اس لڑکے کو زمین پر لٹایا ہوا تھا اور خود اُس کے سینے پر بیٹھا تھا۔

''ویسے وہ تمہاری لگتی کیا ہے؟'' اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ آئی تھی جس پر ولی کا وجود شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

''اگر وہ تمہاری پراپرٹی ہے تو۔۔۔۔۔داد دینی پڑے گی تمہاری چوائس کی۔'' وہ شیطانی ہنسی کے

ساتھ ولی کو کہہ رہا تھا۔

''پراپرٹی کسے بولا کمینے انسان؟'' ولی کی آواز گونجی م، مگر جواب میں لڑکا ڈرا نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ ولی اس پر وار کرتا اُس نے ولی کو اپنے دونوں ہاتھوں کی قوت سے پرے دھکیلا تھا۔

''جو سچ ہو، وہی بولتا ہوں!'' اس نے سیدھا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

ولی کو دھکیلتے ہی وہ پھر سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ولی پھر سے اُس کی طرف لپکا تھا۔

ولی کا پہلا مکا اس کے چہرے پر پڑا مگر اس بار لڑکا ایک قدم پیچھے ہٹ کر وار کو سہن کر گیا تھا۔

اس کے سنبھلتے ہی دو لڑکے اچانک سے پاس کھڑے طلباء میں سے نکل کر آئے۔ وہ غالباً اس کے دوست تھے۔

دونوں جسمانی طور پر مضبوط، جم جانے والے لڑکے معلوم ہو رہے تھے۔

''کہاں مر گئے تھے تم دونوں؟'' پہلا لڑکا ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم یہاں پورا سین کرئیٹ کرنے والے ہو۔'' آنے والوں میں سے ایک نے جواب دیا تھا۔

''چل، تینوں مل کر ختم کرتے ہیں ان دونوں کو!'' ایک نے دانت بھینچ کر کہا تھا۔

''لگتا ہے آج ورک آؤٹ پورا ہونے والا ہے۔'' محمد، ولی کے کندھے کے ساتھ اپنا کندھا لگاتے ہوئے بولا تھا۔

اُن میں سے ایک لڑکا محمد کی طرف لپکا تھا۔

اس نے محمد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ایک Takedown کرنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے محمد نے اس کا زور اس کے ہی خلاف استعمال کیا

۔اس نے لڑکے کا ہاتھ موڑ کر گھمایا اور پھر گھٹنے

سے اس کے پیٹ میں وار کیا۔

مقابل ایک لمحے کے لیے جھکا، مگر فوراً سیدھا ہو گیا۔

''نائس اٹیمپٹ۔'' محمد نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

دوسرا پیچھے سے ولی پر حملہ آور ہوا۔ اس نے سیدھا ولی کے کندھے کو پکڑ کر اسے گھمانے کی کوشش کی اور اسے نکڑ کی طرف دھکیل دیا۔

ولی نے دیوار کے ساتھ ہاتھ ٹکا کر خود کو سنبھالا اور اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی،

''اوہ تو تم لوگ مار بھی لیتے ہو؟''

اس نے اسی لمحے ایک تیز ہک پنچ ولی کو دے مارا، ولی کا دوسرا ہونٹ بھی پھٹ گیا تھا۔

اس نے خون زبان سے چکھا اور آنکھوں میں آگ بھر گئی۔

''اب ٹھیک ہے، اب ہوا نا برابر کا مقابلہ۔''

ولی آگے بڑھا اور پورے زور سے لڑکے کو پیٹ میں باڈی پنچ دے مارا۔

لڑکا دو قدم پیچھے ہٹ کر جھک گیا، مگر گرنے سے خود کو روک لیا۔

اس کی طاقت تھی، مگر ولی کی ضربیں زیادہ سخت تھیں۔

محمد نے ایک لڑکے کی کلائی پکڑ کر اسے پیچھے موڑا، پھر گھٹنے سے اس کی ران میں زوردار ضرب لگائی۔

اس کی ٹانگ جواب دے گئی اور وہ نیچے بیٹھ گیا تھا۔

سٹاف کے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔

پہلا لڑکا پھر سے اٹھا چہرہ لال، سانس بھاری، ہمت ٹوٹی ہوئی مگر غصہ باقی تھا۔

وہ ولی کی طرف لپکا ہی تھا کہ اچانک محمد نے آگے بڑھ کر ایک زوردار پنچ اُس کے منہ کی دوسری

جانب دے مارا تھا جس سے وہ پھر گھوم کر نیچے جا گرا تھا۔

''اب یہ نہیں اُٹھنے والا، ویسے کمال کی بات ہے، بڑی سخت جان ہے، اتنے پنچ کھا کر بھی بے شرموں کی طرح اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔'' محمد نے ولی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جب ایک لڑکی تمہیں کسی بات کا جواب نہیں دے رہی ہے تو اِس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی ہے، اگر وہ خاموش ہے تو بس خاموش ہے۔'' وہ اُن سب کو دیکھتے ہوئے

غصے سے کہہ رہا تھا۔

''اس کی خاموشی میں کوئی ہاں نہیں چھپی جو تم جیسے لوگوں کو سنائی دے جاتی ہے۔'' ولی کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اُن کا قتل کر دیتا۔

''آج کے بعد اگر تم اِس کے اِرد گرد نظر بھی آئے تو اپنی ٹانگوں پر واپس نہیں جا سکو گے۔'' ولی یہ کہہ کر پھر سے ایک پنچ اُسے جڑنے کے لیے اُس کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا جب محمد نے اُسے پیچھے سے پکڑ لیا تھا۔

''سٹاف اِس طرف ہی آ رہا ہے اِس لیے بہتر یہی ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے یہاں سے نکلو۔'' محمد نے اسے زبردستی کھینچتے ہوئے کہا۔

''اور ہاں آخری بات، چاہے ایشیا ہو یا یورپ، لڑکی کی خاموشی، خاموشی ہی ہوتی ہے۔'' وہ پورے ہجوم میں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا جبکہ محمد اس کو بازو سے پکڑ کر وہاں سے لے جا رہا تھا۔

''جس طرح ایک مرد کی خاموشی کا کوئی مطلب نہیں، اُس ہی طرح ایک عورت کی خاموشی کا بھی کوئی مطلب نہیں ہے، اپنے مفاد کے لیے عورت کی خاموشی کو ہاں میں بدلنا بند کرو۔'' محمد اسے کھینچتا ہوا ہجوم سے باہر لے آیا تھا اور اب وہ دونوں کالج کی لائبریری کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جب تک سٹاف وہاں پہنچا، تب تک محمد، ولی کو وہاں سے لے جا چکا تھا مگر سٹاف کو یہ معلوم ہو

گیا تھا کہ یہاں جو بوال کھڑا کیا تھا وہ کس نے کیا تھا۔

بچھڑ کر اس کا دل لگ بھی گیا تو کیا لگے گا
وہ تھک جائے گا اور میرے گلے سے آ لگے گا

میں مشکل میں تمہارے کام آؤں یا نہ آؤں
مجھے آواز دے لینا تمہیں اچھا لگے گا

★。° ✦ °。★

پرنسپل آفس کا ماحول عجیب سا بوجھل ہو رکھا تھا۔ دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک خاموشی کو مزید نمایاں کر رہی تھی جبکہ کھڑکی کے باہر کالج کے گراؤنڈ میں موجود طلبہ کی مدھم آوازیں کبھی کبھار اندر تک سنائی دے جاتی تھیں۔ کمرے میں موجود اے سی کی ٹھنڈی ہوا کے باوجود ماحول میں تناؤ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

محمد اور ولی دونوں میز کے سامنے کھڑے تھے۔ محمد نے نظریں جھکا رکھی تھیں جبکہ ولی بدستور اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں کھڑا تھا، جیسے اسے کسی بات کی خاص پرواہ نہ ہو۔ دونوں کے کلاس انچارج ایک طرف کرسیوں پر بیٹھے تھے اور پرنسپل صاحب اپنی فائل کے کاغذات پلٹتے ہوئے انہیں گھور رہے تھے۔

''مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی، محمد!'' محمد کے کلاس انچارج نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ اُن کی آواز میں غصے سے زیادہ مایوسی تھی۔

محمد نے ہلکا سا سر اُٹھایا مگر فوراً دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ اُس کے ہاتھ بے چینی سے آپس میں جڑے ہوئے تھے۔

''آپ کو چاہیے تھا کہ آپ ولی کو اُس جھگڑے سے منع کرتے، مگر آپ تو خود بھی اُس لڑائی میں
شامل ہو گئے۔'' اس دفعہ ولی کے کلاس انچارج بولے۔ وہ کرسی سے ذرا آگے جھکتے ہوئے بولے تھے، جیسے ابھی بھی یقین نہ آ رہا ہو کہ محمد بھی اس سب میں شامل تھا۔

ولی نے ہونٹ بھینچے مگر خاموش رہا۔

''میرے پاس آپ دونوں کے سکول ریکارڈز موجود ہیں۔'' پرنسپل صاحب نے میز پر رکھی فائل
بند کرتے ہوئے کہا، پھر چشمہ ناک پر درست کیا۔

''اور اِن ریکارڈز کو دیکھ کر کسی کو بھی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ دونوں نے پورے سکول کو اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا۔'' انہوں نے ایک کاغذ نکال کر ہوا میں ہلکا سا لہرا دیا۔

''خاص طور پر آپ، ولی!'' اُن کی آواز سخت ہو گئی۔

''اِن ریکارڈز میں تمہارے اتنے اچھے سکورز نہیں ہیں جتنے سسپینشن آرڈرز ہیں۔ ہر مہینے میں تین تین، چار چار دفعہ سسپینڈ ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔'' کمرے میں لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

محمد نے آہستہ سے ولی کی طرف دیکھا مگر ولی کے چہرے پر اب بھی وہی ڈھیٹ سا سکون تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، جیسے یہ سب اُس کے لیے روز کا معمول ہو۔

''اور رہی بات آپ کی، محمد...'' پرنسپل صاحب نے اب نظریں اُس پر جمادیں۔ ''آپ ہر چیز میں اچھا پرفارم کرتے رہے ہیں۔ اساتذہ آپ کی تعریف کرتے ہیں، رزلٹس اچھے آتے ہیں... مگر جیسے ہی بات ولی کے جھگڑوں کی آتی ہے، آپ ہمیشہ اُس کے شانہ بشانہ کھڑے ملتے ہو۔ آخر کیوں؟''

محمد نے ہلکے سے لب بھینچے۔ اُس کے چہرے پر الجھن اور بے بسی دونوں نمایاں تھی۔

''سر... وہ...''

''مجھے کوئی بہانہ نہیں سننا!'' پرنسپل صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر اُس کی بات کاٹ دی۔ اُن کی آواز اس قدر بلند تھی کہ کمرے میں بیٹھے دونوں اساتذہ بھی چونک گئے۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ کہ آپ دونوں نے مل کر اُس سٹوڈنٹ کو اتنی بے رحمی سے کیوں مارا؟'' محمد کے گلے میں جیسے الفاظ پھنس گئے۔

''سر... وہ لڑکا...''

''کیا وہ وہ لگائی ہوئی ہے؟'' اچانک ولی درمیان میں بول پڑا۔ اُس کی آواز میں جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

محمد نے فوراً اُس کی طرف دیکھا، جیسے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ دے رہا ہو، مگر ولی نے نظرانداز کر دیا۔

پرنسپل صاحب نے کرسی سے ذرا سیدھا ہو کر اُسے گھورا۔ ''تم اپنی زبان اور لہجے پر قابو رکھو، ولی!''

ولی نے بے زاری سے سانس خارج کی، پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''سر، میں بتاتا ہوں۔ وہ لڑکا حنین کو تنگ کر رہا تھا۔ کئی دنوں سے کر رہا تھا۔ پہلے ہم نے نظرانداز کیا، پھر سمجھایا بھی... مگر وہ باز نہیں آیا۔''

اُس کی آواز اب پہلے سے سنجیدہ تھی۔

''تو تم لوگوں نے اُسے مار مار کر آدھا مردہ کر دیا؟'' پرنسپل صاحب نے غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''اب جناب یہ بھی بتا دو کہ یہ حنین کون ہے؟'' اُنہوں نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ کی کیا لگتی ہے؟''

''سر، وہ ولی کی کلاس فیلو ہے۔'' ولی کے کلاس انچارج نے فوراً وضاحت دی۔

''وہ صرف میری کلاس فیلو نہیں ہے۔'' ولی نے فوراً بات کاٹی، اُس کی نظریں اب بھی پرنسپل پر جمی تھیں۔ ''وہ ہماری کزن ہے... ہماری آنٹی کی بیٹی۔''

محمد نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

پرنسپل صاحب نے طنزیہ انداز میں قہقہہ سا لگایا۔

''اچھا! تو اگر آپ کی آنٹی کی بیٹی کو کوئی کچھ کہے گا تو آپ اُسے اِس طرح ماریں گے؟ یہی قانون ہے آپ لوگوں کا؟''

محمد نے ہمت کر کے نظریں اُٹھائیں۔

''سر، وہ مسلسل اُسے پریشان کر رہا تھا۔ حنین نے پہلے ہمیں بتایا بھی نہیں تھا، مگر جب پتا چلا تو...'' وہ ایک لمحے کو رکا، پھر دھیرے سے بولا، ''اگر ہم آج بھی کچھ نہ کرتے تو وہ لڑکا پھر یہی حرکت کرتا۔''

ولی نے فوراً سخت لہجے میں اضافہ کیا، ''اور شاید اِس سے بھی آگے بڑھ جاتا۔''

''بس!'' پرنسپل صاحب نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کروادیا۔اُن کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔

انہوں نے کرسی پر پشت ٹکائی، پھر دونوں کلاس انچارجز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے، ''اِن کے والدین کو کالج بلائیں۔میں خود اُن سے بات کروں گا۔''

محمد کے چہرے کا رنگ ہلکا سا اُڑ گیا جبکہ ولی نے صرف گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھ لیا۔

''اور ہاں...'' پرنسپل صاحب نے میز پر پڑی پین اٹھا کر دونوں کی طرف اشارہ کیا۔''آپ دونوں پورے ایک ہفتے کے لیے کالج سے سسپینڈ ہو۔اس دوران کالج کے آس پاس بھی نظر نہ آنا۔''

''مگر سر!'' محمد بے اختیار بول اٹھا۔

''اگر مگر کچھ نہیں!''اس دفعہ آواز پہلے سے کہیں زیادہ سخت تھی۔

''آپ دونوں نے ایک سٹوڈنٹ کو بری طرح زخمی کیا ہے۔سزا تو ملے گی۔''

'' اور یہ مت سمجھنا کہ معاملہ یہاں ختم ہو جائے گا... اصل حساب آپ کی واپسی کے بعد ہو گا۔''

یہ کہتے ہوئے اُنہوں نے خاص طور پر ولی کی طرف دیکھا، جواب بھی عجیب سی خاموش ضد کے ساتھ کھڑا تھا۔کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی۔ صرف دیوار پر لگی گھڑی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر پرنسپل صاحب نے تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ کے اشارے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''اب آپ دونوں جا سکتے ہیں۔''

محمد نے آہستہ سے ''جی سر'' کہا اور مڑ گیا، مگر ولی چند سیکنڈ وہیں کھڑا رہا۔اُس نے ایک گہری سانس لی، پھر خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا، آفس میں ایک بھاری سی خاموشی پھیل گئی... اور باہر کوریڈور میں چلتے ہوئے بھی محمد کو یوں لگ رہا تھا جیسے پرنسپل کی سخت آواز اب تک اُس کے کانوں میں گونج رہی ہو۔

کالج سے چُھٹی کے بعد اِدھر اُدھر خوار ہو کر جب وہ تھک چکے تھے تب انہوں نے گھر کا راستہ لیا تھا۔ویسے تو وہ دونوں کالج سے چُھٹی کے فوراً بعد ہی گھر آجایا کرتے تھے مگر چونکہ آج اُن دونوں کا کالج میں دن کچھ اچھا نہیں گزرا تھا، اِس لیے وہ دونوں اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے سڑکوں کی خاک چھاننے نکل پڑے تھے۔

اب جب وہ آخر کار پوری طرح سے تھک چکے تھے تو انہوں نے گھر کا رُخ کر ہی لیا تھا۔

وہ دونوں جب گاڑی پارک کر کے لاؤنج میں آئے تو انہیں گیسٹ رُوم سے چار سے پانچ لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔وہ دونوں یہ آوازیں سن کر وہیں اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رُک گئے تھے کیونکہ یہ آوازیں انہیں کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی تھیں۔

''گیسٹ رُوم میں کون ہیں؟'' ولی نے ایک ملازمہ سے پوچھا تھا جسے اُس نے اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا تھا۔

''جی وہ بڑے صاب کے بڑے بھائی اور ان کی بیگم آئی ہیں۔'' ملازمہ نے ولی اور محمد کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''سیدھے سیدھے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ انکل اور آنٹی آئے ہوئے ہیں؟'' ولی نے ملازمہ کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے یار وہ انکل اور آنٹی ہمارے ہیں، اِن کے تھوڑی ہیں۔'' محمد نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے ولی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور بھی کوئی آیا ہوا ہے اُن کے ساتھ؟'' اس دفعہ محمد نے ملازمہ سے پوچھا تھا۔

''جی وہ اُن کے ڈرائیور بھی ساتھ آئے ہیں۔'' ملازمہ کی یہ بات سن کر دونوں نے فوراً ہی اپنے ماتھے پر بے ساختہ زور سے ہاتھ مارا۔ جیسے دل ہی دل میں سوچ رہے ہوں، ''یہ کیا بات ہوئی؟ واقعی؟''

گویا خود کو تھپڑ مار کر اپنی عقل کو جگانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

ولی نے اسے کھری کھری سنانے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ محمد نے ملازمہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ اتنی بیوقوف ہے یا ہمیں بناتی ہے۔'' ولی نے اُس ملازمہ کی پیٹھ کو دیکھ کر کہا تھا۔

''کسی پٹھان نے کہا تھا کہ ماڑا یہ پاگل نئیں ہیں، یہ پاگل بناتے ہیں۔'' محمد نے ولی کو دیکھتے ہوئے کہا جو کہ اس ملازمہ کی بیوقوفی پر افسوس سے سر ہلا رہا تھا۔

''او تیری!'' ولی نے پریشانی کے عالم میں اچانک سے اپنا رُخ محمد کی طرف کیا تھا۔

''اب کیا ہوا؟'' محمد نے ناگواری سے ولی کو دیکھتے ہوئے کہا، کیونکہ وہ اُس کے اِس طرح کے ڈراموں سے واقف تھا۔

''آج اتنے عرصے بعد انکل اور آنٹی کیوں آئے ہیں؟'' ولی نے محمد کو کندھوں سے ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''بھئی مجھے کیا پتا ہوگا کہ کیوں آئے ہیں؟'' محمد نے ناسمجھی سے اپنے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا تھا۔

''یار تم بھول رہے ہو کہ اِس فیملی کی اُس فیملی سے پچھلے ایک سال سے ناراضگی چل رہی ہے۔'' ولی نے محمد کو یاد کروانے کی کوشش کی تھی جو اُسے سوچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

پچھلے سال کسی معمولی سی بات پر جھگڑے کی وجہ سے ارحم آفریدی کی فیملی سے ریان صاحب کی فیملی نے اپنے راستے الگ کر لیے تھے اور وہ راستے ابھی تک نہیں مل پائے تھے۔

شاید اب وہ وقت آ گیا تھا جب ان دونوں فیملیز کا جھگڑا ختم ہونا تھا یا۔۔۔ ختم ہو چکا تھا۔

''اووووو! کہیں حنین نے گھر جا کر بتا تو نہیں دیا کہ تم نے اس کی وجہ سے ایک لڑکے کو بے رحمی سے کالج میں پیٹا ہے؟'' محمد نے حیرانی سے گیسٹ رُوم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جہاں سے ابھی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کیسی فضول قسم کی باتیں کر رہے ہو یار!'' ولی نے ناک چڑھائی تھی۔

''میں اکیلا نہیں تھا، تم بھی شامل تھے۔'' ولی نے پھر فوراً ہی محمد کو یاد دہانی کروائی تھی۔

''اچھا یار میں بھی شامل تھا، مگر انکل اور آنٹی کہیں سچ میں اس ہی وجہ سے تو نہیں آئے جو ہم سوچ رہے ہیں؟'' محمد نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اور اگر ویسا ہی ہے جیسا ہم سوچ رہے ہیں تو پھر آج ہماری خیر نہیں۔''ولی نے مصنوعی ڈر ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا جبکہ محمد اچھے سے جانتا تھا کہ اِسے ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہونے والا تھا۔

''یا شاید۔۔۔ابراہیم نے پلان کے مطابق اپنا کام کر دیا ہو۔'' محمد نے ایک اور اندازہ لگایا تھا۔

''مگر اس نے بتایا تو نہیں۔'' ولی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''اب جو ہو گا دیکھا جائے گا، چلو اندر چلتے ہیں۔''محمد نے ولی کو گیسٹ رُوم کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''مگر پھر جو ہو جاتا ہے، وہ نہ تو تم سے دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی مجھ سے۔''ولی نے ہنستے ہوئے بولا جس پر محمد بھی ہنس دیا تھا۔

وہ دونوں ایسے چل رہے تھے کہ محمد آگے تھا اور ولی اس کے بالکل پیچھے چھپا ہوا تھا۔ محمد دروازہ ناک کرنے کے بعد اُسے اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے داخل ہوا جبکہ ولی بھی بالکل اُس کے پیچھے ہی تھا۔

اُن دونوں کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں اور دونوں کو ٹھنڈے پسینے بھی آ رہے تھے۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے سب کی نظریں اُن دونوں کی طرف اُٹھ گئی۔

گیسٹ رُوم میں مسز ریان، ریان صاحب، مسز ارحم اور ارحم صاحب موجود تھے۔

ولی اور محمد کو دیکھ کر خلافِ توقع اُن کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

محمد نے آگی بڑھ کر سلام کیا جبکہ ولی کا تو سلام سے دُور دُور تک کوئی واسطہ ہی نہ تھا، وہ سب کو ہیلو کہتا ہوا ایک طرف صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا تھا۔

''آج سورج کہیں مغرب سے تو نہیں طلوع ہوا تھا؟'' جب ولی نے محسوس کیا کہ سب نارمل ہے تو اُس نے بات کا آغاز کیا جبکہ محمد کو ابھی تک ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

''نہیں بیٹے! سورج روز کی طرح آج بھی مشرق سے ہی طلوع ہوا ہے۔'' مسز ارحم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

انہیں معلوم تھا کہ مذاق کرنا ولی کی پُرانی عادت تھی اور وہ سب سے ایسے ہے مزاق کیا کرتا تھا۔

''تو پھر مجھے لگتا ہے کہ آج آپ لوگ راستہ بھول گئے ہیں، کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ اِن دونوں فیملیز کی پچھلے ایک سال سے ناراضگی چل رہی تھی۔''ولی نے سوچنے والے انداز میں کہا تھا۔

''نہ ہی سورج مغرب سے نکلا ہے اور نہ ہی ہم راستہ بھولے ہیں، ہم بالکل درست گھر میں آئے ہیں جہاں کئی دنوں سے آنے کے لیے سوچ رہے تھے مگر ہمت نہیں ہو پا رہی تھی۔'' ارحم صاحب نے پہلے ولی کی طرف دیکھا اور پھر ریان صاحب کو دیکھا جو ولی کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔

''یہ تو پھر بہت اچھی بات ہے، کیونکہ زیادہ دن کی ناراضگی بھی صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتی۔'' اس دفعہ محمد نے مداخلت کی تھی کیونکہ اُسے بھی یقین ہو چکا تھا کہ حنین نے گھر جا کر کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا تھا جو کہ ان کے لیے بہت اچھی بات تھی۔

''او کے انکل اینڈ آنٹی! ہم چلتے ہیں، ہم نے ذرا چینج وغیرہ کرنا ہے۔'' محمد نے پہلے مہمانوں کی طرف دیکھا اور پھر ولی کو آنکھوں کے اشارے سے باہر چلنے کو کہا۔

''ٹھیک ہے بچوں، تم لوگ چینج کر لو اور اگر وقت ملا کرے تو گھر کی طرف بھی آتے رہنا، اب تمہیں اپنے ممی بابا سے ڈانٹ کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' ارحم صاحب نے بہت اپنائیت سے اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ جیسے ہی رُوم سے باہر آئے انہوں نے سب سے پہلے ایک لمبی سانس اپنے اندر کھینچ کر اُسے منہ کے ذریعے خارج کیا۔

''شکر ہے کہ سب کچھ نارمل ہے، ورنہ آج تو گئے تھے۔'' محمد نے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''پکچر تو ابھی باقی ہے میرے دوست۔'' یہ خوشی زیادہ دیر کی نہیں تھی جب اچانک ولی بول اُٹھا تھا۔

ولی کا اشارہ کل اُن کے کالج میں ہونے والی پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کی طرف تھا جس پر محمد کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

''یہ لڑکا خود تو پھنستا ہی ہے اور مجھے بھی اپنے ساتھ پھنساتا ہے۔'' محمد منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اپنی رُوم کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ ولی اُس کی بات سُن کر مسکراہٹ دباتے ہوئے اپنے رُوم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

★。 ° ✦ ° 。★

وہ اس وقت قرآن پاک اپنے سامنے کھولے بیٹھا سورۃ الضحیٰ کی آیت "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

اُس وقت تقریباً رات کے دو بجے تھے جب وہ تہجد ادا کرنے کی غرض سے بیدار ہوا تھا، تہجد ادا کرنے کے بعد وہ اب اپنے سامنے قرآن کھولے بیٹھا تھا اور ایک چھوٹی سی آیت میں چھپے بڑے معنی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ قرآن ہر انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کی کہانی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، کبھی یہ اپنے مخاطب سے اُس کا ماضی ڈسکس کرتا ہے، کبھی یہ اُس سے حال ڈسکس کرتا ہے تو کبھی یہ اُس سے اُس کا مستقبل ڈسکس کرتا ہے۔

اور اس وقت جو آیت (اور پھر جب ہم نے تمہیں گمراہ پایا تو سیدھا راستہ دکھایا) اُس کے سامنے تھی وہ اُسے اُس کا ماضی بتا رہی تھی۔

وہ اس بات کا اعتراف بھی کر رہا تھا کہ ہاں میں گمراہ تھا اور مجھے گناہوں کی دلدل سے کھینچ کر نکالا گیا تھا، مجھے اُس دلدل سے نکالنے والا خود خدا ہے۔

ہر انسان اپنی زندگی میں دورِ جہالت سے گزرتا ہے مگر جو اُس دور میں سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لے، جو اُس اندھیرے میں سے روشنی کی ایک جھلک کو پالے اور پھر اُس کے پیچھے چل پڑے تو وہ انسان کامیاب ٹھہرتا ہے۔

مشکلیں لاکھ کٹھن آئیں میں گزر جاؤں گا
میں اگر ہار کے بیٹھوں گا تو مر جاؤں گا

لاکھ روکیں یہ اندھیرے میرا رستہ لیکن
میں، جدھر روشنی جائے گی اُدھر جاؤں گا

وہ آنکھوں میں نمی لیے اُس آیت کو دیکھ رہا تھا کہ وہ بارہا دفعہ بھٹکا تھا مگر بارہا دفعہ وہ واپس بھی لایا گیا تھا، کچھ لوگوں کو خدا خاص اپنے لیے بناتا ہے اور جب وہ خاص بھٹکنے لگتا ہے تو اُسے کھینچ کر واپس اپنی طرف لے آتا ہے۔

جس انسان کو اللہ نے خاص اپنے لیے بنایا ہو پھر وہ شخص کسی انسان یا کسی شے کی وجہ سے بھٹکنے لگے تو وہ پھر پہلے اُس کے ہاتھوں اُسے توڑتا ہے اور پھر اپنی طرف واپس لے آتا ہے۔

وہ کتنی دفعہ گرا تھا اور کتنی دفعہ اَن دیکھا سہارا اُسے سہارا دینے کے لیے آیا تھا، وہ کتنی دفعہ راہ سے بھٹکا تھا اور کتنی ہی دفعہ اُسے کسی نے واپس راستہ دکھایا تھا، وہ کتنی ہی دفعہ اپنے نفس کے ہاتھوں ٹوٹا تھا اور کتنی ہی دفعہ خدا نے اُسے پھر جوڑا تھا۔

اُس کے اندر سے ہمیشہ کوئی بولتا تھا کہ

اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے؟

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ایسا نہیں ہے کہ اُس نے ایک دفعہ جب برائی کا راستہ چھوڑ دیا تھا تو وہ بھٹکا نہیں، وہ بار بار بھٹکا، وہ ہر بار بھٹکا، مگر اُس نے اپنے خدا کے پاس واپس پلٹنے کی کوشش کو ترک نہیں کیا، وہ ہار مان کر نہیں بیٹھا۔

وہ کبھی نفس کے اس طرح کے وسوسوں میں نہیں آیا کہ ''تم نے کتنی دفعہ توبہ کی ہے اور کتنی دفعہ توڑی ہے، اب کیا فائدہ واپس پلٹنے کا؟'' وہ ہمیشہ پلٹ کر جواب دیتا تھا کہ ''جب گناہ کیا تب شرم نہیں آئی تو میں اپنے حقیقی رب سے توبہ کرتے ہوئے کیوں شرم کروں؟'' اور پھر وہ واپس اپنے خدا کی طرف پلٹ جایا کرتا تھا۔

اُس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے، یہ آنسو شکر کے تھے کہ اگر آج وہ خدا کے قریب ہے تو

اس سب میں اُس کا کوئی کمال نہیں بلکہ وہ خدا ہی ہے جو اُسے ہر بار واپس لے آتا ہے۔

وہ قرآن بند کر کے چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا ٹیبل کی طرف گیا اور وہاں رکھے ٹِشو باکس میں سے کچھ ٹِشو نکال کر وہ اپنے آنکھیں اور ناک رگڑنے لگا تھا۔

وہ دوبارہ قرآن کے پاس آیا اور اُسے کھولا۔ اس بار سورۃ الضحیٰ نہیں بلکہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 155 اور 156 اس کی آنکھوں کے سامنے کھلی تھیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (١٥٥) الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (١٥٦)

''اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ (یہی) لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

اُس کی نظریں جب اِن آیات پر پڑیں تو وہ ٹھہر گیا، پل بھر میں کئی سائے اُس کے چہرے پر آ کر گزر گئے، وہ ایسے بیٹھا بیٹھا اُن آیات کو دیکھتا رہا۔

اُس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا تھا، اُس کی نظریں وَالْأَنفُسِ پر ٹھہری تھیں اور اُس کے دماغ میں الارم بجنے لگے تھے۔ شاید قرآن اُسے مستقبل سے آگاہ کر رہا تھا یا شاید قرآن اُسے حال (Present) بتا رہا تھا، اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر وہ اچانک سے مُطمئن ہو گیا تھا۔

جب اُس کی نظروں نے وَاٰلِ اَنۡفُسِ سے آگے کا سفر طے کیا تو وہ بالکل پُر سکون ہو گیا تھا، وہ یہ بات جان گیا تھا کہ اُس پر آزمائش آنے والی ہے جس میں اُس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چُھوٹنے دینا، جس میں اُس نے کہنا ہے کہ ''ہم اللہ ہی کے لیے ہیں،اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں۔''

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بیڈ پر رکھا اُس کا اسمارٹ فون بجنے لگا تھا، کسی Unknown نمبر سے کال آ رہی تھی، اس نے آدھے بنے تیر کے نشان کو دائیں طرف سلائیڈ کیا اور پھر فون کان سے لگا لیا۔

★。° ✦ °。★

چند گھنٹے قبل۔

رات کے تقریباً بارہ بجے تھے جب اُس کی گاڑی اچانک ایک سنسان سڑک پر رُک گئی تھی۔اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گاڑی کو اچانک کیا ہو گیا تھا۔

وہ سیاہ جینز، سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ ہی جیکٹ پہنے ہوئے تھا کہ تیز بارش کے بعد چلنے والی ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے موسم کافی سرد ہو گیا تھا۔اُس کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، دائیں ہاتھ میں بریسلیٹس کا ڈھیر تھا جبکہ بائیں ہاتھ میں ایک عدد سیاہ رنگ کی گھڑی پہنی ہوئی تھی جو کافی مہنگی معلوم ہوتی تھی۔

جب وہ گاڑی سٹارٹ کرنے میں پوری طرح سے ناکام ہو چکا تھا تو آخر تھک ہار کر اُس نے اپنی جیب سے اسمارٹ فون نکالا۔

اسمارٹ فون کی سکرین پر نظر پڑتے ہی سگنلز نہ پا کر اُس کا پارہ آسمان کو چُھونے لگا تھا۔

وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا تھا کہ شاید کوئی نظر آ جائے مگر وہ علاقہ پوری طرح سے سنسان تھا، وہ آخر تھک ہار کر گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا کہ اب سوائے صبح کا انتظار کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔

وہ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا کسی آف لائن گیم کا شغل کر رہا تھا کہ اُسے دُور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی اپنے قریب آتے ہوئے محسوس ہوئی تھی۔

اُس نے جب سر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے سے چند گاڑیاں آتی نظر آئیں تھیں جو غالباً رینج روور تھیں
کیونکہ اُن کی ہیڈ لائٹس عام کار سے تھوڑی اُنچی تھیں۔

جیسے ہی وہ تینوں گاڑیاں اُس کے پاس آ کر رُکی اُس کے دماغ میں خطرے کے الارم بجنے لگے تھے، وہ تیزی سے بونٹ سے اُتر کر کار میں سے اپنی گن نکالنے کے لیے کار کے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے اُس پر کسی نے گن تان دی تھی، جس کا صاف یہی مطلب تھا کہ ''اب ہوشیاری کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اب تک
کافی دیر ہو چکی ہے۔''

آگے اور پیچھے والی گاڑی میں سے دھڑا دھڑ کچھ مرد اُترے جن کے ہاتھوں میں غالباً گلاک G19 تھی اور اُن کی پسٹلز کا رُخ ولی کی طرف ہی تھا۔

درمیان والی گاڑی سے ایک لڑکا نمودار ہوا جس کی عمر غالباً 20 کے قریب تھی اور اُس کے دائیں اور بائیں طرف گارڈ موجود تھے۔یہ وہی لڑکا تھا جسے صبح ولی اور محمد نے کالج میں پیٹا تھا، ولید خان بلوچ۔

اُس لڑکے کو دیکھ کر ولی کے ہونٹوں پر تنزیہ مسکراہٹ اُبھر آئی تھی جو وہاں کھڑے تمام لوگوں کو اندر تک سُلگانے کے لیے کافی تھی۔

''فائینلی! تم میرے ہاتھ لگ ہی گئے۔'' وہ اُس کی مسکراہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

یہ سوچ کر ولی کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی کہ ''اِسے کیسے معلوم کہ میں یہاں موجود ہوں۔''

''کیا سوچ رہے ہو؟ یہی کہ مجھے کیسے معلوم ہوا کہ تم اِس وقت یہاں ہو، ہے نا؟ تو تمہاری گاڑی خراب کروانے والا میں تھا، اس ایریے میں میں نے جیمرز لگوائے ہوئے ہیں تاکہ تم مجھ سے ملے بغیر یہاں سے جا نہ سکو۔'' ولید بلوچ اس کا چہرہ دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔

''تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ کوئی بہت بڑے ہیرو ہو؟ تمہاری اوقات ذرّہ برابر بھی

نہیں ہے۔'' وہ نفرت سے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

ولی اُس کی یہ بات سُن کر ہنسنے لگا تھا جس پر اُن سب کے منہ کھل گئے تھے، گن پوائنٹ پر بھی کوئی ایسے ہنس سکتا ہے بھلا؟ یہ سوچ کر ان کا دماغ بھک سے اُڑ گیا تھا۔

''میری طاقت کا اندازہ تو مجھے اُس وقت ہی ہو گیا تھا جب مجھے مارنے کے لیے تمہیں ان کتوں کی فوج جمع کرنی پڑی تھی۔'' یہ بات سُن کر تو اُن کو آگ ہی لگ گئی تھی۔

وہ شدید غصے میں آگے بڑھا اور اُس نے ولی کے کن پٹی پر اپنی پسٹل کی نالی جمادی، اُس کی ہاتھ میں غالباً گلاک 19x تھی جو کہ ولی کا کام تمام کرنے کے لیے کافی تھی۔

''اگر میں مر بھی گیا۔۔۔ تو یاد رکھنا، وہ تمہیں زمین کے نیچے سے بھی نکال لائے گا۔ تم بھاگ سکتے ہو، مگر بچ نہیں سکتے اور۔۔۔'' ولی ابھی بول ہی رہا تھا کہ ولید خان بلوچ کچھ سوچ کر پیچھے ہٹنے لگا، اُس نے اپنی گن آہستہ سے اُس کی کنپٹی سے ہٹائی، جیسے کوئی آخری لمحے کا فیصلہ کر رہا ہو، پھر اچانک۔

ولی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اُس نے 4 گولیاں اُس کے وجود میں اُتار دیں۔

وہ گھوم کر پیچھے کی طرف جا گرا، ایک لمحہ۔۔۔ بس ایک لمحہ پہلے سب کچھ معمول پر تھا۔ وہ اُس کے سامنے کھڑا تھا، حیرت، غصہ، اور بے یقینی اُس کی آنکھوں میں لرز رہی تھی۔

اس نے پہلی گولی چلائی تو اس نے ہوا کو چیرتے ہوئے اُس کے سینے کو چاک کر دیا تھا۔ ایک تیز، جھٹکا سا لگا، جیسے کسی نے اندر سے روح کو کھینچ لیا ہو۔ وہ پیچھے لڑکھڑایا، مگر کھڑا رہا۔

دوسری گولی دائیں کندھے میں لگی۔ اب کی بار جسم نے ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ گھٹنوں میں کمزوری

اترنے لگی، سانس پھٹنے لگا۔

تیسری اور چوتھی گولیوں کی آوازیں تو اُس نے سنی ہی نہیں۔ صرف ایک جھٹکا محسوس ہوا تھا۔۔۔ اور وہ گھوم کر پیچھے کی طرف جا گرا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے دل کے آس پاس آگ لگا دی ہو۔ جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا، مگر اندر ایک عجیب سی جلن باقی تھی۔

وقت سست پڑ گیا تھا۔

اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین اُسے اپنی آغوش میں لینے کو بے قرار ہو۔ آنکھوں کے آگے سب کچھ دھندلا ہونے لگا۔

اُس کی نظریں اُس پر تھیں۔۔۔ جس نے گولیاں چلائیں۔

ولی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جا رہا تھا۔

زمین نے اُسے تھام لیا تھا۔

سردی نے اُس کے بدن کو آگھیرا تھا۔
سانسوں کی تعداد گنتی سے نکل چکی تھی۔
دل۔۔۔ہاں،دل ابھی دھڑک رہا تھا۔۔۔پر کب تک؟
اور پھر۔
سب کچھ ساکت ہو گیا۔
اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں تھیں،وہ کسی اندھیرے کنویں میں گرتا جا رہا تھا،وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگا تھا اور پھر بس۔

رخصت ہوا تو بات مری مان کر گیا
جو اس کے پاس تھا وہ مجھے دان کر گیا

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

★。° ✦ °。★

رات کے کسی سنّاٹے میں،جب پوری دنیا نیند کی آغوش میں تھی،حنین کی آنکھیں کسی ان دیکھے خوف کے زیرِ اثر بند تھیں،مگر اُس کا دل بے چین تھا،جیسے کوئی پکار رہا ہو،کوئی قریب آ کر چیخ رہا ہو۔اچانک سناٹا ٹوٹا،اور منظر بدل گیا۔
وہ کسی انجانی جگہ پر کھڑی تھی،ہر طرف گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔اُس کے پیروں کے نیچے کھردری زمین تھی،اور سامنے۔۔۔ایک بہت گہری کھائی۔اتنی گہری کہ اگر کوئی پتھر بھی اُس میں پھینکا جاتا،تو اُس کے گرنے کی آواز بھی سنائی نہ دیتی۔
حنین اُس کھائی کے بالکل کنارے پر کھڑی تھی۔ہوا تیز چل رہی تھی،اُس کی زلفیں چہرے پر بکھر چکی تھیں،اور دل میں ایک عجیب سا خوف اترتا جا رہا تھا۔وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی،لیکن جیسے پاؤں زمین سے جُڑ گئے ہوں۔جیسے کوئی نادیدہ قوت اُسے اُس کنارے پر روک کر کھڑا رکھنا چاہتی ہو۔
"حنین خان آفریدی!"
یہ آواز اچانک اُس کے کانوں میں گونجی۔آواز مانوس تھی۔۔۔درد سے بھری ہوئی اور عجیب طور پر قریب بھی۔
حنین نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا،مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔
"کون ہے؟"اُس کے لبوں سے بمشکل آواز نکلی،مگر گلا جیسے خشک ہو چکا تھا۔
پھر اچانک،کسی نے پیچھے سے اُسے ہلکا سا دھکا دیا۔وہ لڑکھڑائی،اور جیسے ہی سامنے کی طرف جھکی،اُس کی زوردار چیخ نکلی اور۔۔۔وہ ہڑبڑا کر جاگ اُٹھی۔
کمرے میں مدھم روشنی تھی۔وہ اپنی ہی بیڈ پر تھی،بالکل محفوظ۔لیکن اُس کا چہرہ پسینے سے تر تھا،سانس بے ترتیب،دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
کچھ لمحے اُسے یہ سمجھنے میں لگے کہ یہ سب خواب تھا۔۔۔بس ایک خواب۔مگر اتنا سچّا،اتنا زندہ کہ اُس کا پورا وجود لرز گیا تھا۔
حنین نے کانپتے ہاتھوں سے پانی کا جگ اُٹھایا اور گلاس میں اُنڈیلا۔پانی پیتے ہوئے بھی اُس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔
پھر اچانک اُس کے دل میں ایک چبھن سی ہوئی۔نہ جانے کیوں،اُس کے دل میں بے چینی کی ایک

لہر سی دوڑ گئی تھی۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اُس نے اپنے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کچھ لمحوں تک صرف فون کی سکرین کو گھورتی رہی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ ایک انجانی بے چینی، ایک انجان سا خوف۔۔۔ جیسے کچھ ہونے والا ہو۔۔۔ یا شاید ہو چکا ہو؟

حنین بیڈ سے اتر آئی، وہ کھڑکی کے پاس گئی۔ باہر رات کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا، جیسے آسمان بھی کسی بڑے سانحے سے پہلے کا بوجھ لیے بیٹھا ہو۔

حنین نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔

وہ واپس پیچھے کی طرف مڑی اور پھر اُس نے تہجد ادا کرنے کی نیت سے اپنے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے تھے۔

★。 ° ✦ ° 。★

وہ یہ بات جان گیا تھا کہ اُس پر آزمائش آنے والی ہیں جس میں اُس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دینا، جس میں اُس نے کہنا ہے کہ ''ہم اللہ ہی کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بیڈ پر رکھا اُس کا اسمارٹ فون بجنے لگا، کسی Unknown نمبر سے کال آ رہی تھی اس نے آدھے بنے تیر کے نشان کو دائیں طرف سلائیڈ کیا اور پھر فون کان سے لگا لیا۔

اُس نے جیسے ہی فون کان سے لگایا، اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑتا گیا، کال کے سیکنڈز جیسے جیسے بڑھتے جا رہے تھے، اُس کے چہرے کی ہوائیاں اُڑتی جا رہی تھیں۔

''کس جگہ؟'' مخاطب کی بات ختم ہوتے ہی اُس کے منہ سے صرف یہی ایک لفظ نکلا تھا۔

وہ اپنے سوال کا جواب لیتے ہی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا وہاں سے اُس نے اپنی گاڑی

کا ریموٹ اُٹھایا اور وہ ننگے پاؤں ہوا اس باختہ باہر کی طرف دوڑا۔

گارڈ نے جیسے ہی اُس کی گاڑی کو گیٹ کی طرف آتے دیکھا وہ فوراً بو کھلا کر گیٹ کی طرف بھاگا۔

محمد نے زن کی آواز سے گاڑی کو وہاں سے نکالا، وہ اپنے ہوا س کھوتا جا رہا تھا مگر اُسے وہاں پہنچنا تھا، اُسے اُس کی ضرورت تھی، اُسے کسی بھی طرح جلد از جلد وہاں پہنچنا تھا۔

''یا اللہ! اتنی جلدی؟ اُسے تھوڑی مُدت اور دے دینی تھی، اُسے تھوڑا وقت اور دے دینا تھا، کیا اُس کی بس اتنی ہی زندگی تھی؟ کیا وہ تجھے جانے بغیر ہی یہ دنیا چھوڑ جائے گا؟'' وہ اپنے منہ میں بڑبڑا رہا تھا، وہ اللہ سے مخاطب تھا۔

اُس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُڑ کر اُس کے پاس پہنچ جائے۔

''میرے مالک! اُسے تھوڑا سا وقت اور دے دیں، اُسے اتنا وقت دے دیں کہ وہ آپ کو پہچان سکے، آپ کی ذات کو جان سکے، اُسے کچھ مہلت اور دے دیں، اُس نے تو ابھی آپ کی طرف بھی بڑھنا تھا، اُس نے تو ابھی آپ کی حقیقت کو بھی جاننا تھا۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح گڑگڑا رہا تھا، وہ اپنے بھائی کے لیے تھوڑا سا اور وقت مانگ رہا تھا، وہ اللہ کے سامنے ایسے گڑگڑا رہا تھا جیسے ایک بچہ اپنی ماں کے سامنے روتا اور بِلکتا ہے۔

''اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے

نقصان سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ (یہی) لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' اُس کے دماغ میں وہی آیت آئی جو کچھ دیر پہلے اُس کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔

وہ رو رہا تھا، اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں، اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں تھیں، وہ اللہ کے فیصلے کا انکار نہیں کر رہا تھا، وہ بس اُس سے دعا کر رہا تھا، وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح اپنے خدا کے سامنے التجا کر رہا تھا۔

اُسے آزمایا جا رہا تھا، ہاں یہ آزمائش سخت تھی، یہ آزمائش بہت سخت تھی، اسے خوف تھا، وہ ڈر رہا تھا، اُسے خوف کے ذریعے آزمایا جا رہا تھا، اُسے جان کے ذریعے آزمایا جا رہا تھا "اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔"

اُس کے دماغ میں بار بار یہ آیت آ رہی تھی، اُس کا دماغ سُن ہو رہا تھا، ایک دو بار تو اُس کی گاڑی دوسری گاڑی میں لگتی بچی تھی۔

"تم نے صبر کا دامن نہیں چھوڑنا، تم نے صبر کرنا ہے، تم نے مضبوط رہنا ہے، اگر اللہ نے چاہا تو اُسے کچھ نہیں ہو گا۔" اُس کے اندر سے کوئی بولا تھا، اُسے کوئی صبر کی تلقین کر رہا تھا، کوئی ثابت قدم رہنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"میں صبر کیسے کروں؟ مجھے اسباب نظر نہیں آ رہے، میرے سامنے اسباب نہیں ہیں۔" وہ بلک پڑا تھا، وہ اپنے آپ سے اُلجھ پڑا تھا۔

"اسباب ساتھ نہیں ہیں، مگر خدا تو ہے نا؟ اسباب نظر نہیں آ رہے، مگر خدا تو نظر آ رہا ہے نا؟" اُس کے اندر سے پھر کوئی بولا تھا، اُسے پھر کسی نے حوصلہ دیا تھا، پھر کسی نے اُس کو تسلی دی تھی۔

کیا خدا بھی نظر آتا ہے؟ ہاں! وہ نظر آتا ہے، بلکہ وہی تو نظر آتا ہے جب کوئی نظر نہیں آتا۔

اُس نے اپنی شرٹ کے بازوؤں سے اپنی آنکھیں صاف کیں، اُس نے صبر کرنے کی ٹھان لی تھی، اُس نے یہ کہنے کی ٹھان لی تھی کہ

"ہم اللہ ہی کے لیے ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

وہ شاک سے نہیں نکلا تھا، وہ دُکھ سے بھی نہیں نکلا تھا، اُسے معلوم تھا کہ اُسے صبر کرنا ہے، اُسے اپنے رب کی رضا میں راضی رہنا ہے۔

رضائے رب پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا خالق، خدا مالک، خدا کا حکم تُو کیسا؟

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے، اُس کے ساتھ اُس کا اللہ ہے، وہی اُس کی دعا بھی قبول کرے گا، وہی اُس کی مدد بھی کرے گا۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا فون اُٹھایا، اُس نے جیسے ہی فون کا لاک کھولا سامنے ایک Reel چل رہی تھی جو شاید وہ پہلے دیکھ رہا تھا اور اُس نے فون اُس Reel کے چلتے ہوئے ہی بند کر دیا تھا۔

"[میں تو تمہارے پاس ہی ہوں]، [جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں]، [تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑ دیا اور نہ تُم سے ناراض ہی ہوا، تمہارا پروردگار تمہیں عنقریب اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے]، [بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے]، [دیکھو! اللہ کی مدد عنقریب آیا چاہتی ہے] (القرآن)"

کسی نے قرآن کی مختلف سورۃ سے چند آیات لے کر ایک کلپ میں شامل کی ہوئی تھیں، محمد کی نظریں اور سماعت ساکت ہو گئی تھیں، قرآن ہر دفعہ اُسے ایسے ہی حیران کیا کرتا تھا اور وہ ہر دفعہ حیران ہو جایا کرتا تھا، اُس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو بھر آئے تھے۔

اُسے یاد آیا تھا کہ اللہ خود فرماتا ہے کہ وہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ یہ بات کیسے بھول گیا تھا، وہ کیسے بھول گیا تھا کہ اُسے تسلّی نہیں دی جائے گی، وہ کیسے اس بات کو فراموش کر بیٹھا تھا کہ اُس کی مدد نہیں کی جائے گی، اُسے کیسے اکیلا چھوڑ دیا جاتا؟ اُسے کیسے اس مشکل وقت میں تنہا چھوڑ دیا جاتا؟

ویسے خدا کا امتحان بھی کمال کا ہوتا ہے، امتحان بھی لیتا ہے اور گرنے بھی نہیں دیتا، اپنی مدد بھی بھیج دیتا ہے، یہ بھی بتا دیتا ہے کہ تم نے گھبرانا نہیں ہے، میں تمہارے پاس ہوں، میں تمہاری مدد

کے لیے موجود ہوں، تم جب مجھ سے مانگو گے، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

آخر کار وہ اُس جگہ پر پہنچ گیا تھا جہاں کا اُسے ایڈریس دے کر بلایا گیا تھا۔

وہاں اس وقت صرف ولی کی گاڑی موجود تھی جس کے ساتھ ایک دیہاتی سا آدمی لگا کھڑا تھا۔ وہ محمد کو دیکھتے ہی اُس کی طرف لپکا تھا۔

''ولی کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ؟'' محمد تقریباً پورے حلق سے دھاڑا تھا جس سے اُس دیہاتی آدمی کا پورا جسم لرز گیا تھا۔

گاڑی کی ایک طرف بہت سا خون تھا جبکہ اُس کے بالکل سامنے گاڑی کے ٹائرز کے نشان تھے، وہ پاگلوں کی طرح اُسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا اور پھر اُس دیہاتی آدمی نے بولنا شروع کیا تھا۔

★。° ✦ °。★

کچھ دیر پیچھے چلتے ہیں جب محمد گھر سے گاڑی پر نکلا تھا۔

''صاحب! صاحب!'' وہ ریان صاحب کے کمرے کا دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ محمد کے گھر سے نکلتے ہی گارڈ ریان صاحب کے پاس بھاگ آیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد، ہانپتا ہوا گارڈ ریان صاحب کو کچھ بتا رہا تھا، گارڈ کی بات سُن کر وہ

فوراً واپس کمرے کی طرف دوڑے اور کچھ ہی سیکنڈز میں وہ واپس باہر آئے تھے۔

اب وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر رہے تھے، تھوڑی دیر بعد وہ مین سڑک پر اپنی گاڑی دوڑا رہے تھے، وہ بے چینی سے اپنی پیشانی مسلتے جا رہے تھے، اُن کی گاڑی محمد کی گاڑی سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔

محمد جیسے ہی وہاں پہنچا تھا، ریان صاحب کی گاڑی بھی کچھ دیر بعد محمد کے پیچھے کھڑی تھی۔

محمد کبھی ولی کی گاڑی کو دیکھتا، کبھی وہاں بہے خون کی طرف نظریں جماتا، اب محمد وہاں کھڑے ایک شخص پر چیخ رہا تھا اور اُس شخص نے ساتھ ہی کچھ کہنا شروع کر دیا تھا۔

ریان صاحب گاڑی میں بیٹھے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ گاڑی سے ابھی نہیں نکلے تھے، وہ بس گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے محمد کو دیکھ رہے تھے۔

★。° ✦ °。★

''ولی کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ؟'' محمد تقریباً پورے حلق سے دھاڑا تھا جس سے اُس دیہاتی آدمی کا پورا جسم لرز گیا تھا۔

گاڑی کے ایک طرف خون پھیلا ہوا تھا، اور اُس کے آگے سڑک پر گاڑی کے ٹائروں کے گہرے نشانات تھے، وہ پاگلوں کی طرح اُسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔

''یہاں تین گاڑیاں آئیں تھیں، سیاہ رنگ کی تھیں وہ۔''اس شخص نے ڈرتے ہوئے بولنا شروع کیا تھا۔

''اُن گاڑیوں میں سے بہت سے لوگ نکلے تھے، انہوں نے سیاہ رنگ کی وردی بھی پہنی ہوئی تھی، پھر درمیان والی گاڑی میں سے ایک نوجوان نکلا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک گن تھی۔'' وہ کبھی محمد کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی ولی کی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

''ایک نوجوان، جو اس گاڑی کے پاس کھڑا تھا، اُسے اُس لڑکے نے چار گولیاں ماری تھیں، پھر''

''پھر اچانک سے ایک اور گاڑی آئی تھی، وہاں سے۔''وہ اس طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں سے باقی کی گاڑیاں کچھ دیر پہلے آئیں تھیں، محمد کے ہاتھ کانپ رہے تھے، وہ سمجھ نہ پایا کہ ولی کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

''اُس گاڑی میں سے تقریباً 26-28 برس کا نوجوان نکلا تھا جس نے دوڑ کر اُس پہلے والے نوجوان کے ہاتھ سے گن چھین لی تھی، اُن دونوں کے درمیان کوئی بحث ہونے لگی تھی، اور پھر بعد میں آنے والے نوجوان نے اُن لوگوں کو حکم دیا کہ اِسے اُٹھا کر گاڑی میں ڈالو۔''وہ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سب بتا رہا تھا جو اُس نے دیکھا تھا، محمد ضبط کیے اُسے سُن رہا تھا، وہ ساتھ ساتھ بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ بھی پھیر رہا تھا۔

''اُن کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی تو میں ڈر گیا تھا، مگر بعد میں آنے والے نوجوان نے مجھے یہ فون اور کچھ پیسے دیے اور کہا کہ میں اس نمبر پر کال کروں۔'' وہ اپنے ہاتھوں میں پکڑے کچھ پیسے اور ولی کا فون دکھا رہا تھا جو لاکڈ تھا، اُس نے ایک چھوٹا سا بٹنوں والا پرانا فون بھی دکھایا تھا جو اُس شخص کا تھا اور جس سے شاید اُس نے کال کی تھی۔

''پھر وہ لوگ یہاں سے چلے گئے، مگر جس نے گولیاں چلائی تھیں، وہ نوجوان اُس بعد میں آنے والے نوجوان سے سہم کر بات کر رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں بھائی ہوں۔''وہ مزید وضاحت دے رہا تھا۔

''وہ دکھتے کیسے تھے؟ اُن کا حلیہ کیسا تھا؟ اگر انہیں دیکھو گے تو کیا تم انہیں پہچان جاؤ گے؟''آخر کار محمد نے اپنی خاموشی توڑی تھی، ریان صاحب ابھی بھی اپنی گاڑی میں بیٹھے تھے اور فون پر

کچھ کہہ رہے تھے، وہ شاید اپنی مسز کو تسلی دے رہے تھے۔

''میں نے بعد میں آنے والے نوجوان کو صحیح سے دیکھا تھا کیونکہ وہ مجھے یہ سب دینے میرے پاس آیا تھا، اُس کا قد تقریباً چھے فٹ کے قریب تھا، چوڑا سینا، شیو کی ہوئی تھی، غرض کہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی امیر زادہ تھا۔''وہ شخص اپنی ہی دھن میں بول رہا تھا اور محمد کو تو مانو آگ ہی لگ گئی تھی جیسے وہ اُس کا حلیہ بیان کر رہا تھا۔

''تم اتنی رات کو یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' کانوں میں آواز پڑتے ہی محمد ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف مڑا تھا۔

وہ ریان صاحب کو اپنے عین پیچھے کھڑا دیکھ پوری طرح سے گھبرا گیا تھا۔

''وہ۔۔۔ بابا۔۔۔ ولی۔۔'' محمد کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

''کیا وہ وہ لگائی ہوئی ہے تم نے محمد؟'' اُن کی آواز میں ایک رعب تھا جس کی وجہ سے محمد سہم گیا تھا۔

''میں نے تم سے پوچھا ہے کہ تم اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ وقت کیا ہوا ہے؟'' وہ محمد پر تقریباً برس پڑے تھے۔

''بابا! ولی کو انہوں نے شُوٹ کر دیا ہے، اُسے چار گولیاں لگی ہیں، پتا نہیں وہ زندہ بھی ہو گا یا۔'' وہ ایک بار پھر ٹوٹ پڑا تھا، ابھی جو خود کو سنبھالا ہوا تھا، بابا کے سامنے وہ ضبط نہ رکھ سکا، وہ بکھر گیا تھا، جیسے کوئی بچہ جس کے ہاتھ سے سب کچھ چھن جائے۔

''منہ بند کرو،اُس لڑکے نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ ہمیں پورے خاندان میں ذلیل کر کے چھوڑے گا۔'' ریان صاحب کی آنکھیں غصّے سے لال ہو رہی تھیں۔

''بابا اُسے گولیاں لگی ہیں،وہ۔۔۔وہ یہاں گرا تھا۔'' محمد نے اُس طرف اشارہ کیا تھا جہاں خون پڑا ہوا تھا۔

''کتنے پیسے دیے ہیں اُس نے تمہیں اس ڈرامے کے؟ہاں بولو!''ریان صاحب اچانک اُس شخص کی طرف مڑے تھے جس نے محمد کو کال کی تھی،وہ نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''کتنی قیمت لگائی ہے تم نے اپنی زبان کی؟کتنے میں بِکے ہو اُس آوارہ کے ہاتھ؟'' وہ آنکھوں میں سختی لیے اُس شخص سے پوچھ رہے تھے جو ایسے چپ کھڑا تھا جیسے اُس کے منہ میں زبان ہی نا ہو۔

''بابا!آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''محمد نا سمجھی اپنے بابا کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''کیا تمہیں نہیں معلوم؟تم نہیں جانتے اُس کا پوری پوری رات باہر رہنا؟تم نہیں جانتے اُس کا کلبز میں وقت ضائع کرنا اور نشے اور جوئے میں پیسا اُڑانا؟تم نہیں جانتے کیا؟'' ریان صاحب غصے سے محمد کی طرف دیکھتے ہوئے پھنکارے تھے۔

''آج تک اُس نے ہمیں کوئی خوشی دی ہے؟جب سے پیدا ہوا ہے اُس نے ہمیشہ ہمیں خوار کیا ہے،کبھی سکول سے سسپینڈ ہو رہا ہے تو کبھی کالج سے، کبھی کسی سے جھگڑا کرنے چلا جاتا ہے تو کبھی کسی سے،یہ بھی اُس کی کوئی نئی چال ہے ہمیں خوار کرنے کی۔''محمد اُن کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا،وہ اندر ہی اندر مر رہا تھا،وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنے بابا کو کیسے یقین دلائے۔

''چلو اب تم یہاں سے،اگر آج وہ سچ میں مر بھی جاتا ہے تو مجھے اس بات کا کوئی دُکھ نہیں ہو گا۔''وہ محمد کو آخری بات کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ گئے تھے،محمد چپ چاپ سر جھکائے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ اب گاڑی میں بیٹھنے کے بعد کسی کو کال کر رہے تھے،وہ ولی کی گاڑی گھر پہنچانے کا کہہ رہے تھے،وہ اب اپنی گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے،محمد کی گاڑی میں بھی حرارت پیدا ہوئی تھی،اب دونوں گاڑیاں سڑک پر ایک دوسرے کے پیچھے رواں دواں تھیں۔

★。゜ ✦ ゜。★

''کیا ضرورت تھی اُسے اتنی بے رحمی سے شُوٹ کرنے کی؟'' وہ غصے سے اپنے بھائی کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ جانتے بھی ہیں اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟'' ولید کے لہجے میں دباد باغصہ تھا۔

''اس نے تمہارے ساتھ جو بھی کیا تھا،مگر کم از کم اتنی بے رحمی سے شُوٹ نہیں کیا تھا۔'' شہداد نے اس پر پھر سے تیز نظر ڈالی تھی۔

''کیا یہ وہی لڑکا ہے جس سے کالج میں تمہارا جھگڑا ہوا تھا؟'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شہداد نے ولید سے پوچھا۔

''ہاں جی!'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو ولید۔'' شہداد نے اپنے سر کو پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

شہداد بالکل اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کالج میں ہونے والے اس چھوٹے سے جھگڑے کو ولید اس حد تک لے جائے گا۔

''شہداد بھائی! آخر لگتا کیا ہے وہ آپ کا جو آپ اس کی اتنی طرف داری کر رہے ہیں؟'' ولید اپنے بھائی کے اس طرح پریشان ہونے پر زچ ہو رہا تھا۔

''اس لڑکے سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے، مگر تم سے ہے۔ تم میرے چھوٹے بھائی ہو ولید! اگر آج وہ لڑکا مر جاتا ہے اور اس کا خاندان ہم تک پہنچ جاتا ہے تو تمہیں جیل جانے سے ہم کیسے بچائیں گے؟'' شہداد نے اپنی پریشانی اس کے سامنے رکھی تھی۔

''بابا سب سنبھال لیں گے۔'' ولید نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''وہ لڑکا دکھنے میں کسی مڈل کلاس فیملی سے نہیں لگتا، وہ بھی کسی طاقتور خاندان کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ تم میری بات کو کیوں نہیں سمجھ رہے ہو؟''

شہداد اسے وہ نقطہ نہیں سمجھا پا رہا تھا جسے وہ خود دیکھ رہا تھا۔

''بات کو آپ نہیں سمجھ رہے ہیں شہداد بھائی! کیا آپ کو لگتا ہے کہ ہم اتنے گرے پڑے لوگ ہیں جو کوئی بھی آسانی سے ہمارے گریبان تک ہاتھ ڈال لے گا؟'' ولید کی آواز ذرا بلند ہوئی تھی۔

''یہی بات تم اس لڑکے کے خاندان کے بارے میں سوچ کر دیکھو کہ کیا وہ اتنے ہی گرے پڑے ہوں گے جو اپنے بچے کو شوٹ کرنے والے کو اتنی آسانی سے چھوڑ دیں گے؟'' شہداد نے ولید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

شہداد کی بات سن کر ولید مزید کچھ بھی نہ بولا۔ شاید اُسے کہیں نہ کہیں اب محسوس ہوا تھا کہ جو قدم وہ غصے میں اٹھا چکا ہے اس کا انجام کیا ہونے والا ہے، اس بات کو وہ بھول بیٹھا تھا۔

''گاڑی کو پرانی حویلی کی طرف موڑ لو، ہم یہ بات گھر تک نہیں جانے دے سکتے۔ شمیر کو فون کر کے بولو کہ فوراً ڈاکٹر کو لے کر پرانی حویلی میں پہنچے۔''

شہداد اپنے گارڈ کو ہدایات دینے لگا تھا۔ ولید گردن موڑے چپ چاپ سب کچھ سن رہا تھا۔

اُن کی گاڑیاں قطار در قطار آگے بڑھ رہی تھیں جن میں سے ایک میں ولی کا خون میں لت پت وجود بھی موجود تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ ہم اس کی جان بچانے میں کامیاب ہو ہی جائیں۔'' شہداد کے دل میں ایک آخری امید تھی جو ابھی بھی زندہ تھی۔

★。° ✦ °。★

گھر واپس آنے کے بعد ریان صاحب سیدھا اپنے کمرے میں چلے گئے تھے جبکہ محمد بھاری قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ پوری رات اُس کی آنکھوں میں گزری تھی۔ نہ وہ ایک لمحہ سکون سے بیٹھ پایا تھا اور نہ ہی اُس کے ذہن میں اٹھنے والے خوفناک خیال اُس کا پیچھا چھوڑ رہے تھے۔

کمرے کی مدھم روشنی میں وہ کبھی کھڑکی کے پاس جا کر باہر اندھیرے میں جھانکتا، کبھی بے چینی سے کمرے میں چکر لگانے لگتا۔

وہ رات کے اُس پہر باہر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ریان صاحب گارڈز کو سختی سے ہدایات دے چکے تھے کہ محمد گھر سے باہر نہ نکلے۔ اوپر سے دوبارہ کوئی فون کال بھی نہیں آئی تھی جس سے ولی کے بارے میں کچھ پتا چلتا۔

ہر گزرتے منٹ کے ساتھ محمد کے دل پر خوف اور بے بسی کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

آخر کار صبح ہوئی۔ سورج کی روشنی پردوں سے چھن کر اندر آنے لگی جب محمد اپنے بابا کے کمرے کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔

اندر ریان صاحب آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑے ٹائی درست کر رہے تھے جب محمد نے دھیرے سے دروازہ ناک کیا۔

''بابا... وہ ابھی تک نہیں آیا۔'' اُس کی آواز رات بھر کی جاگ اور رونے کی وجہ سے بھاری ہو چکی تھی۔

محمد کی بات سن کر ریان صاحب کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے، مگر اگلے ہی پل وہ دوبارہ

اپنی ٹائی سیدھی کرنے لگے۔

''بابا، آپ کو اُسے تلاش کرنا چاہیے۔'' محمد اب اُن کے قریب آ گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر صاف گھبراہٹ تھی۔

ریان صاحب نے آئینے میں اُس کی طرف دیکھا، پھر بے نیازی سے بولے۔

''پڑا ہو گا کسی کلب میں۔ آ جائے گا خود ہی۔''

''بابا!'' محمد کی آواز اس بار اونچی ہوئی تھی۔ ''آپ کیوں نہیں مان رہے کہ وہ مشکل میں ہے؟''

ریان صاحب نے گہری سانس لی، پھر اُس کی طرف مڑے۔

''کیونکہ مجھے اُس پر رتی برابر بھی بھروسہ نہیں ہے۔'' اُن کا لہجہ سرد تھا۔ ''وہ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا آیا ہے۔ دو دو دن غائب رہنا، فون بند رکھنا،

لوگوں کو پریشان کرنا... یہ اُس کے لیے نئی بات نہیں ہے۔''

''مگر اِس بار بات الگ ہے!'' محمد تقریباً گڑگڑا اٹھا تھا۔ ''بابا، اُسے گولیاں لگی ہیں...''

یہ کہتے کہتے اُس کی آواز ٹوٹ گئی۔

ریان صاحب کی آنکھوں میں ایک لمحے کو عجیب سی سختی ابھری، جیسے وہ خود بھی اندر سے ٹوٹ رہے ہوں مگر ماننا نہیں چاہتے۔

''اگر وہ زندہ ہے تو واپس آ جائے گا۔'' وہ آہستہ مگر سخت لہجے میں بولے۔ ''اور اگر

نہیں...''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

محمد وہیں ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔ اُسے پہلی بار محسوس ہوا تھا کہ انسان لوگوں کے درمیان رہ کر بھی کتنا اکیلا ہو سکتا ہے۔

کچھ دیر بعد جب وہ نیچے آیا تو ریان صاحب جا چکے تھے۔ ڈائننگ ایریا میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ مسز ریان ملازمہ سے برتن اٹھوا رہی تھیں۔

جیسے ہی اُن کی نظر محمد پر پڑی، وہ ٹھٹک گئیں۔ محمد کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا، آنکھیں سرخ تھیں اور حالت ایسی لگ

رہی تھی جیسے کئی دنوں سے سویا نہ ہو۔

''ولی کہاں ہے، محمد؟'' انہوں نے فوراً پوچھا۔

محمد کے قدم وہیں رک گئے۔

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا ہو۔ وہ اپنی ماں کو کیا بتاتا؟ کیا یہ بتاتا کہ اُن کے بیٹے کو چار گولیاں لگی ہیں؟ یا یہ کہ

شاید... شاید وہ اب تک زندہ بھی نہ ہو؟

''محمد... میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' مسز ریان اب اُس کے بالکل سامنے آ

کھڑی ہوئی تھیں۔

محمد نے لب کھولے مگر آواز نہ نکلی۔

اُس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی اور یہ دیکھ کر مسز ریان کے دل میں خوف سا جاگا۔

''تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟'' انہوں نے بے چینی سے اُس کے کندھے پکڑ لیے۔ ''کل رات سے میں ولی کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ اُس کا فون بند جا رہا ہے۔ تمہارے بابا بھی عجیب باتیں کر رہے ہیں... آخر ہوا کیا ہے؟''

محمد نے نظریں چرا لیں۔

''محمد، خدا کے لیے کچھ بولو!'' اس بار اُن کی آواز کانپ گئی تھی۔

وہ ماں تھیں۔ اُنہیں فوراً اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی بہت بڑی بات اُن سے چھپائی جا رہی ہے۔

''کل رات تم لوگ کہاں گئے تھے؟'' اُنہوں نے جلدی جلدی پوچھا۔ ''اور تمہارے بابا نے کیوں کہا کہ بس چھوٹا سا مسئلہ تھا؟... محمد، ولی کہاں ہے؟''

آخری جملے تک پہنچتے پہنچتے اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

محمد جو رات بھر خود کو سنبھالے ہوئے تھا، اب ٹوٹ گیا۔

وہ ایک دم آگے بڑھا اور اپنی ماں کے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''مما...'' اُس کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔ ''مجھے معاف کر دیں... میں ولی کو بچا نہیں سکا۔'' مسز ریان جیسے سن ہو گئی تھیں۔

چند لمحوں تک وہ بالکل ساکت کھڑی رہیں، پھر جلدی سے محمد کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''ک... کیا مطلب؟'' اُن کی سانسیں تیز ہونے لگی تھیں۔ ''وہ ٹھیک ہے نا؟ محمد، مجھے بتاؤ وہ ٹھیک ہے نا؟''

محمد روتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کل رات کا سارا واقعہ سنانے لگا۔

جیسے جیسے وہ بولتا جا رہا تھا، مسز ریان کی آنکھوں میں خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھیں، جیسے اُن کا دل حقیقت ماننے سے انکار کر رہا ہو۔

''نہیں... نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا...'' اُن کے لب کپکپا رہے تھے۔ ''تم لوگ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو نا؟ ولی کو کچھ نہیں ہوا نا؟''

محمد نے نظریں جھکا لیں۔ یہی خاموشی اُن کے لیے سب سے بڑا جواب تھی۔

مسز ریان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ محمد نے فوراً آگے بڑھ کر اُنہیں سہارا دیا۔

''مما، پلیز... آپ بیٹھ جائیں۔'' اُس نے انہیں صوفے تک بٹھایا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھی تھیں جبکہ آنسو مسلسل اُن کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

محمد چند لمحے اُن کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں نہ جائے... اپنی ماں کے پاس ہی بیٹھا رہے۔ مگر اگلے ہی لمحے ولی کا خیال اُس کے ذہن میں آیا۔

اگر ولی کہیں زندہ ہوا... اور اُسے مدد کی ضرورت ہوئی تو؟ یہ خیال آتے ہی اُس نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

''مما...'' وہ اُن کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''میں اُسے ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔'' مسز ریان نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں، محمد... مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔'' اُن کی آواز بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ محمد کی آنکھیں دوبارہ بھر آئیں۔

''میں واپس آجاؤں گا... وعدہ کرتا ہوں۔'' اُس نے اُن کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے۔''مگر اگر ولی کہیں زخمی حالت میں ہوا تو... تو مجھے اُسے ڈھونڈنا ہوگا۔''

مسز ریان خاموشی سے روتی رہیں۔شاید وہ جانتی تھیں کہ اِس وقت محمد کو روکنا ممکن نہیں تھا۔

محمد نے آہستہ سے اُن کے ہاتھ چھوڑے، پھر اٹھ کر ملازمہ کو آواز دی۔

''مما کا خیال رکھنا... اِنہیں اکیلا مت چھوڑنا۔''

یہ کہہ کر وہ ایک بار مڑا۔اُس کی ماں اب بھی صوفے پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

محمد نے لب بھینچے، نظریں جھکائیں... اور پھر بھاری قدموں کے ساتھ گھر سے باہر نکل گیا۔

اُس نے جاتے جاتے جلدی سے اپنا فون نکالا تھا۔کانپتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ چند قدم دور جا کھڑا ہوا تاکہ اُس کی ماں اُس کی بات نہ سن سکیں۔

''یزمان؟'' کال اٹھتے ہی اُس نے بے صبری سے کہا تھا۔

''تم ابھی فیملی کو لے کر فوراً ہمارے گھر آؤ۔''

اُس کی نظریں بار بار ڈرائنگ روم کی طرف اٹھ رہی تھیں جہاں مسز ریان صوفے پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

''مما کی حالت ٹھیک نہیں ہے... پلیز اُن کے پاس رہنا جب تک میں واپس نہیں آجاتا۔''

سامنے سے شاید یزمان نے کچھ پوچھا تھا مگر محمد نے مختصر سا جواب دیا۔

''میں بعد میں سب بتاؤں گا... ابھی بس جلدی آؤ۔''

کال بند کرتے ہی اُس نے ایک گہری سانس لی، مگر اُس کے اندر کا اضطراب ذرا بھی کم نہ ہوا۔

وہ تیز قدموں سے باہر آیا۔صبح کی ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی مگر اُس کے جسم میں عجیب سی گرمی دوڑ رہی تھی۔چہرہ غصے، خوف اور بے بسی سے تپ رہا تھا۔

وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا، جھٹکے سے دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اگلے ہی لمحے اُسے مرکزی شاہراہ پر ڈال دی۔

سڑک پر گاڑیوں کا شور گونج رہا تھا مگر محمد کا ذہن کہیں اور ہی تھا۔اُس کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر بے چینی سے ہل رہی تھیں جبکہ رفتار مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

''اگر اُسے کچھ ہوا نا... خدا کی قسم میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا...''

اُس کی آنکھوں میں اب نمی کے بجائے خطرناک سی سختی اترتی جا رہی تھی۔

اور پھر اُس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں مزید زور سے دبا دیا تھا، جیسے اب اُس کا ایک ہی مقصد تھا... اپنے بھائی کو ڈھونڈ کر واپس لے آنا۔

★。° ✦ °。★

مسز ریان نے کانپتے ہاتھوں سے فوراً ریان صاحب کے آفس میں کال ملائی تھی۔اُن کی بے چینی اِس قدر بڑھ چکی تھی کہ فون کی ہر بیپ اُن کے دل کی دھڑکن مزید تیز کر رہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد کال اُٹھالی گئی۔

''سر اس وقت میٹنگ میں ہیں۔'' دوسری طرف سے کسی مرد کی مؤدب آواز سنائی دی۔''جیسے ہی وہ فری ہوتے ہیں، میں آپ کا پیغام اُن تک پہنچا دوں گا۔''

''اُن سے کہیے فوراً مجھ سے رابطہ کریں۔'' مسز ریان کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

سامنے والے نے مختصر سا''جی میم'' کہااور کال منقطع ہو گئی۔

گھر کے ڈرائنگ روم میں عجیب سی بے چین خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔مسز ریان بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھیں، جیسے اگلے ہی لمحے ولی اندر داخل ہو جائے گا اور کہے گا کہ سب ٹھیک ہے۔ مگر ہر گزرتے منٹ کے ساتھ اُن کے دل میں اٹھتا خوف مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

کچھ گھنٹوں بعد آخر کار ریان صاحب نے خود کال کی تھی۔شاید اُنہیں بتایا گیا تھا کہ ان کی مسز کئی بار آفس میں کال کر چکی ہیں۔

''ولی کہاں ہے؟'' کال جڑتے ہی مسز ریان نے وہی سوال کیا تھا جو وہ صبح سے ہر کسی سے پوچھ رہی تھیں۔

آفس میں بیٹھے ریان صاحب چند لمحے خاموش رہے، پھر انہوں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

''کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟'' اِس دفعہ اُن کے لہجے میں پہلی بار ہلکی سی تشویش ابھری تھی۔

''آپ بس فوراً گھر آئیں۔'' مسز ریان نے روتی ہوئی آواز میں کہا تھا۔''پلیز...''

اور اگلے ہی لمحے اُنہوں نے کال منقطع کر دی تھی۔

فون بند ہوتے ہی پہلی بار ریان صاحب کے دل میں بھی خطرے کی ہلکی سی لہر دوڑی تھی۔وہ چند لمحے اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہے، پھر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

''میٹنگ کینسل کرو۔'' انہوں نے اپنے سیکرٹری سے مختصر انداز میں کہا۔''اور باقی فائلیں شام تک پوسپون کر دو۔''اُن کا چہرہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ گھر پہنچے تو ڈرائنگ روم کا منظر دیکھ کر اُن کے قدم سست پڑ گئے۔

مسز ریان کی حالت خراب ہو چکی تھی۔آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ریان صاحب کو دیکھتے ہی وہ فوراً اُن کی طرف بڑھیں۔

''میرا بیٹا کہاں ہے؟'' اُن کی آواز ٹوٹ گئی تھی۔

ریان صاحب نے فوراً انہیں تھاما۔اگرچہ وہ خود بھی شدید پریشانی میں مبتلا تھے مگر پھر بھی اپنی بے چینی چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

گھر میں اس وقت مسز ارحم اور یزمان بھی موجود تھے۔یزمان، محمد کی کال پر فوراً اپنی ماں کو لے کر آ گئی تھی جبکہ مسز ارحم مسلسل مسز ریان کو دلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

محمد ابھی تک واپس نہیں آیا تھا،اور یہ بات بھی ریان صاحب تک پہنچ چکی تھی۔

اُنہوں نے کافی دیر تک اپنی وائف کو سنبھالنے کی کوشش کی، اُنہیں تسلیاں دیتے رہے، بار بار یہ یقین دلاتے رہے کہ ولی کو کچھ نہیں ہو گا۔
مگر اُن کی اپنی آواز میں بھی مکمل یقین موجود نہیں تھا۔
آخر کار وہ ایک وعدہ کر کے باہر نکل آئے۔
''میں اُسے ڈھونڈ لاؤں گا۔''
باہر آتے ہی اُن کا چہرہ یکدم بدل گیا تھا۔ آنکھوں میں سختی اتر آئی تھی۔ انہوں نے فوراً فون کان سے لگایا۔
''مجھے ہر صورت ولی چاہیے... زندہ۔'' وہ سخت مگر قابو میں رکھے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔
دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ صرف کبھی کبھار دھیمی سی ''جی سر'' سنائی دیتی۔ جیسے سامنے والا شخص اُن کے ہر حکم کو حرفِ آخر مانتا ہو۔
''اور سنو...'' ریان صاحب کی آواز مزید سرد ہو گئی۔ ''جس نے بھی یہ کیا ہے، اُسے ڈھونڈو۔
چاہے زمین کے کسی کونے میں چھپا ہو۔''
فون بند کرتے ہی انہوں نے فوراً گھر کی سیکیورٹی روم کا رخ کیا تھا۔
کمرے میں کئی اسکرینز جگمگا رہی تھیں۔ ریان صاحب نے خود بیٹھ کر سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کی تھی۔ ہر ویڈیو بار بار دیکھی گئی مگر کہیں بھی کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا تھا جو ولی کا پیچھا کرتا دکھائی دیتا یا گھر کے آس پاس مشکوک انداز میں گھومتا رہا ہو۔
یہی بات اُن کی بے چینی مزید بڑھا رہی تھی۔
''وقاص کہاں ہے؟'' انہوں نے اچانک اپنے قریب کھڑے ایک گارڈ سے پوچھا۔
گارڈ فوراً سیدھا ہو گیا۔
''سر، وہ تین دن کی چھٹی پر گیا ہوا ہے۔''
ریان صاحب کی آنکھوں میں سختی بڑھ گئی۔
''اُسے کال کرو۔'' اُنہوں نے حکم دیا۔ ''اور کہو اگلے دس منٹ میں مجھے اپنے سامنے چاہیے۔''
گارڈ نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا، شاید یہ بتانا چاہتا تھا کہ وقاص شہر سے باہر ہے، مگر ریان صاحب کے چہرے کا غصہ دیکھ کر خاموش ہو گیا۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد وقاص احمر اُن کے سامنے کھڑا تھا۔
سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس، چوڑے کندھے، مضبوط جسم اور چہرے پر تراشی ہوئی مونچھیں... وہ کسی سابق فوجی افسر جیسا رعب رکھتا تھا۔ عمر پینتالیس یا چھیالیس برس کے قریب تھی مگر اُس کی شخصیت اب بھی بے حد مضبوط اور خطرناک محسوس ہوتی تھی۔
وہ دونوں ہاتھ باندھے خاموشی سے ریان صاحب کے سامنے کھڑا تھا۔
''وقاص احمر!'' ریان صاحب کی آواز میں دبی ہوئی آگ تھی۔
''کیا میں نے تمہیں یہ ہدایات نہیں دی تھیں کہ تم نے ولی پر نظر رکھنی ہے؟ تمہیں معلوم ہے وہ کس قدر لاپرواہ ہے... پھر بھی تم نے اُس معاملے میں غفلت برتی؟'' وقاص احمر نے فوراً سر جھکا لیا۔
''سوری سر۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا۔
''میں پچھلے دو دن سے گھر گیا ہوا تھا۔ جانے سے پہلے میں نے یہ ذمہ داری آشان کے سپرد کی تھی۔''

''اور آشان وحید پچھلے چوبیس گھنٹوں سے غائب ہے۔'' یہ سنتے ہی وقاص احمر پہلی بار چونکا تھا۔ شاید اُسے اس بات کی خبر نہیں تھی۔

''کیا؟'' اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ریان صاحب اُس کے قریب آئے۔

''مسٹر وقاص، اِس گھر میں رہنے والوں کی سیکیورٹی تمہارے ذمہ ہے۔'' اُنہوں نے سخت نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ ''کیا تم یہ بات بھول گئے تھے؟''

وقاص احمر خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ اُس کے پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا۔

پچھلے کئی سالوں سے وہ اِس گھر کی حفاظت پوری ایمانداری سے کرتا آیا تھا۔ ریان صاحب اپنے دشمنوں کے باوجود کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے تھے کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ وقاص احمر ہر خطرہ اُن تک پہنچنے سے پہلے ختم کر دے گا۔

مگر اِس بار... پہلی بار اُس نے اپنی ذمہ داری کسی اور کے حوالے کی تھی۔ اور شاید یہی اُس کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی تھی۔

وقاص احمر نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ آئندہ وہ اپنی ذمہ داری کبھی کسی اور پر نہیں چھوڑے گا۔ کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی۔

پھر ریان صاحب نے گہری سانس لی اور نسبتاً نرم لہجے میں بولے۔

''جو ہونا تھا، ہو چکا۔'' انہوں نے وقاص احمر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر اب اگلے چوبیس گھنٹوں میں مجھے ولی میرے سامنے چاہیے۔ چاہے جیسے بھی... جتنا جلدی ہو سکے اُسے تلاش کرو۔''

''جی سر۔'' وقاص احمر نے فوراً سر ہلایا۔

اگلے ہی لمحے وہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنے لگا تھا۔

اب اُس کے سامنے صرف ایک مقصد تھا... اُن لوگوں کو ڈھونڈ نکالنا جو ولی کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ وقاص احمر اور اُس کی پوری ٹیم اِس وقت اندھیرے میں تیر چلا رہی تھی... کیونکہ ابھی تک کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ولی زندہ ہے بھی یا نہیں۔

★。° ✦ °。★

کالج سے چھٹی کے بعد حنین ارحم کو ڈرائیور ریان آفریدی ہاؤس ڈراپ کرنے آیا تھا۔ پوری راہ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی مگر اُس کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ اُسے انکل ریان کے گھر کی طرف جانے والے راستے سے کیوں لے جایا جا رہا ہے۔

گاڑی جیسے ہی ہاؤس کے باہر رکی، اُس نے الجھن بھرے انداز میں ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

ڈرائیور جلدی سے باہر نکلا اور عقبی دروازہ کھول دیا، مگر حنین پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' اُس کی آواز میں ہلکی سی بے چینی شامل تھی۔

ڈرائیور نے نظریں جھکا لیں۔

''بڑی مالکن کی ہدایات تھیں، بی بی۔'' اُس نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ ''انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو سیدھا ریان ہاؤس چھوڑنا ہے۔''

حنین کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری مگر وہ خاموشی سے گاڑی سے باہر آ گئی۔

ہوا میں مٹی کی ہلکی سی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ شاید کچھ دیر پہلے کہیں دور بارش ہوئی تھی۔ مگر اِس خوشبو کے باوجود ماحول عجیب سا ویران لگ رہا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

آج اُس گھر کے باہر غیر معمولی خاموشی تھی۔نہ ملازموں کی آوازیں،نہ اندر سے آتی ہلکی ہنسی... کچھ بھی نہیں۔
حنین نے آہستہ سے مین ڈور کھولا۔جوتے کی ایڑی فرش سے ٹکرائی تو آواز کچھ زیادہ گونجی تھی جیسے اس خاموشی میں کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔
گھر کے اندر فضا بوجھل تھی۔بیٹھک میں مسز ریان،مسز ارحم اور اس کی بہن بیٹھی تھیں۔کسی کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں تھا۔سب اُداس آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر بول کوئی نہیں رہا تھا۔
حنین ایک لمحے کے لیے رکی،اسے محسوس ہوا جیسے کچھ غلط ہے۔دل کے اندر ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا ایسا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اندر سے دل کو مروڑ رہا ہو۔
وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آئی۔
''یزمان!'' اُس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔سب کی نظریں اُس پر اٹھیں،مگر کسی نے جواب نہیں دیا،مسز ریان اور مسز ارحم نے سر جھکا لیا تھا۔
اس خاموشی کے بیچ یزمان آگے بڑھی۔چہرہ سفید پڑا ہوا،آنکھوں ستی ہوئی تھیں۔
اُس نے اُس کے قریب پہنچ کر ہونٹوں پر زبان پھیری جیسے کوئی بہت بھاری جملہ ادا کرنے لگی ہو۔
''حنین!'' اُس نے آہستہ سے اُسے مخاطب کیا تھا۔
''ولی کو۔۔۔کسی نے۔۔۔،شُوٹ کر دیا ہے۔'' یزمان کی زبان سے یہ سنتے ہی حنین کے لیے وقت جیسے رک سا گیا تھا۔اس کا جسم جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔نہ پلکیں جھپکیں،نہ سانس چلی۔

سلسلے توڑ گیا،وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مراسم تھے،کہ آتے جاتے

بس چہرے پر وہی خاموشی،گہری،خالی،ٹوٹی ہوئی۔کندھے پر لٹکا ہوا بیگ نیچے جا گرا۔
دل کے اندر ایک لمحے کے لیے اتنا شور اٹھا کہ اُس نے کانوں میں سنسناہٹ محسوس کی،مگر باہر سے سب کچھ ساکت تھا،ایسے جیسے باہر سب کچھ تھم گیا ہو۔
اس وقت کوئی بھی اُن دونوں کی طرف متوجہ نہ تھا۔حنین کے ہونٹ ہلکے سے کانپے،مگر کوئی لفظ نہیں نکلا۔
وہ بس کھڑی رہی،دروازے کے قریب۔۔۔،نہ روئی،نہ کچھ بولی،نہ کسی کو دیکھا۔
دماغ میں صرف ایک جملہ بار بار گونجنے لگا تھا،''ولی کو کسی نے شُوٹ کر دیا ہے''۔

شکوۂ ظلمتِ شب سے،تو کہیں بہتر تھا
اپنے حِصّے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

اس کی آنکھوں میں نمی چمکی،جسے اُس نے واپس اپنے آنکھوں میں اتار لیا۔اُس نے اپنے قدم پیچھے کی طرف لیے اور وہ واپس پلٹ گئی۔
قدم بھاری تھے،مگر چہرہ اب بھی وہی۔۔۔خاموش،مضبوط،اور اندر سے بکھرا ہوا۔وہ وہاں سے نکل کر سیدھا ولی کے کمرے میں آ گئی۔
کمرے میں ہلکی روشنی تھی،کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا سے ذرا سے ہل رہے تھے۔

سب کچھ وہی تھا۔۔۔میز پر رکھی کتابیں،دیوار پر لٹکی گھڑی،دو سال پہلے اس کی دی ہوئی قلم،خوشبو،سلیقے سے رکھی چیزیں۔۔۔مگر ایک کمی پورے کمرے پر چھائی تھی۔ایک سانس،ایک ہنسی،ایک آواز۔۔۔جواب کبھی واپس نہیں آئے گی۔

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں

پھر بھی اک عمر لگی،جان سے جاتے جاتے

اگر کوئی اُس کمرے میں نہیں تھا تو وہ ولی تھا،اُسے وہاں ہونا چاہیے تھا مگر وہ نہیں تھا۔حنین آہستہ سے بیڈ کے کنارے جا بیٹھی،ہاتھوں سے دوپٹہ سنبھالا،مگر اگلے ہی لمحے وہ ہاتھ کمزور پڑ گئے۔

اُس نے اپنے کمزور ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔پہلا آنسو آہستہ سے گرا۔

پھر دوسرا۔

اور پھر جیسے بند ٹوٹ گیا۔

مگر وہ چیخی نہیں اور نہ ہی کچھ بولی تھی،بس روتی رہی تھی۔

دبے دبے آنسو،ٹوٹے سانسوں کے ساتھ۔

وہ محبت جس کا کبھی زبان سے اظہار نہیں کیا گیا تھا،آج وہی محبت آنسوؤں سے ظاہر ہو گئی تھی۔

اِس کی وہ جانے اُسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا

تم فرازؔ اپنی طرف سے تو،نبھاتے جاتے

کیا وہ اپنی محبت ادھوری چھوڑ گیا تھا؟کیا جس محبت کا اظہار اس نے حنین کے منہ سے سننا تھا وہ اب وہیں،ویسے ہی،ادھورا رہ جانا تھا؟یا جو اظہار اُس نے حنین سے کرنا تھا وہ اب یہیں دفن ہو جانا تھا؟کیا یہ راز محض ایک راز ہی رہ جانا تھا کہ اُن دونوں نے ایک دوسرے کو کتنا چاہا تھا؟کیا اُن کی محبت کی داستان بس اتنی ہی تھی؟کیا اُن کی کہانی کا یہی اختتام تھا؟

★。° ✦ °。★

وقت گزرنے لگا تھا مگر ولی کا کچھ پتا نہ چل سکا تھا،وقاص احمر اور اُس کی ٹیم بھی ابھی تک ولی کو کھوجنے میں ناکام رہی تھی۔

محمد اور ابراہیم صبح ولی کی تلاش میں نکلتے تھے اور پورا دن باہر سڑکوں کی خاک چھانتے پھرتے تھے۔اُنہیں نہ تو ولی ملا تھا اور نہ ہی اُس کے ملنے کا کوئی سراغ۔

وہ اپنے بابا سے خفا رہنے لگا تھا کہ اگر وقت رہتے اُس کی بات پر یقین کر لیا ہوتا تو شاید آج ولی اُن سب کے درمیان ہوتا۔

پورے خاندان میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

سب نے اس بات پر یقین کر لیا تھا کہ ولی مر چکا ہے مگر محمد اور حنین یہ بات ماننے کو ہرگز تیّار نہ تھے،اُن کا ماننا تھا کہ وہ ابھی بھی زندہ ہے مگر وہ دونوں اپنی اس بات پر لڑ کھڑا جاتے تھے،کیونکہ اُن کے پاس ولی کے زندہ ہونے کا کوئی پختہ ثبوت نہیں تھا۔

ابراہیم اور محمد،ولی کو ڈھونڈنے کی اپنی پوری کوشش کر رہے تھے مگر وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہو پائے تھے۔

ولی کو ڈھونڈنے میں محمد اور ابراہیم کی کوئی مدد بھی کر رہا تھا جو اُسے ہر دس سے پندرہ منٹ بعد اپڈیٹ دیا کرتا تھا۔

مگر وہ شخص بھی ابھی تک کوئی ایسا سراغ نہیں نکال پایا تھا جو اُن کے کسی کام آتا۔

مسز ریان پہلے سے کمزور لگنے لگی تھیں، بس چُپ چاپ کسی بُت کی طرح ایک طرف بیٹھے رہتی تھیں۔ نہ کھانے کی فکر تھی اور نہ ہی آرام کا خیال۔
ریان صاحب کا حال بھی اُن سے کچھ الگ نہ تھا، وہ اندر سے ٹوٹے تو ضرور تھے مگر انہوں نے کبھی ایسا ظاہر نہیں ہونے دیا۔
وہ ابھی بھی ولی کو ڈھونڈنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ وہ ہر وقت وقاص احمر سے رابطے میں رہتے تھے، انہیں بس ایک چھوٹی سی لیڈ کی تلاش تھی جہاں سے وہ ولی تک پہنچ سکتے تھے مگر ابھی تک وہ لیڈ اُن کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔
حنین کی نمازیں اور سجدے پہلے سے کافی لمبے ہو گئے تھے، وہ کتنی ہی دیر نماز پڑھنے کے بعد چُپ چاپ جائے نماز پر بیٹھی آنسو بہاتی رہتی تھی۔
اُس نے دعا مانگنا چھوڑ دی تھی، اُس کی دعا اب بس یہی آنسو تھے جو عرش تک جاتے تھے، وہ اکثر دل ہی دل میں خدا کو خدا کا واسطہ دینے لگتی تھی، وہ شاید دعا کرنا بھول گئی تھی یا دعا کرنے کا
من نہیں کرتا تھا، یہ تو وہ جانے یا خدا جانے۔

دکھوں میں بھول گیا ڈھنگ ہی دعا کا میں
خدا کو ہی دینے لگا واسطہ خدا کا میں

★。° ✦ °。★

کچھ دن بعد۔
صبح کا وقت تھا، سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، آسمان بالکل صاف تھا اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔
گزشتہ دنوں آنے والے طوفان اور تیز بارشوں کی باعث سردی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔
وہ اس وقت اپنے کمرے میں جائے نماز پر دونوں ہاتھ اُٹھائے بیٹھا تھا، اُس کی آنکھوں تلے ہلکے پڑ گئے تھے، ہونٹ خشک اور آنکھیں نیند کی کمی کی باعث سرخ تھیں۔
وہ شاید اشراق کی نماز ادا کر نے کے بعد اب دعا کر رہا تھا، اُس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تیر رہی تھی مگر وہ نمی ابھی پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نہیں آئی تھی۔
وہ کافی دیر ایسے ہی نم آنکھوں سے دعا کرتا رہا، وہ کیا مانگ رہا تھا، نہیں معلوم، یہ اُس کا اور اُس کے رب کا معاملہ تھا۔
پھر وہ دعا کرتے کرتے بِلک پڑا تھا، کسی چھوٹے بچے کی طرح، اُس کے آنسو آخر پلکوں کی باڑ توڑ کر اب جھولی میں آ گرے تھے۔

پلکوں کی باڑ توڑ کر دامن میں آ گرا
اِک اشک میرے صبر کی توہین کر گیا

اُس کے صبر کی آج انتہا ہو گئی تھی، محمد کا دل جیسے بکھر چکا تھا، اور وہ ہر ٹکڑا اپنے رب کے سامنے رکھے، اس سے مرہم مانگ رہا تھا۔
اس کے لبوں سے اب الفاظ نہیں نکل رہے تھے، صرف سسکیاں تھیں، جو خاموش کمرے میں گونج رہی تھیں۔
کمرے کے ایک کونے میں دھوپ آہستہ آہستہ چھن کر آ رہی تھی، مگر اس کے دل پر چھائے اندھیرے کم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
اُس کے ہاتھ ابھی بھی اُٹھے ہوئے تھے، کانپتے ہوئے۔۔۔ جیسے کسی نے بہت دیر سے تھامنے کا وعدہ کیا ہو اور اب وہ تھک چکے ہوں۔
"یا اللہ! میں اب تھک چکا ہوں۔۔۔ مجھ میں۔۔۔ مجھ میں اب اور حوصلہ نہیں رہا۔۔۔ اب صبر کی انتہا ہو گئی ہے باری تعالیٰ!" الفاظ اس کے ہونٹوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے، جیسے دل سے نکلا ہر درد ایک ایک لفظ میں ڈھل رہا ہو۔

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے تھے، آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ۔اب وہ سجدے میں گر چکا
تھا، پورے وجود کے ساتھ، پورے درد کے ساتھ۔۔۔اُس کا سارا صبر، سارا اختیار سب سجدے میں بہہ گیا تھا۔
''میں تھک گیا ہوں پروردگار۔۔۔ہار گیا ہوں۔۔۔اب آپ ہی کا در ہے، اور کچھ نہیں۔۔۔''
ہوا بالکل رک گئی تھی، جیسے کائنات نے بھی اُس کے درد کی گواہی دینا بند کر دی ہو۔اُس لمحے، صرف اُس کے سجدے کی گواہی باقی تھی۔۔۔اور
رب کی رحمت، جو شاید اُس کی اس ٹوٹ کر مانگی گئی دعا پر مسکرا رہی تھی۔
یہ وہ لمحہ تھا جب محمد صرف محمد نہیں رہا تھا۔وہ ایک ٹوٹا ہوا انسان تھا، جو رب کی دہلیز پر بکھرا پڑا تھا۔
مگر اُمید کے ساتھ۔
یقین کے ساتھ۔
''رب العٰلمین! آپ کسی کی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔۔۔
میرے اللہ! مجھ میں اب اور طاقت نہیں رہی۔۔پلیز اللہ! آپ کی مدد کب آئے گی؟''
وہ رو رہا تھا، وہ تڑپ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اُس کی یہ پکار عرش تک جا رہی ہے، وہ بس جواب کے انتظار میں تھا، وہ اللہ کے جواب کے انتظار میں تھا۔
''مجھے معاف کر دیجیے میرے اللہ! میں خود سے سب کچھ فِکس کرنے میں لگ گیا تھا۔''اُسے احساس ہوا تھا کہ خدا کے سوا اُس کا کوئی سہارا نہیں ہے۔
''میرے۔۔۔۔۔پیارے۔۔۔۔۔۔اللہ!''ہچکی بندھ گئی تھی، لفظ ٹوٹ رہے تھے، محبت سے پکارا جا رہا تھا۔
وہاں عرش پر باری تعالٰی اُس کی محبت بھری پکار پر تبسم فرما رہے تھے۔ربِ کائنات کو اُس
انسان پر بہت پیار آ رہا تھا۔
وہ اُس در کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا جہاں سے سوالی کو خالی نہیں موڑا جاتا تھا، محمد نے اُس دروازے پر دستک دی تھی جہاں سے وہ کبھی خالی نہیں موڑا گیا
تھا۔
وہ جانتا تھا کہ یہ وہ در ہے، جہاں ہمیشہ دینے کا دستور ہے، چاہے تھوڑی دیر سے ہی سہی، مگر جھولی بھر دی جاتی ہے۔۔۔
دعا قبول فرمالی جاتی ہے۔۔۔
زخم بھر دیے جاتے ہیں۔۔۔
آنسو پونچھ دیے جاتے ہیں۔۔۔
سہارا دے دیا جاتا ہے۔۔۔
مسکراہٹ لوٹا دی جاتی ہے۔۔۔
دل مطمئن کر دیا جاتا ہے۔۔۔
دفعتاً اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی، آنے والا دروازہ اندر کی طرف دھکیلتا کمرے میں داخل ہوا۔
اُس کی قدم بیڈ کی طرف تھے اور پھر وہ واپس پلٹ گیا، وہ ایسے چُپ چاپ واپس پلٹ گیا تھا جیسے یہ اُس کا
معمول ہو۔اُس شخص کے جانے بعد محمد نے سجدے سے سر اُٹھایا اور وہ اپنے آنسو پونچھتا ہوا باتھ رُوم میں چلا گیا۔
کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکلا تو اُس کا چہرہ دھلا دھلایا تھا، آنکھوں کے ساتھ ساتھ ناک بھی سرخ ہو

چکی تھی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا بیڈ کے پاس آیا اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ اُٹھایا۔

یہ وہ لفافہ تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اُس کے کمرے میں آنے والا رکھ کر گیا تھا۔اُس نے اُسے کھول کر اندر سے ایک کاغذ نکالا جس پر قرآن کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی،اُس آیت پر نظر پڑتے ہی محمد کی ہاتھوں کی حرکت تھم گئی تھی۔

ولی کے لاپتہ ہونے کے بعد سے روزمرہ کی بنیاد پر یہ لفافہ اُس کے کمرے میں آنے لگا تھا، بھیجنے والے کا نام درج نہیں ہوا کرتا تھا،وہ روز ایک قرآنی آیت محمد کے گھر بھیجا کرتا تھا جسے ملازم اُس کے کمرے میں رکھ جایا کرتا تھا۔

اُس لفافے میں موجود قرآنی آیات صبر پر مبنی ہوا کرتی تھیں،اُن آیات میں صبر کرنے کی تلقین ہوا کرتی تھی،صبر کرنے والوں کا انعام درج ہوا کرتا تھا۔

مگر آج آیت کا موضوع یہ نہیں تھا،آج آیت مختلف تھی،آج آیت میں خوش خبری کا پیغام تھا۔

آج اُس میں سورۃ انبیاء کی آیت نمبر ۸۸ تحریر کی گئی تھی۔وہ کاغذ محمد کے ہاتھوں میں تھا جس پر یہ آیت( پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔) تحریر تھی۔

اُس کی آنکھوں میں پھر سے نمی تیرنے لگی تھی،وہ نم آنکھوں سے آج پھر مسکرا دیا تھا،جیسے اللہ کی طرف سے ملنے والی تسلی پر مسکرایا کرتا تھا۔

وہ جانے کتنی ہی دیر اُس آیت کو دہراتا رہا تھا،بنا پلک جھپکے،ہر شے سے بے نیاز،وہ بس اُس آیت کو ہاتھوں میں تھامے مسکرا رہا تھا اور اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

پھر اچانک اُس کا فون بج اُٹھا تھا،اور سکرین پر جو لکھا تھا وہ دل کی دھڑکن کو یکدم بڑھا دینے کے

کے لیے کافی تھا۔" BOXER CALLING...."

محمد نے جھٹکے سے فون بیڈ سے اُٹھایا،آنکھوں کی پتلیاں سکرین پر مرکوز تھیں۔

انگلی نے کال قبول کی، اور اُس نے فون کان سے لگا لیا۔

''مجھے ایک لیڈ ملی ہے مگر۔۔۔'' فون کرنے والا بغیر کسی تمہید کے محمد سے مخاطب ہوا تھا۔

کال کرنے والے کی آواز میں ایسی بے چینی تھی جیسے کسی اندھیرے غار میں پہلی بار روشنی کا شعلہ نظر آیا ہو،مگر پتہ نہ ہو کہ وہ شعلہ منزل ہے یا موت۔

''مگر کیا؟'' محمد نے فوراً اُس کی بات کاٹی۔

''مگر یہ کہ مجھے کنفرم نہیں ہے کہ وہ لیڈ ہمیں ولی تک لے کر جائے گی۔'' فون کرنے والا ابراہیم تھا اور اُس کی آواز میں جوش اور خوف دونوں شامل تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا،کھل کر بتاؤ ابراہیم۔'' محمد نے بے چینی کے عالم میں اُس سے کہا،اُس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

''کئی دنوں کی تگ و دو کے بعد یہ سراغ ملا ہے۔۔۔اُس دن،جس دن ولی پر حملہ ہوا تھا،جتنے بھی فونز وہاں چار سے پانچ کلو میٹر کے دائرے میں ایکٹو تھے،اُن میں سے ایک مخصوص فون آج بھی ایک خاص جگہ باقاعدگی سے جا رہا ہے۔'' ابراہیم نے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ ڈالی تھی۔

'' اگر تم نے فون ٹریس کر لیا تھا تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟''محمد نے ابھرتی ہوئی شک و شبہ کی تلاش میں پوچھا تھا۔

''میں بھلا کیسے فون ٹریس کر سکتا ہوں؟اس کام میں یزمان نے مدد کی ہے۔''

''تو پھر اُس نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' محمد کا ابھی بھی وہی سوال تھا۔

''یہ اتنا سادہ نہیں تھا۔ وہاں کئی فونز ایکٹو تھے، ایک دن کا ڈیٹا گمراہ کن ہو سکتا تھا۔

اس نے تین دن کے لاگز کراس چیک کیے، اینالائزر نے سپوو فنگ پیٹرنز کو فلٹر کیا، اور موبائل کمپنی سے ہسٹری ریکور کرنے میں وقت لگا۔''

''کیا وہ اُس حادثے سے پہلے بھی وہاں جاتا رہا ہے؟'' محمد نے اُس سے اگلا سوال کیا تھا۔

'' جیسے اب جا رہا ہے ویسے نہیں۔'' ابراہیم اپنے سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا جس پر ایک ڈیجیٹل نقشہ بنا تھا۔ اُس نقشے پر ایک خاص جگہ لال رنگ سے گول دائرہ بنا ہوا تھا۔

''اوکے، تم مجھے لوکیشن بھیجو اور فوراً خود بھی لوکیشن پر پہنچو۔'' محمد نے فون بند کیا، اور بنا کچھ سوچے گاڑی کی چابی اُٹھائی، جیسے اب کوئی لمحہ ضائع کرنا جرم ہو اور وہ گاڑی کی چابی اُٹھا کر نیچے کی طرف بھاگا تھا۔

وہ زینے پھلانگتا نیچے اتر رہا تھا، ریان صاحب وہاں موجود تھے مگر محمد نے اُن کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ وہ دروازے کی طرف دیوانہ وار دوڑے جا رہا تھا، جیسے باہر کوئی سچائی اُس کا انتظار کر رہی

ہو۔

''محمد! کہاں جا رہے ہو اتنی جلدی میں۔'' اپنے بابا کی آواز سنتے ہی اُس کے قدم دروازے پر ساکت ہو گئے تھے۔ ریان صاحب کی آواز میں کی فکر تھی، لیکن محمد کے قدموں کا رخ آگے کی طرف تھا۔

''سر ہمیں لگتا ہے کہ ہمیں ابھی اور اسی وقت اِس لوکیشن پر پہنچنا چاہیے۔'' عین اُسی لمحے وقاص احمر ہاتھ میں ٹیب اُٹھائے ریان صاحب کے پاس آ ن کھڑا ہوا تھا، چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں وہ چمک جو صرف کسی بڑی دریافت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ ریان صاحب، وقاص کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور محمد بھی اُن کی طرف آ گیا تھا۔

وقاص، ریان صاحب کو ایک لوکیشن پر انگلی رکھ کر بتا رہا تھا کہ عین ممکن ہے ولی ہمیں یہاں مل سکتا ہے، تبھی محمد کے فون کی گھنٹی بجی، کسی کا میسج آیا تھا۔

اُس نے جیسے ہی فون نکال کر میسج کھولا سامنے وہی لوکیشن تھی جو اِس وقت وقاص احمر، ریان صاحب کو اپنے ٹیب میں دکھا رہا تھا۔

محمد کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ اشارہ تھا۔

کسی غیبی پیغام کی مانند۔

محمد نے اُن کے ہاتھوں سے ٹیب لے کر اُس جگہ کو زوم کیا اور دفعتاً ٹیب واپس وقاص کے ہاتھ میں تھما کر وہ اُلٹے پاؤں بیرونی دروازے کی طرف دوڑا تھا۔

وہ اتنی تیز رفتار سے باہر کی طرف دوڑا تھا کہ اُس کا فون ریان صاحب کے قدموں میں گر گیا تھا۔

پہلے ریان صاحب نے محمد کو ناسمجھی کے عالم میں دیکھا اور پھر اُس کے فون کو۔

انہوں نے اُس کے فون کو اُٹھا کر دیکھا تھا تو انہیں وہاں وہی لوکیشن اوپن ہوئی نظر آئی تھی جو ابھی وقاص احمر انہیں ٹیب میں دکھا رہا تھا۔

اور پھر وہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر محمد کے پیچھے باہر کی طرف دوڑے، وقاص احمر اپنی ٹیم کو ''موو۔۔۔، فاسٹ'' کی آوازیں دیتا اُن دونوں کے پیچھے دوڑا تھا۔

لمحہ بھر میں تیز قدموں کا شور اُٹھا، پورا گھر اُس شور سے گونج اُٹھا تھا، جیسے کوئی فوج اپنے سلطان کی سلطنت بچانے کے لیے دشمن کی طرف لپک رہی ہو۔

محمد گاڑی میں بیٹھ کر زن سے اُسے باہر لے گیا، ریان صاحب بھی اُسی تیزی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اُس کے پیچھے گئے، اُن کی اُس قطار میں وقاص احمر اور اُسکی ٹیم کی گاڑیاں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

گاڑیاں برق رفتاری سے گیٹ سے نکلیں تھیں۔

محمد کی گاڑی سب سے آگے تھی، پیچھے ریان صاحب، اور ان کے پیچھے وقاص احمر اور اُس کی ٹیم کی گاڑیاں موجود تھیں۔

یہ ایک قافلہ نہیں تھا۔۔۔

یہ ایک تلاش تھی۔۔۔

ایک دوڑ۔۔۔

وقت، تقدیر، اور دشمن سے آگے نکلنے کی دوڑ۔ کسی اپنے کو بچانے کی یا کسی اپنے کو کھو دینے کی۔ جیسے کوئی سپہ سالار اپنے سلطان کا تخت بچانے کے لیے دشمن کی سرحد پر حملہ کرنے جا رہا ہو۔

★。° ✦ °。★

موجودہ دن۔

انہیں لاہور سے واپسی پر کافی دیر ہو گئی تھی کہ انہیں راستے میں اُن کے کسی پرانے دشمن کے بھیجے ہوئے لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔

وہ دونوں جب تک گھر پہنچے تھے تب تک مسز ریان اور ریان صاحب سو چکے تھے۔

ریان صاحب بزنس کے سلسلے میں بیرونِ ملک گئے ہوئے تھے مگر وہ آج اچانک سے پاکستان واپس آ گئے تھے۔ محمد کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ریان صاحب آج دوپہر کو واپس آ چکے ہیں۔

وہ دونوں چپ چاپ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے تھے کہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے۔

اسلام آباد پر صبح معمول کے مطابق خوشگوار اُتری تھی، تازہ ہوا پردوں کو کھڑکیوں سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی ریان آفریدی ہاؤس کی چھت کے کنارے پر کچھ پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے جیسے خدا کی حمد بیان کر رہے ہوں۔

محمد اور ہانی کی ریان صاحب سے ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی تھی، محمد اپنے بابا سے کافی گرم جوشی سے ملا تھا۔

''آپ آج پھر ناشتے پر لیٹ آئے ہیں۔'' ہانی نے محمد کو ناراضگی سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ہمیشہ وقت پر آتا ہوں میڈم ہانی! آپ سب لوگ جلدی آ جاتے ہو۔'' محمد نے سارا الزام اپنے سر سے اُتار کر اُن سب پر ڈال دیا تھا۔ اُس کے چہرے پر شرارت بھری مسکان تھی جیسے کہہ رہا ہو کہ آپ سب تو ہو ہی پیٹو۔

ہانی اُس کی اِس بات پر جل کر رہ گئی تھی کہ انہیں روزانہ محمد کا ناشتے کی میز پر انتظار کرنا پڑتا تھا۔

''نیند پوری ہوئی یا نہیں؟'' محمد نے اُس کے خوابیدہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جی ہو گئی تھی، ویسے بھی میری تو کل رات اُن لوگوں کی وجہ سے نیند اُڑن چھو ہو گئی تھی۔'' ہانی نے کل رات ہونے والے واقعے کو سوچتے ہوئے کہا تھا جس پر اُسے جھرجھری بھی آئی تھی۔

''مجھے ایک بات بتاؤ ذرا۔'' محمد پوری طرح ہانی کی طرف گھوم گیا تھا۔

مسز ریان، ریان صاحب سے اُن کے سفر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں جب کہ وہ یہ سوال کئی بار کر چکی تھیں، مگر ریان صاحب بھی بالکل ویسے ہی بتا رہے تھے کہ جیسے وہ اِس کا جواب پہلی بار دے رہے ہوں۔

''جی پوچھیں۔'' ہانی نے نا سمجھی کے عالم میں محمد کو دیکھا کہ ایسی کونسی ضروری بات یاد آ گئی ہے جو وہ پوری طرح اُس کی طرف گھوم گیا ہے۔

''تم مجھے آپ، جی، کہیے۔۔۔ یہ سب کیوں بولتی ہو؟'' محمد، ہانی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' ہانی کو اُس کا سوال سمجھ نہیں آیا تھا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ تم میرا نام کیوں نہیں لیتی ہو؟'' وہ ہانی کو سنجیدہ تاثرات سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نام۔۔۔ ہمم، اچھا سوال ہے۔'' ہانی نے اُس کے سوال پر سوچتے ہوئے بولی تھی۔

''تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ میں آپ کو کس نام سے پکاروں؟'' ہانی کی اِس بات پر مسز ریان اور ریان صاحب، دونوں اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

'' بھئی ظاہر ہے جو نام ہے اُسی سے پکارو گی۔'' مسز ریان نے اُن کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا تھا۔

جبکہ اُن کے اِس طرح مخاطب ہونے کی وجہ سے محمد کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا، وہ ایسے گھبرا گیا تھا جیسے کوئی بہت بڑا راز فاش ہو گیا ہو۔

شرم، دہشت، جھجھک، پریشانی
ناز سے کام کیوں نہیں لیتی ہو؟
آپ، وہ، جی، مگر، یہ سب کیا ہے؟
تم میرا نام کیوں نہیں لیتی ہو؟

★。° ✦ °。★

چند سال قبل۔

اُن کی گاڑیاں ایک سنسان علاقے میں داخل ہو گئی تھیں، چاروں اور درخت ہی درخت تھے جن کے درمیان سے ایک سڑک گزر رہی تھی۔

اُس سڑک پر گاڑیوں ایک قافلہ دھول اُڑاتا ایک انجان منزل کی طرف رواں دواں تھا جہاں یا تو اُن کا زندگی انتظار کر رہی تھی یا پھر موت۔

(آج اُن دونوں کا کالج میں پہلا دن تھا، اور اُس پہلے دن کو اُن دونوں نے ایک زبردست جھگڑے سے یادگار بنایا تھا۔ اُن دونوں نے مل کر دو سٹوڈنٹس کو خوب پیٹا تھا۔)

('' بھئی ظاہر ہے جو نام ہے اُسی سے پکارو گی۔'' مسز ریان نے اُن کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا تھا۔)

اُن کی گاڑیاں ایک بڑے سے بنگلے کے سامنے آ کر رکی تھیں جو کافی عرصے سے خستہ حالی کا شکار لگ رہا تھا۔

(وہ دونوں اِس وقت Proctorial Board office میں سر جھکائے کھڑے تھے،اُن دونوں کے خلاف وارننگ لیٹر ایشو کیا جارہا تھا۔

''کیا نام ہے تم دونوں کا؟'' اُن دونوں کے سامنے ایک خوبرو سامرد بیٹھا تھا جو اُن سے کرخت لہجے میں پوچھ رہا تھا۔)

(''ہاں جی بالکل مما! میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔'' اُس نے اپنے ہونٹوں پر زبردستی کی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا تھا کیونکہ وہ اُن کے اس طرح مخاطب ہونے پر گڑبڑا گیا تھا۔)

وہ سب اِس وقت اُس کے بنگلے کے سامنے کھڑے تھے،اُس کے دروازے پر ایک تالا لگا تھا جسے دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ کھولا جاتا رہا ہے۔اُس خستہ حال بنگلے کے برعکس وہ تالا بالکل نیا تھا۔

(''میرا نام محمد ہے۔۔۔۔اور میرا نام ولی ہے۔'' اُن دونوں نے اپنے مختصر نام بتائے تھے جس پر اُس شخص نے انہیں ایک عدد گھوری سے نوازا تھا۔)

(''تو پھر بتادیں کے میں آپ کو کس نام سے پکاروں؟'' ہانی نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا میرا نام بھول گیا ہے تمہیں؟'' اُس نے بھی سنجیدہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ میں بھولتی جارہی ہوں۔'' ہانی کی آواز میں اُداسی گھل گئی تھی،وہ اُسے ایک نظر دیکھ کر رہ گیا تھا۔)

تالا توڑنے کے بعد وہ سب دوڑتے ہوئے اُس بنگلے میں داخل ہوئے تھے،وقاص احمر اپنی ٹیم کو ہدایات دے رہا تھا جس پر وہ سب پورے بنگلے میں پھیلتے جارہے تھے،جبکہ ابراہیم،محمد اور ریان صاحب دیوانہ وار اُس بنگلے کے کمروں کی طرف بھاگے تھے۔

اُن کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوچکی تھی،اور آنکھیں ہر کمرے کو تیزی سے تلاشتی جارہی تھیں۔

ان کی سانسیں تیز ہوچکی تھیں،جیسے ہر طرف آکسیجن کی کمی ہوگئی ہو۔

''سر!'' وقاص کی ٹیم کے ایک شخص نے بلند آواز سے پکارا،اُس کے آواز کو سنتے ہی سب اُس طرف لپکے تھے۔

وہ ایک بڑا سا کمرا تھا جہاں ہسپتال کے آپریشن تھیٹر جیسا ماحول تھا۔دیواروں پر مختلف مشینیں چل رہی تھیں جن میں سے بیپ کی آواز آرہی تھی،اور درمیان میں ایک بیڈ تھا جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔

(''مکمل نام پوچھا ہے میں نے تم دونوں سے،ولدیت کے ساتھ۔'' اُس شخص نے دانت پیستے ہوئے دبی دبی آواز میں اُن سے کہا جیسے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کررہا ہو۔)

(''مجھے لگتا ہے کہ اب آپ کو سچ بتادینا چاہیے۔'' ہانی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

'' کونسا سچ بتادینا چاہیے بھئی؟'' ریان صاحب اور مسز ریان نے ایک آواز میں اُن دونوں سے پوچھا جبکہ محمد کا جسم اچانک سے برف کی طرح ٹھنڈا ہوگیا تھا۔)

اس کا جسم باریک نالیوں سے جُڑا ہوا تھا،جو اُس کی زندگی کی شریانیں بنے ہوئے تھیں۔اُس کی آنکھیں مکمل طور پر بند تھیں۔

ایک نرس اُس کے بستر کے کنارے کھڑی تھی،اس کی نگاہیں پوری توجہ سے ولی کی حالت پر مرکوز تھیں۔نرس کی چہرے پر فکرمندی اور امید کی ملی جلی کیفیت تھی،وہ اُن سب کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

یہ سب دیکھ کر ابراہیم،محمد اور ریان صاحب کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔وہ تینوں

چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے اُس کے قریب آئے۔

کیا وہ واقعی زندہ تھا، یا یہ سب بس مشینوں کا جادو تھا؟ کیا اس کے اندر اب بھی جان کی کوئی رمق باقی تھی یا صرف نالیوں میں دوڑتی دوائیں اسے زندگی کا فریب دے رہی تھیں؟

کیا اُس کا دل ابھی بھی دھڑک رہا تھا؟ کیا اُس کے جسم میں ابھی بھی روح موجود تھی یا پھر اُسے روکنے کی کوشش کی جا رہی تھی؟

(''ہانی! یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ اُس نے ناسمجھی سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

'' کیا چھُپا رہے ہو تم دونوں ہم سے؟'' ریان صاحب تشویش بھرے لہجے میں اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کچھ بھی نہیں بابا!'' محمد نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔)

ریان صاحب خاموش کھڑے رہے تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا تھا۔ وہ بس ولی کے بے جان پڑے وجود کو دیکھ رہے تھے۔

(''کچھ ہے جو شاید ہم سے چھپایا جا رہا ہے، محمد! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں ہمیں بتانا چاہیے؟'' ریان صاحب نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اوکے۔۔۔اوکے فائن۔۔۔بابا، مما!۔۔۔۔میں نے۔۔۔۔میں نے آپ سے۔۔۔ایک سچ چھپایا ہے، مگر۔۔۔مگر یہ میری مجبوری تھی،''میں۔۔۔میں محمد نہیں ہوں،'' اُس کی آواز کسی شکستہ شیشے کی طرح کانپ رہی تھی۔

''میں نے آپ لوگوں سے یہ بات چھپائی تھی۔۔۔میں۔۔۔میں ولی ہوں، بابا!'' یہ کہتے ہی اُس نے نظریں جھکا لیں، اُس نے بہت آسانی سے بنا کسی اسرار کے سچ بتا دیا تھا اُس کی زبان سے

یہ الفاظ سنتے ہی وہاں ایک سناٹا چھا گیا تھا۔

مسز ریان اور ریان صاحب کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی مگر اُن کا ری ایکشن ویسا نہیں تھا جیسا اُس نے تصور کیا تھا۔)

(محمد علی ولد ریان خان آفریدی۔۔۔۔ولی محمد ولد ریان خان آفریدی۔ '' اُن دونوں نے باری باری اُس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو انہیں مسلسل غصے سے گھُور رہا تھا۔)

''ولی زندہ ہے بابا!'' محمد کی آواز کمرے میں گونجی تو لمحہ بھر کے لیے سب کچھ تھم سا گیا تھا۔ مشینوں کی آوازیں، وقاص کی ٹیم کی سرگوشیاں، سب خاموشی میں بدل گئی۔

ولی کے سینے میں دھیرے دھیرے اُٹھتی گرتی سانسوں نے جیسے سب کو ایک نئی امید دے دی تھی۔

★。 ° ✦ ° 。★

''میں۔۔۔میں محمد نہیں ہوں۔'' اُس کی آواز کسی شکستہ شیشے کی طرح کانپ رہی تھی۔

''میں نے آپ لوگوں سے یہ بات چھپائی تھی۔۔۔میں۔۔۔میں ولی ہوں، بابا!'' یہ کہتے ہی اُس نے نظریں جھکا لیں۔

ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی اور چمچ دھڑام سے پلیٹ پر جا گرا، جیسے اس کی سچائی کا وزن برداشت نہ کر سکا ہو۔ کمرے میں ایک دم گہرا سکوت چھا گیا تھا، ایسا سکوت جس میں صرف دلوں کی دھڑکنوں کا بھاری بوجھ سنائی دے رہا تھا۔

یہ آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آواز گلے میں پھنس گئی تھی، سینہ بھاری، سانس بے ترتیب، اور نظریں پلیٹ پر جم گئیں تھیں۔

ہوا، گھڑی کی سوئیاں سب جیسے رک کر اس پل کو دیکھنے لگے ہوں۔ ولی کے لیے یہ چند لمحے صدیوں کے برابر تھے۔

کافی دیر تک کوئی نہیں بولا تھا۔

صرف ولی کے سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں، بھاری، بے قابو، اور جیسے ہر دھڑکن چیخ رہی ہو کہ ''اب سب ٹوٹ جائے گا۔''

''یہ بات ہمیں معلوم تھی۔'' کچھ دیر کے وقفے کے بعد وہ بولے تھے، ان کی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی۔ نہ غصہ، نہ طنز، بلکہ ایک عجیب سا سکون تھا، جیسے وہ برسوں سے اسی لمحے کا انتظار کر رہے ہوں۔

لیکن سب سے زیادہ حیران کن بات ان کے چہرے کا تاثر تھا۔

نرم۔۔۔بے حد نرم۔

ہانی ان سب کو آنکھوں میں حیرت، خوف، اور شاید تھوڑا سا یقین نہ آنے والا تاثر لیے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر سب کو دیکھنے لگی تھی، جیسے یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ مذاق تو نہیں کر رہے۔

ولی نے جھٹکے سے اپنا سر اُٹھایا، اس نے پہلے اپنے بابا کو اور پھر اپنی مما کو دیکھا۔ اس کے اندر جیسے کوئی دروازہ زور سے کھل گیا تھا، وہ دروازہ جسے وہ برسوں سے بند رکھے ہوئے تھا۔

اس کے اندر برسوں سے بھری خوف کی گٹھری، اُس کی سانسیں، اُس کی بے سکونی سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑی تھیں۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جو بوجھ وہ اتنے وقت سے اکیلے اٹھاتا رہا،

جو راز اسے ہر پل گھونٹ گھونٹ مار رہا تھا۔

جو خوف اسے راتوں کو جگائے رکھتا تھا۔

وہ تو کبھی چھپا ہی نہیں تھا۔

سب جانتے تھے۔

سب دیکھ رہے تھے۔

سب کو اس حقیقت کا علم تھا۔

ایک وہی تھا جسے اس بات سے بے خبر رکھا گیا تھا۔

صرف وہی تھا جو خود سے بھاگتا رہا۔

صرف وہی برسوں سے اپنے آپ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

ولی کی آنکھوں کے کنارے نم ہونے لگے تھے۔ اس نے ہونٹ بھینچ لیے تھے، مگر جذبات اس کے قابو سے نکل چکے تھے۔

ریان صاحب کی نظریں اس پر تھیں، محبت بھری، تھکی ہوئیں۔

ایسی نظریں جن میں برسوں کا انتظار، بے شمار دعائیں اور بہت سا درد مند سکون چھپا تھا۔

''ولی بیٹا!'' مسز ریان کی آواز میں ایسی نمی تھی جیسے لفظ بھی رو پڑے ہوں۔

''ہمیں پہلے دن سے ہی معلوم تھا کہ اس وقت جو ہمارے ساتھ موجود ہے۔۔۔وہ محمد نہیں، بلکہ ولی ہے۔''

ولی نے سر فراز ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

ان کی آنکھوں میں چمکتی نمی، اس کی طرف پھیلی ماں کی ساری محبت اور بے آواز پکار سب کچھ اسے پل میں توڑ دینے کے لیے کافی تھا۔

وہ یہ بات بھول گیا تھا۔۔۔کہ والدین تو اپنی اولاد کو اُن کی آہٹ سے ہی پہچان لیتے ہیں۔

سانسوں کے انداز سے، بولنے کی ٹھہراؤ سے، قدموں کے وزن سے، وہی چیزیں جنہیں دنیا کبھی نہیں جان سکتی۔

دنیا کبھی نہیں دیکھ سکتی۔

''آپ لوگوں کو۔۔۔پہلے سے معلوم تھا؟'' ولی نے جیسے دبی سانس کے ساتھ یہ سوال پوچھا۔اس کی آنکھوں میں خوف، حیرت اور ایک عجیب سا خلا اکٹھا ہو گیا تھا۔

''جی بیٹا!'' مسز ریان نے ہلکے سے مسکرا کر مگر نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

''ہمیں معلوم تھا، اگر ہم ہی تم دونوں میں فرق نہیں پہچان پائیں گے، تو کون پہچانے گا؟ اگر ہمیں ہی اپنی اولاد کی پہچان نہیں ہو گی۔۔۔تو پھر کس کو ہو گی؟''

ان کے لہجے میں ایک ٹوٹا ہوا سا دکھ تھا۔۔۔ایک ماں کا وہ زخم جو کبھی بھر نہیں سکتا تھا۔

محمد کی کمی، ولی کے وجود میں چھپی پکار، اور سالوں سے دل میں رکھی ہوئی بے بسی۔۔۔سب کچھ اس لمحے ان کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔

ولی کے لب کانپے تھے، اس کی آنکھیں لرزی تھیں۔

''تو۔۔۔پھر آپ لوگوں نے بتایا کیوں نہیں؟ مجھے کیوں اتنے وقت سے۔۔۔بے خبر رکھا؟'' اس کی آواز کی لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، جو بس ایک پل کے فاصلے پر بہنے کو تیار کھڑی تھی۔

ہانی خاموشی سے باری باری سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

ولی کا کانپتا چہرہ، مسز ریان کی بھری ہوئی آنکھیں، اور ریان صاحب کے ضبط نے اس کے دل کو کسی نادیدہ گرفت میں لے لیا تھا۔

آہستہ آہستہ ریان صاحب نے سر اٹھایا۔

انہوں نے گہرا سانس لیا، جیسے دل کا بوجھ لفظوں میں منتقل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

''تم نے بھی تو ہم سے کتنے سال یہ بات چھپا کر رکھی تھی۔'' وہ بولے تو اُن کے لہجے میں پھر سے

وہی بس نرمی ہی تھی۔

ولی کا سر شرم کے مارے جھک گیا تھا۔

''ہم صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے، ولی!''

انہوں نے ماحول کو مناسب کرنے کے لیے ولی کو تسلی دی، ان کی آواز مضبوط تھی مگر ایک مضبوط محبت سے بھری ہوئی۔

''ہم اس دن کا انتظار کر رہے تھے جس دن۔۔۔تم خود اپنے منہ سے سب سچ بتانے والے تھے۔ہم مجبور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ہم تمہیں ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔''

یہ کہتے ہوئے ریان صاحب کا سر تھوڑا سا جھک گیا تھا، جیسے ان کے اپنے ضبط کی دیواریں بھی ہلنے لگی ہوں۔

ولی کی سانس اندر ہی اندر ٹوٹ گئی تھی۔

اس نے اپنی ماں اور باپ کو دیکھا۔

اور پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ جتنا وہ اکیلا سمجھ رہا تھا۔۔۔وہ کبھی اکیلا تھا ہی نہیں۔

ٹیبل پر رکھی پلیٹیں اور چمچ کئی منٹ سے جوں کے توں پڑے تھے۔۔۔کھانا تو جیسے کسی کو یاد ہی نہیں رہا تھا۔

ولی کے ہاتھ کانپ رہے تھے، انگلیاں میز کے کنارے کو تھامے ہوئے تھیں۔

''مجھے معاف کر دینا مما۔۔۔میں۔۔۔میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا۔۔۔مجھے۔۔۔مجھے محمد کی جگہ نہیں لینی چاہیے تھی۔''

اس کی آواز اتنی دھیمی اور بھاری تھی کہ جیسے ہر لفظ اس کے حلق سے ٹوٹ کر گر رہا ہو۔

مسز ریان فوراً آگے جھکیں، ان کا ہاتھ نرمی سے ولی کی کلائی پر جا ٹھہرا۔

''ولی۔۔۔بس بیٹا!''

ان کی آواز میں وہی لرزش تھی جو صرف ماں کے خوف میں ہوتی ہے۔

ولی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

'' میں آپ لوگوں کو دُکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔''

وہ بھیگی نظریں اٹھا کر دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مسز ریان نے فوراً اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔

''بیٹا، پلیز۔۔۔خود کو تکلیف نہ دو، ہم یہاں ہیں نا۔''

ٹیبل کے دوسری طرف ریان صاحب خاموش بیٹھے تھے، مگر ان کی آنکھیں مسلسل ولی پر تھیں، گہری، بھاری، اور محبت سے بھری ہوئی۔

ولی کے ٹوٹے ہوئے الفاظ جیسے ہر سیکنڈ ان کے دل پر دستک دے رہے تھے۔

حنین بھی اداس چہرہ لیے اُسے ہی تک رہی تھی، وہ شاید اپنی ضد پر شرمندہ تھی، مگر اس کی اس ضد نے مثبت موڑ لیا تھا۔

''میں نے صرف اس لیے محمد کا نام لے لیا تھا۔''ولی کی آواز کانپ گئی تھی۔

''مجھ سے آپ دونوں کا غم برداشت نہیں ہو نا تھا۔۔۔محمد کی موت کا تصور ہی میری روح کو ہلا دیتا تھا۔''وہ اپنے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کر رہا تھا، مگر وہ آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

یہ سب کہتے ہوئے ولی کے سامنے رکھی پلیٹ دھندلی ہو گئی تھی۔

اسی لمحے ریان صاحب نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور میز پر ولی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

ولی چونکا تھا، لمس بہت مضبوط مگر بہت نرم تھا۔

''بیٹا،'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''ہم جانتے ہیں کہ تم نے دل سے کوشش کی تھی۔ ہم تم سے ناراض نہیں ہیں۔''

مسز ریان نے اپنے بیٹے کے کندھے کو سہارا دیا تھا جیسے وہ گرنے والا ہو۔

''ولی! تم نے اس وقت وہ کیا جو تمہیں ٹھیک لگا، اور ہمیں تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے، بیٹا۔''

ڈائننگ روم میں سانسوں کی نمی محسوس ہو رہی تھی۔

ٹیبل پر پڑی پانی کی گلاس کی ہلکی سی جھلک اس خاموشی میں بھی واضح تھی، جیسے پورا کمرہ ولی کی باتیں سن کر رُک گیا ہو۔

ریان صاحب نے پھر بولنے سے پہلے گہرا سانس لیا۔

''تم نے محمد کی جگہ نہیں لی، ولی! تم بس اُس لمحے کی تکلیف کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں۔''

مسز ریان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

انہوں نے ولی کے چہرے سے ایک آنسو صاف کیا۔

''تمہارا دل صاف ہے، بیٹا۔۔۔ ہمیں اس کی گواہی، کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔''

ڈائننگ ٹیبل پر تینوں کی سانسیں، جذبات اور دکھ۔۔۔ سب ایک لمحے میں خاموشی سے ایک دوسرے سے جُڑ گئے تھے۔

ولی پہلی بار اپنے ماں باپ کو دیکھتے ہوئے اتنا اکیلا محسوس نہیں کر رہا تھا۔

ماحول مناسب ہونے لگا تھا، ولی کی ہچکیاں تھم گئیں تھیں، مسز ریان کے دل کو چین مل گیا تھا۔

''تمہارا اِس میں کوئی قصور نہیں بیٹا! ہر شے لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، کون کتنے دن اِس دنیا میں رہنے آیا ہے، یہ اللہ کی سوا کوئی نہیں جانتا۔'' مسز ریان اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لگاتی ہوئی بولی تھیں، اُن کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے مگر اُن کے لیے اس وقت ولی کو سنبھالنا زیادہ ضروری تھا۔

'' کاش کہ میں نے اس دن وہ غلطی نہ کی ہوتی۔'' ولی نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

'' تم ابھی سیکھنے کے مراحل پر ہو ولی بیٹے! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا، ایک مؤمن کی زندگی میں کاش اور اگر نہیں ہوا کرتا، اس کی زندگی میں صرف اللہ کی رضا اور تقدیر پر ایمان ہوتا ہے۔'' ریان صاحب اپنی پلیٹ پر جھکے اس سے مخاطب تھے، وہ حیرانی سے اپنے بابا کو دیکھنے لگا تھا، اُس نے کبھی اپنے بابا کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔

''وہ اپنے رب کے فیصلوں پر سر جھکاتا ہے، وہ کبھی نہیں سوچتا کہ اگر ایسا کر لیا جاتا تو ویسا ہو جانا تھا اور کاش کہ یہ نہ ہوا ہوتا اور کاش وہ نہ ہوا ہوتا، مؤمن ہمیشہ اپنے رب کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے۔''

سب کی نظریں ریان صاحب کی طرف تھیں جو سر جھکائے بڑی نرمی سے اپنے بیٹے کو سمجھا رہے تھے۔

''میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے منہ سے ایک شعر سنا تھا،

رضائے رب پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا؟

خدا خالق، خدا مالک، خدا کا حکم۔۔ تُو کیسا؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ یہاں کس حرفِ آرزو کی بات کر رہے ہیں؟'' ریان صاحب نے سر اُٹھا کر ولی کی طرف دیکھا جو دم بخود اُنہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''آپ ہی بتا دیں۔'' ولی نے مختصر سا فقرہ بولا تھا۔

''وہ یہاں۔۔۔اگر اور کاش کی بات کر رہے ہیں، ایک مؤمن کی زندگی میں ایسے لفظوں کی کوئی جگہ نہیں بنتی ہے بیٹے!'' وہ ولی کو اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے، ولی سمیت، مسز ریان اور ہانی بھی انہیں بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

''جو ہوا اللہ کی مرضی سے ہوا، وہ سب ایسے ہی ہونا تھا، اللہ نے وہ سب ایسے ہی لکھا تھا۔'' ''بیٹا! کیا میں تمہیں ایک نصیحت نہ کروں؟'' انہوں نے ولی سے بڑی نرمی اور پیار سے پوچھا تھا۔

''کیوں نہیں بابا!'' وہ اور بھی چوکنا ہو کر بیٹھ گیا تھا جیسے اُس کے جسم کا ہر عضو کان بن گیا ہو۔

''کبھی بھی زندگی میں برے حالات میں پھنس جاؤ اور پھر حوصلہ ٹوٹنے لگے تو آسمان کی طرف دیکھنا اور کہنا کہ اے اللہ! آپ ایسے راضی تو پھر میں بھی آپ کی رضا میں راضی، پھر بس صبر کرنا اور دیکھنا کہ مالک کا فیصلہ کیا آتا ہے، اُس کے فیصلے کمال ہیں، وہ بڑی حیا والا ہے، وہ کبھی بھی کسی کی اُمید نہیں توڑتا۔'' ولی نے بے چینے کے عالم میں پہلو بدلا۔

''کیا تمہیں اس بات پر کوئی آیت یاد آئی؟'' ریان صاحب نے اپنی بات کو درمیان میں روک کر اچانک ولی سے پوچھا۔

''ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا۔''(سورۃ البقرۃ، ۱۴۴) ولی کے منہ سے بے اختیار سورۃ بقرہ کی یہ آیت نکلی تھی۔

'' شاباش! وہ کبھی بھی اُٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہیں موڑتا، وہ کبھی بھی اپنی طرف آتی نظروں کو نظر انداز نہیں کرتا، شرط یہ ہے کہ اُس کی رضا میں راضی رہنا ہو گا، اس کے ہر فیصلے پر سرِ تسلیم خم کرنا ہو گا۔'' وہ جدید دَور کا انسان، پینٹ کوٹ پہننے والا شخص۔۔۔کیا وہ بھی دین کو سمجھ سکتا ہے؟ کیا وہ بھی خدا کے رازوں تک پہنچ سکتا ہے۔

ہاں۔۔۔کیوں نہیں۔ ہر انسان اپنے ربّ کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خدا کبھی لباس دیکھ کر اپنی محبت تقسیم نہیں کرتا، نہ ہی چہرہ دیکھ کر کسی کو اپنے قرب کے لیے چُنتا ہے۔ وہ تو دلوں کو دیکھتا ہے، نیتوں کو دیکھتا ہے۔ وہ ایمان اور توکل کو دیکھتا ہے۔

''اگر محمّد کے حصّے کا رزق اس دنیا میں اور باقی ہوتا تو وہ ضرور اسے پا لیتا۔ لیکن جب وقت اور رزق دونوں تمام ہو جائیں، تو پھر جانا ہی پڑتا ہے۔ نہ تم اسے روک سکتے تھے، نہ ہم۔ بیٹے! جسے جانا ہوتا ہے، وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور جاتا ہے۔''

وہ ابھی ریان صاحب کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ مسز ریان کی آواز نے اسے سوچوں سے نکال لیا تھا۔

وہ سمجھتا تھا کہ گزشتہ برسوں میں وہ بہت کچھ سیکھ چکا ہے، مگر اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُسے ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔

ہر چیز ایک ہی دن میں نہیں سیکھی جا سکتی۔ سیکھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے اور دینِ اسلام کوئی ایسا مختصر دین نہیں کہ چند سالوں میں مکمل سمجھ لیا جائے۔

ہاں، دینِ اسلام آسان ضرور ہے، مگر چھوٹا نہیں۔ اس نے ہمیں پوری زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

اسلام ایک سسٹم آف لائف ہے، اور نظام کبھی بھی مختصر نہیں ہوا کرتا۔

ولی نے آہستہ سے سانس لی، جیسے برسوں کا بوجھ ایک ہی لمحے میں کہیں تحلیل ہو گیا ہو۔
بابا کی گرم ہتھیلی اب بھی اس کے ہاتھ پر رکھی تھی، اور مما کے وجود کی نرمی اس کے ٹوٹے دل کے گرد ایک خاموش دعا کی طرح پھیل رہی تھی۔
کمرے میں اب وہ بھاری سناٹا نہیں تھا۔
یہ سکوت۔۔۔ سکون کا تھا۔
قبولیت کا۔۔۔
محبت کا۔۔۔
اور صبر سے ملنے والے اُس یقین کا، جو دل کی دھڑکنوں میں آہستہ آہستہ اترتا ہے۔
ولی نے ہلکی سی نم مسکراہٹ کے ساتھ نظریں اٹھائیں۔
''میں۔۔۔ کوشش کروں گا، بابا۔''
ریان صاحب نے اسے دیکھ کر سر ہلایا، جیسے اس ایک جملے میں انہیں پوری زندگی کی آس مل گئی ہو۔
''بس یہی کافی ہے، بیٹا۔''
ولی نے آنکھیں بند کیں اور دل میں پہلی بار۔
خوف کی نہیں،
سکون کی لہر اٹھی۔
جیسے بہت دیر سے بھٹکا ہوا دل آخر کار اپنے گھر لوٹ آیا ہو۔
اور یوں، اس لمحے کے گرد لپٹی ہوئی خاموشی، اس خاندان کے درمیان ایک نئی، نرم شروعات کا آغاز بن گئی۔
★。° ✦ °。★
چند سال قبل۔
''ولی زندہ ہے بابا!'' محمد کی آواز کمرے میں گونجی تو لمحہ بھر کے لیے سب کچھ تھم سا گیا تھا۔ مشینوں کی آوازیں، وقاص کی ٹیم کی سرگوشیاں، سب خاموشی میں بدل گئی۔
ولی کے سینے میں دھیرے دھیرے اُٹھتی گرتی سانسوں نے جیسے سب کو ایک نئی امید دے دی تھی۔ ریان صاحب کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے، اُن کے قدم ان دیکھی قوت نے جکڑ لیے تھے۔
وہ وہاں شل ہوتے دماغ کے ساتھ کھڑے تھے، اُن کے وجود میں آج قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر روح پھونک دی گئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے محمد کے ساتھ آن کھڑے ہوئے تھے، ولی اُن کے سامنے تھا، بے جان سا وجود بیڈ پر پڑا تھا۔
پورا جسم نالیوں کی گرفت میں تھا، دیوار پر لگی مشین اُس کے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہی تھی، بیپ کی آواز اور اوپر نیچے ہوتی وہ لکیر جو اُس کے سانس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

اُن کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، اُنہیں نہیں پتا تھا کہ وہ اس بار اُنہیں تنگ نہیں کر رہا، وہ نہیں جانتے تھے کہ ولی اس بار سچ میں کسی بڑی مصیبت میں ہے۔

اُن کے کندھے جھکے ہوئے تھے، چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں تھے، وہ شرمندہ تھے، پشیمانی نے اُنہیں آن گھیرا تھا۔

وہ بس ولی پر نظریں جمائے ہوئے تھے، ولی چاہے جتنا بھی اُنہیں پریشان کرتا تھا، مگر وہ ہمیشہ محمد سے زیادہ اس کی فکر کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ اُسے کھونے سے ڈرتے تھے، وہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ ولی اُن سے دور ہو۔

ولی اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتا تھا، مگر انہیں اس کی پرواہ تھی، وہ ہمیشہ اپنے کاروبار کو ڈسکس کرنے سے پہلے وقاص احمر سے اس کا پوچھا کرتے تھے۔

وہ کبھی بھی ولی سے بے خبر نہیں رہے تھے، ولی کو تو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے باپ کی آنکھوں کے سامنے ہی رہا تھا۔

''اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟'' ان کے لب دھیرے سے پھڑپھڑائے تھے۔

محمد کی نظریں اپنے بابا کے چہرے پر گئیں، وہ پریشان تھے، اور بہت پریشان تھے، اُن کی آنکھیں نم تھیں، بس آنسو بہنے کو تیار تھے۔

''ولی ٹھیک ہے بابا!'' محمد نے اُنہیں تسلی دینا چاہی تھی۔

''اگر اسے کچھ ہو جاتا تو کیا تم اور تمہاری ماں مجھے معاف کر دیتے؟'' محمد کو احساس ہوا کہ ان کی بات تب مکمل نہیں ہوئی تھی۔

وہ اپنے بابا کے چہرے کو تک رہا تھا اور ریان صاحب ولی کو ٹرانس کی کیفیت میں دیکھ رہے تھے۔

''اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے بابا!'' محمد نے پھر سے انہیں تسلی دینا چاہی۔

''ریلیکس بابا! ولی جلد ٹھیک ہو جائے گا، آپ فکر نہ کریں۔'' ایک بیٹا اپنے باپ کو بکھرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ولی مجھے معاف کر دیگا؟'' ریان صاحب، محمد کی دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''آپ گلٹ فیل نہ کریں بابا! آپ نے تو ہمیشہ ہمیں پروٹیکٹ کرنے کی کوشش کی ہے، آپ نے تو ہمیشہ ہمارا بھلا چاہا ہے۔'' محمد کی باتیں سو فیصد سچی تھیں، بھلا کوئی باپ اپنی اولاد کا بُرا چاہ سکتا ہے؟

بھلا کوئی باپ بھی اپنی اولاد کو کنویں میں دھکیلتا ہے؟

کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی اپنے باپ سے مچھلی مانگے اور وہ اسے سانپ پکڑا دے؟

''ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، ولی کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

وہ ولی کے چہرے کو اپنی آنکھوں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔

آج اُنہیں اس کا تنگ کرنا یاد آیا تھا، وہ بچپن میں محمد کے کھلونے چھین لیا کرتا تھا اور محمد بالکل بھی نہیں رویا کرتا تھا۔

ریان صاحب کو جب پتا لگتا تب وہ اسے ڈانٹتے تھے اور پھر اس پر ولی نیچے والا ہونٹ باہر نکال کر خوب رویا کرتا تھا۔

وہ اکثر ریان صاحب کی ڈانٹ پر گھر چھوڑ کر چلا جایا کرتا تھا، شام کو جب وہ واپس نہیں آتا تھا تو ریان صاحب خود جا کر اسے منا کر لایا کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ شرارتیں کرتا تھا اور ہمیشہ ریان صاحب سے ڈانٹ کھایا کرتا تھا، ریان صاحب ولی سے جتنی محبت کرتے تھے اُتنی تو کبھی انہوں نے محمد سے بھی نہیں کی تھی۔

انہوں نے جھک کر ولی کا ماتھا چوما اور اُس کے بالوں کو سنوارنے لگے۔

آج اُن کے دماغ میں اس منظر نے دستک دی جب وہ محمد کو خوب پیٹ کر اُن کی ٹانگوں سے آ کر لپٹ جایا کرتا تھا۔

''اوہ ولی! مجھے اپنے بزنس میں اتنا مصروف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں خود سے دور کر کے بہت بڑی غلطی کر دی۔'' آج اُنہیں ٹوٹ کر اس بات کا احساس ہوا تھا۔

اُن دونوں کے درمیان دوریاں تب آئیں جب ریان صاحب اپنے بزنس میں بہت زیادہ بزی ہو گئے تھے۔

وہ شام کو دیر تک دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اُن کا انتظار کرتا رہتا مگر وہ نہ آتے اور پھر جب وہ آتے تب تک وہ سو چکا ہوتا تھا۔

ولی نے پھر اپنا وقت باہر گزارنا شروع کر دیا تھا، وہ غلط لڑکوں سے دوستی رکھنے لگا اور محمد کے لاکھ سمجھانے پر وہ اس کی ایک نہ سنتا تھا۔

مسز ریان کو اس سب کی خبر نہیں تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ محمد اس کے ساتھ ہے اس لیے وہ

اسے غلط راستہ پر نہیں جانے دے گا۔

وقت گزرتا گیا اور وہ اپنے والدین کا نافرمان بن گیا، جب ریان صاحب نے دوبارہ اس پر توجہ دینا چاہی تب تک کافی دیر ہو چکی تھی، ولی اُن کے ہاتھوں سے تب تک نکل چکا تھا۔

انہیں بہت دیر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ اپنے اُس پانچ سال کے ولی کو کھو چکے ہیں، وہ اپنے

اس معصوم سے بیٹے کو کھو چکے ہیں۔

اب اُن کے ہاتھ میں اگر کچھ تھا تو بس دعا تھی اور اُس کی حفاظت، انہوں نے اس کی حفاظت کے لیے وقاص احمر کو مقرر کر رکھا تھا۔

اُس رات ولی کو گولیاں لگی تھیں کیونکہ اُس رات ریان صاحب نے وقاص احمر سے ولی کا نہیں پوچھا تھا۔ یہ

وقاص کی ڈیوٹی تھی کہ وہ ہر رات اُنہیں ولی کی رپورٹ دیا کرتا تھا۔

وہ کہاں کہاں گیا تھا۔۔۔

کیا کچھ کرتا رہا تھا۔۔۔

کن لوگوں میں اُٹھا بیٹھا تھا۔۔۔

اس وقت وہ کہاں موجود ہے۔۔۔

پورے دن کی رپورٹ ریان صاحب کے سامنے ہوا کرتی تھی۔

''ہمیں اُن سے بدلہ لینا چاہیے بابا!'' محمد کے پاس اُن کا گلٹ ختم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔

''میں اپنی اولاد پر قاتلانہ حملہ کرنے والوں کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا، اُنہیں اس کا حساب دینا ہو گا۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں کی نمی اندر دھکیل دی تھی۔

وہ ایک مرد تھا اور مرد کبھی بھی کسی کے سامنے اپنے آنسو ظاہر نہیں ہونے دے سکتا تھا۔ یہی تو سکھایا ہے آج تک ہمارے معاشرے نے ہر مرد کو۔

مرد کو بھی بھلا درد ہوتا ہے؟ مرد روتے نہیں ہیں۔

ہمارا معاشرہ تو یہ سمجھتا ہے کہ مرد کے سینے میں دل نہیں بلکے کوئی کمپیوٹرائز چپ فٹ ہے جس میں احساسات کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

''وقاص احمر!'' دفعتاً انہوں نے وقاص احمر کو اپنے پاس بلایا جو پیچھے خاموشی سے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''جی سر!'' وہ مؤدب سا ان کے پاس آن کھڑا ہوا تھا۔

''آج کے بعد کوئی ایسا دن نہ آئے جب میں تم مجھے ولی کی خبر نہ دو۔'' ان کا لہجہ نرم تھا مگر انداز سنجیدگی والا تھا۔

''آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا سر!'' وقاص احمر ان کے حکم پر سر جھکا گیا تھا۔

''اگر ایسا کبھی ہوا تو وہ دن تمہاری نوکری کا آخری دن ہوگا، اِز دیٹ کلیئر؟'' اُن کے آواز رعب دار تھی، وقاص کو اس آواز میں ہر حکم قبول تھا۔

''یس سر!'' وقاص نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی۔

یہ بات تو ریان صاحب بھی جانتے تھے کہ وقاص احمر جیسا ایماندار انسان اپنے کام میں کبھی غفلت نہیں برت سکتا۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنا فرض نبھانا جانتا ہے۔

''ہمیں اب واپس چلنا چاہیے، ولی کو ہاسپٹل شفٹ کرنے کا انتظام کرو جہاں اُسے پراپر ٹریٹمینٹ دیا جائے گا۔'' وہ وقاص کو اگلا حکم دے رہے تھے۔

''نرس کو بھی اپنے ساتھ لے لو، ولی پر حملہ کروانے والوں کو تلاش کرنے میں شاید کوئی مدد کر سکے۔'' انہوں نے آخری حکم صادر کیا اور وہ واپس پلٹ گئے۔

دروازہ عبور کرنے سے پہلے انہوں نے ایک آخری نظر ولی پر ڈالی، ایک اُداس نظر۔

اُن کی آنکھوں میں غم تھا، صدمہ تھا، اور بھی بہت کچھ اُن کی آنکھیں بیان کر رہی تھیں۔

ولی پر آخری نظر ڈال کر وہ باہر نکل گئے تھے، انہیں اب ولی کو اس حالت میں پہنچانے والوں سے حساب لینا تھا۔

محمد گھٹنوں کے بل ولی کے بیڈ کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا رہا تھا۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے بچپن کے گزرے دن گھوم رہے تھے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اُس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیے ہوا تھا۔

★。° ✦ °。★

رات کے تقریباً دو بج رہے تھے۔ تیز چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے باعث رات کافی سرد تھی۔

کافی دیر پہلے اُسے ہاسپٹل شفٹ کیا گیا تھا، وہ سب اس وقت ہاسپٹل میں موجود تھے، مختلف دواؤں کی مہک پورے ہاسپٹل میں پھیلی ہوئی تھی۔

ہر شخص کے چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔

کوئی بل ہاتھ میں تھامے کسی سوچ میں گم تھا تو کوئی اپنے کسی پیارے کی وہیل چیئر کے ہینڈل کو تھامے پریشان کھڑا تھا۔

ہاسٹل کے ایک سفید کاریڈور میں ریان صاحب، ارحم صاحب اور ہمایوں انصر سمیت اُن کی پوری فیملی موجود تھی، سب اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے بولنا بھول گئے ہوں۔

محمد اپنی کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، دونوں ہاتھوں کی بند مٹھیاں ہونٹوں پر رکھے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ارحم اور ریان صاحب سمیت باقی سب کی حالت بھی محمد سے مختلف نہ تھی۔

یزمان کے چہرے پر پریشانی کی آثار نمایاں تھے کہ حنین کو وہ نماز میں کئی دفعہ روتا ہوا دیکھ چکی تھی۔

اس وقت سب خاموش بیٹھے تھے، حنین بھی خاموشی سے بیٹھی اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب کمرے کے اندر سے دروازہ کھلتا دکھائی دیا تو سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔اُس کمرے سے نکلنے والا ڈاکٹر تھا جو ولی کا معائنہ کر رہا تھا۔

اُس ڈاکٹر کے باہر آتے ہی سب کھڑے ہو گئے تھے جبکہ ریان، ارحم اور ہمایوں صاحب اُن کی طرف لپکے۔

محمد اور ابراہیم بھی اُن کے عین مقابل آن کھڑے ہوئے تھے جبکہ باقی سب سانس روکے ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سننے کے منتظر تھے۔

''آپ لوگوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ڈاکٹر کے منہ سے یہ الفاظ سننے تھے کہ سب کے اٹکے سانس بحال ہو گئے تھے۔

تسلی دے دی گئی تھی، حوصلہ بڑھا دیا گیا تھا، خدا کا شکر ادا کرنے کا موقع دے دیا گیا تھا۔سب کے دلوں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا جبکہ مسز ریان کی زبان پر تو الحمد اللہ کی تسبیح جاری ہو گئی تھی۔

''ہم ایسے کیسز پہلے بھی دیکھ چکے ہیں، زخم گہرے ضرور ہیں مگر اب خطرناک نہیں رہے ہیں۔'' ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ وہ سب غور سے سُن رہے تھے۔

''ہم سے پہلے جس نے بھی پیشنٹ کا آپریشن کیا ہے، وہ کوئی ماہر قسم کا ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے، اُس نے بہت مہارت سے پیشنٹ کا آپریشن کیا ہے۔''

حنین نے یزمان کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا، اُس کی ہتھیلیوں پر پسینا آ رہا تھا، ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ حنین کے جسم میں نئی روح پھونک رہا تھا۔

اگر کسی کو جاننا ہو کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا کیسا ہوتا ہے تو وہ حنین سے پوچھے، اگر کسی کو جاننا ہو کہ کسی مردہ جسم میں روح پھونکے جانے کا عمل کیسا ہوتا ہے تو وہ بھی حنین سے پوچھا جائے۔

''وہ انشااللہ زندہ بھی رہے گا اور واپس اپنے پیروں پر کھڑا بھی ہو گا، مگر تھوڑا سا وقت لگے گا۔''ڈاکٹر کے منہ سے نکلنے والے آخری الفاظ سن کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔

بالآخر وہ زندہ تھا، اسے زندگی دے دی گئی تھی، اُس پر اللہ کے رحمت مہربان ہو گئی تھی، بالآخر اُسے تھوڑا اور وقت دے دیا گیا تھا،

بالآخر۔۔۔۔بالآخر۔

''آپ دونوں میرے ساتھ آئیں، مجھے آپ دونوں سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' ڈاکٹر نے جاتے ہوئے ارحم اور ریان صاحب کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا، وہ باقی کی تفصیل شاید گھر کی خواتین کی موجودگی میں نہیں دینا چاہتے تھے۔

ماؤں کے دل بہت نازک ہوتے ہیں، مائیں تو پل بھر میں اپنی اولاد کا دکھ اور تکلیف بھانپ جاتی ہیں، ڈاکٹر اِس بات کو اچھے سے سمجھتا تھا۔

جو تسلی اُنہیں دینی تھی وہ دے چکے تھے، ایک ماں کا کھویا ہوا اعتماد وہ بحال کر چکے تھے، ڈاکٹر کے ہاتھ میں تو بس اتنا ہی ہوتا ہے، زندگی اور موت تو اللہ نے اپنے اختیار میں رکھی ہے۔

اُن کے جانے کے بعد مسز ریان اور مسز ارحم دروازے کے پاس آن کھڑی ہوئی تھیں۔

وہ دروازے میں لگے گلاس کے پار بستر پر لیٹے ولی کے وجود کو دیکھ رہے تھے،اس کے پیچھے دیوار پر لگی مشین کی بیپ کی آواز اُس کے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

''حنین!'' محمد اُس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''جج۔۔۔جی'' اُس نے سر اُٹھا کر محمد کی طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' محمد اُس کا حال پوچھ رہا تھا،جانے کیوں اُسے اس حال میں دیکھ کر اُسے دُکھ ہوا تھا۔

''سچ بتاؤں یا جھوٹ؟'' حنین گردن اٹھائے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی،اُس کی آواز تھکی ہوئی تھی،گلہ بیٹھا ہوا تھا۔

''جو تمہیں ٹھیک لگے۔'' محمد بھی یہ بات نہیں کہہ سکا کہ اُسے جھوٹ سننا ہے،کیونکہ اُسے معلوم تھا،سچ تو یہ ہے کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں۔'' اُس نے نظریں جھکالی تھیں،شاید یہ جملہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئی تھیں جسے وہ چھپانا چاہ رہی تھی۔

محمد کو اُس کا جواب سن کر بہت دکھ ہوا تھا،جانے کیسی اُداسی تھی جو اُس جملے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔

''مگر وہ اب ٹھیک ہے،تمہیں بھی اب ٹھیک ہونا پڑے گا۔'' محمد آج بھی وہی کام کر رہا تھا جو وہ ہمیشہ سے کرتا آیا تھا،'' فِلسنگ''،وہ ہمیشہ سے سب کچھ فِکس کرنے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

''کیا وہ بالکل ٹھیک ہے؟'' حنین نے معصومیت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیا ہمیں ڈاکٹر کی بات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے؟'' محمد جب جھوٹ بولنے کے موڈ میں نہیں ہوتا تھا تو وہ ہمیشہ سامنے والے سے اُلٹا سوال کر لیتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ولی بالکل ٹھیک نہیں ہے،ٹھیک تو وہ خود بھی نہیں تھا،مگر اُسے باقیوں کو حوصلہ دینا تھا،اُس کی ذات سے جُڑے تمام لوگ ٹھیک ہونے چاہیے،پھر چاہے وہ خود جس مرضی ٹراما سے گزر رہا ہو۔

''ہمم،'' حنین کو سمجھ نہیں آئی کہ اسے اب کیا بولنا چاہیے۔

''یزمان!'' محمد نے اچانک یزمان کو اپنی طرف متوجہ کیا جو تب سے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

''کیا آپ ٹھیک ہیں؟'' محمد کو سمجھ نہیں آئی کہ اُس نے وہی سوال یزمان سے بھی کیوں پوچھ لیا تھا۔

''میں۔۔۔''اُس نے ایک نظر حنین پر ڈالی،

''اگر ہماری ذات سے جڑے لوگ ذہنی طور پر پُر سکون ہوں تو ہم بالکل ٹھیک ہو جاتے ہیں،چاہے ہمیں جسمانی طور پر جتنی بھی بیماریوں نے کیوں نا گھیر رکھا ہو۔'' یزمان کا اشارہ حنین کی طرف تھا جسے پریشان دیکھ کر وہ ہمیشہ ڈسٹرب ہو جایا کرتی تھی۔

''آپ دونوں مما کے پاس جا کر بیٹھیں،میں اور ابراہیم کچھ کھانے کے لیے لے کر آتے ہیں۔'' محمد کے ہاتھ میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا،وہ بس اُنہیں تسلی دے سکتا تھا جو کہ وہ دے رہا تھا۔ہماری زندگی میں لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں،لوگ تو جانے کے لیے ہی آتے ہیں۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ جاتے ہوئے اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں،اپنی محبت چھوڑ جاتے ہیں،اپنی اچھائی چھوڑ جاتے ہیں،اپنی اپنائیت چھوڑ جاتے ہیں۔

جانے والے اپنے پیچھے کچھ ایسا ضرور چھوڑ جاتے ہیں جس سے ہم اُن کو بھلا نہیں پاتے۔

جب ہماری زندگی میں، ہمارے دل کی بنجر زمین پر، جو ایک مدت سے ویران پڑی ہوتی ہے، پر کوئی قدم رکھتا ہے تو پھر ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر چلا جائے۔

اُس انسان کے بغیر دنیا کے ہجوم میں بھی ہم تنہا کھڑے ہوتے ہیں اور اگر وہ انسان ساتھ ہو تو پوری دنیا انسانوں سے خالی بھی ہو جائے تو ہمارے لیے وہ انسان پوری دنیا، اُم ہم پوری کائنات بن جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہم اُس انسان سے بچھڑ کر رہ نہیں سکتے، بالکل رہ سکتے ہیں، مگر یہ بات تو تب ہے

کہ اگر ہم رہنا چاہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم اُس انسان کو بھلا نہیں سکتے، آنے والے لوگ، جا چکے لوگوں کی جگہ لے لیتے ہیں، لوگ تو آتے ہی جانے کے لیے ہیں، مگر۔

مگر ہماری زندگی میں کوئی انسان ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی جگہ ہم کسی کو نہیں دیتے، جسے بھلانا ہی نہیں چاہتے، جس کو یاد کو ہم دل و دماغ سے نکالنا ہی نہیں چاہتے۔

اگر ہم بھولنا چاہیں
تو تم کو بھول سکتے ہیں
ہاں یکسر بھول سکتے ہیں
سراسر بھول سکتے ہیں
مگر یہ بات تو تب ہے
"اگر ہم بھولنا چاہیں"

★。° ✦ °。★

ڈیڑھ سال بعد۔

صبح نو بجے کا وقت تھا، بہار ایک بار پھر سے آ چکی تھی، سردیاں ایک بار پھر سے آ کر جا چکی تھیں، سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چلنے کے باعث موسم خوشگوار تھا، باغوں میں پھول کھلے تھے اور اُن پھولوں پر اُڑتی تتلیاں اُن کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہی تھیں۔

دیوانِ ریان خان آفریدی میں داخل ہو تو لان کی کیاریوں میں بھی یہی منظر دیکھنے کو مل رہا تھا،

کیاریوں میں مختلف قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

لان کی زمین پر بچھا سبز گھاس اس قدر سبز تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا مانو زمرد کا فرش بچھا دیا گیا ہو۔

لان میں رکھی کرسیاں آج خالی تھیں، میز پر آج کی اخبار اور ایک کپ چائے کا رکھا تھا جو کہ خالی تھا، شاید ملازم آج اُس کپ کو اُٹھانا بھول گئے تھے۔

دیوانِ ریان کی دوسری منزل پر آؤ تو وہ بیڈ پر پیٹ کے بل سویا ہوا تھا، اُس کی نیند تب خراب ہوئی جب اچانک اُس کا فون بجنے لگا تھا۔

وہ اپنا چہرہ تکیے میں دیے ہوئے تھا اور وہ ہاتھ سے ساتھ رکھی میز پر موبائل ڈھونڈ رہا تھا، وہ میز پر ادھر اُدھر ہاتھ گھما رہا تھا اور فون تھا کہ اُس کے ہاتھ ہی نہیں لگ رہا تھا۔

آخر کار وہ تنگ آ کر اُٹھا اور فون اُٹھا کر کال کٹ کی، دو چار الفاظ منہ میں بڑبڑائے جیسے کال کرنے والے کو مختلف القاب سے نواز رہا ہو۔

جب وہ اپنے اس پسندیدہ مشغلے سے فارغ ہو چکا تو وقت کی طرف غور کیا، نو بجتے

دیکھ کر وہ بیڈ سے اُتر گیا۔

سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ماتھے پر بل تھے۔ وہ گرے جینز پر نیوی بلیو شرٹ پہنے ہوئے تھا، شاید رات کو آتے ہی سو گیا تھا۔

نیم دراز آنکھوں کو لیے وہ وارڈ روب تک گیا، اُسے کھول کر کپڑے اِدھر اُدھر کرنے لگا اور ایک جینز کے ساتھ ٹی شرٹ اُٹھائے واش روم میں گھُس گیا۔

کچھ دیر بعد وہ بلیو جینز پر گرے ٹی شرٹ پہنے سیڑھیوں سے اُتر رہا تھا، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے جن میں سے پانی کے کچھ قطرے ابھی بھی ٹپک رہے تھے۔

ایک ملازمہ اُسے نیچے آتا دیکھ سیڑھیوں کے کنارے پر آ کھڑی ہوئی تھی، وہ اُسے وہاں کھڑا دیکھ کر زِچ ہوا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی تھی، ماتھے پر بل تھے، ہونٹ تو جیسے مسکراہٹ کو جانتے ہی نہ ہوں۔

''کیوں کھڑی ہو یہاں؟'' وہ جب اُس کے پاس پہنچا تو اُس نے آخر کار پوچھ ہی لیا تھا۔

''صاحب۔۔۔ وہ۔۔۔۔ ناشتہ لگا دوں؟'' اُس کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر ملازمہ بھی گھبرا گئی تھی۔

اِس گھر میں سب ملازم اُس سے کتراتے تھے، وہ ایسا ہی تھا، کھڑوس سا، روڈ سا، منہ پھٹ سا، سب اُسے ایسا ہی سمجھتے تھے اس لیے سب ملازم اُس سے بات کرنے سے پرہیز ہی کیا کرتے تھے۔

''ہمم۔'' وہ مختصر سا جواب دیتا آگے بڑھ گیا۔

وہ وہاں سے ادھر اُدھر نظر گھماتا لان میں آیا، وہ ایسے پورے گھر میں نظریں دوڑا رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا لان میں اُن کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا جو شاید ابھی کچھ دیر پہلے لان میں آئی تھیں۔

وہ آلتی پالتی کیے گھاس پر بیٹھی تھیں، اُن کے پاس گملوں میں کچھ پودے رکھے تھے جنہیں شاید وہ اب اپنے لان میں لگانا چاہتی تھیں۔

''اُٹھ گئے ہو ولی؟'' اُنہوں نے بنا پیچھے مڑے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے اُس سے پوچھا تھا۔

''گُڈ مارننگ کہتے ہیں مما۔'' اُس کے ماتھے پر پڑے بل تھوڑے ہلکے ہوئے تھے۔

''گُڈ مارننگ!'' وہ کیاری کی زمین نرم کر رہی تھیں۔

''کیا میرے سر پر آپ نے کیمرا لگائے ہوئے ہیں کہ میرے آنے سے پہلے آپ کو خبر ہو جاتی ہے؟'' اُس کا بگڑا موڈ ٹھیک ہونے لگا تھا۔

''میں تمہیں تمہارے قدموں کی آواز سے پہچان لیتی ہوں۔'' وہ اب ایک گملے سے پودا نکال کر کیاری میں لگا رہی تھیں۔

''مگر میں نے تو کوئی آواز ہی نہیں کی۔'' ولی مشکوک ہوا تھا۔

''تمہارے قدموں کی آہٹ سے۔'' وہ اس پودے کی جڑوں پر مٹی ڈال رہی تھیں۔

''مگر میں نے تو کوئی آہٹ بھی نہیں کی۔'' وہ آنکھیں سُکیڑ کر اپنی ماں کی پُشت کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے پھر بھی سنائی دے گئی تھی۔'' وہ یہ بات کہہ کر پیچھے کی طرف مڑی۔

ولی کی پشت پر سورج تھا اور ولی کا سایہ مسز ریان کے پاس ہی پڑ رہا تھا، وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ کا چھجا بنائے اُسے دیکھنے لگی تھیں۔

''لیکن مما جب کوئی آہٹ ہوئی ہی نہیں تو آپ کو کیسے سنائی دے گئی؟'' وہ ایک چھوٹی سی بات پر اپنی ماں سے کیوں بحث کر رہا تھا، یہ اُسے بھی نہیں معلوم تھا۔

''یہ سایہ دیکھ رہے ہو؟ اِس سے پتہ لگ گیا تھا۔'' مسز ریان نے اُس کے سایہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا؟'' وہ کنفرمیشن مانگ رہا تھا، مگر کیوں؟ شاید اُس کے پاس بات کرنے کے لیے اور کوئی ٹاپک نہیں تھا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں نے سچ مچ تمہارے سر پر کیمرا زلگائے ہوئے ہیں؟'' وہ بھی اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھیں۔

''لگتا تو نہیں ہے، مگر۔۔۔'' وہ اپنی ہی بات میں اٹک گیا تھا۔

''کیا تمہیں شک ہے؟'' مسز ریان کام کرتے ہوئے اُس سے بات کر رہی تھیں۔

''کس بات پر؟''

''یہی کہ میں تم پر نظر رکھتی ہوں۔''

''ہر گز نہیں۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''تو پھر کنفرم کیوں کر رہے تھے؟''

''وہ۔۔۔ تو بس ویسے ہی۔'' اُس نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''آپ اتنی گرمی میں یہاں بیٹھ کر کیا کر رہی ہیں؟'' وہ واپس مڑنے ہی لگا تھا جب اُس نے پھر سے اپنی ماں کو مخاطب کر لیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے؟'' اُنہوں نے اچانک اُس سے ہی سوال کر لیا تھا۔

''نن۔۔۔ نہیں۔'' وہ اُن کے اس طرح سوال کرنے پر گڑبڑا گیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔ پودے لگا رہی ہوں۔'' وہ کندھے اُچکا کر واپس اپنے کام میں مگن ہو گئیں تھیں۔

''مما! اتنی گرمی میں کیا ضرورت تھی؟'' اُس کی آواز میں ناراضگی تھی جو صاف جھلک رہی تھی۔

'' تین ہی تو ہیں ابھی ہو جائیں گے، تم یہ بتاؤ کہ ناشتہ کیا؟'' دو پودے وہ لگا چکی تھیں اور تیسرے کے لیے جگہ بنا رہی تھیں۔

'' جی بس جانے لگا ہوں ناشتے کے لیے ہی، لگ گیا ہو گا۔'' وہ انہیں جواب دینے کے بعد چپ چاپ وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

''ولی تم شیور ہو کہ تمہیں کچھ نہیں کہنا؟'' وہ پیچھے کی طرف مڑ کر پھر سے ولی کو دیکھنے لگی تھیں۔

''جج۔۔۔ جی مما! مجھے کچھ نہیں کہنا، میں بس جانے لگا تھا، آپ کے یہ پودے دیکھ رہا تھا۔'' وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا تھا کہ کیا ضرورت تھی ایسے کھڑے ہونے کی۔

مسز ریان کندھے اُچکا کر پھر سے اُس پودے کے لیے جگہ بنانے لگی تھیں۔

''مما!'' اُس نے پھر سے اپنی ماں کو پُکارا تھا۔

''ہمم؟'' وہ اب آخری پودے کے لیے جگہ بنا چکی تھی اور اُسے گملے سے نکال رہی تھیں۔

''محمد کہاں ہے؟ نظر نہیں آیا، اُس کا رُوم بھی خالی ہے۔'' وہ شاید بات کچھ اور کرنا چاہ رہا تھا، مگر اُس کے منہ سے کچھ اور نکل نکل رہا تھا۔

'' کالج کمپلیٹ کر چکے ہو، مگر پھر بھی آج کالج کی طرف سے کال آئی تھی کہ کوئی اسلامی مقابلہ ہو رہا ہے، جس میں شہر کے مختلف کالجز کے بچے حصہ لینے والے تھے، وہ چاہتے تھے کہ تم لوگوں کے کالج کی طرف سے محمد جائے، اس لیے آج وہ وہیں گیا ہے۔'' پودے کو نکالنے میں مشکل پیش آ رہی تھی، مگر آخر کار وہ باتوں کے دوران اسے بھی نکال چکی تھیں۔

''اوکے!'' وہ انہیں لان میں کام کرتا چھوڑ کر واپس پلٹ آیا تھا۔

''اسے کیا ہوا ہے آج؟'' جب ولی جانے کے لیے مڑ چکا تو انہوں نے اس کی پشت کو دیکھ کر سوچا تھا۔

''پھر کبھی بات کروں گا اس بارے میں۔'' وہ اپنے منہ میں بڑبڑاتا ڈائننگ روم میں آ گیا تھا کہ اُس کا ناشتہ تیّار تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ کر اپنا ناشتہ کرنے لگا تھا، البتہ اُس کی توجہ ناشتے کی طرف نہیں تھی، دماغ میں شاید کچھ باتیں چل رہی تھیں۔

★。° ✦ °。★

وہ اس وقت یونی ورسٹی کے مین آڈیٹوریم میں موجود تھا، وہ خاموشی سے بیٹھا آڈیٹوریم کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ایک الگ قسم کی چمک۔

آڈیٹوریم کا مین ہال کشادہ تھا۔ قطار در قطار گہرے رنگ کی نشستیں، جو اسٹیج کی طرف ہلکی سی ڈھلوان کے ساتھ ترتیب دی گئی تھیں تاکہ ہر شخص کو اسٹیج صاف نظر آئے۔

اسٹیج زیادہ اونچا نہیں مگر باوقار تھا۔ لکڑی کا سادہ مگر مضبوط Rostrum، پیچھے یونیورسٹی کا لوگو یا کبھی کبھی قائدِ اعظم کی تصویر آویزاں ہوتی تھی، جو پورے ماحول میں سنجیدگی اور مقصدیت بھر دیتی تھی۔

ہال تقریباً بھر چکا تھا۔ آخری قطاروں میں سرگوشیاں دھیرے دھیرے خاموشی میں بدل رہی تھیں۔ سامنے اسٹیج پر روشنی قدرے تیز تھی، باقی ہال مدھم اجالے میں ڈوبا ہوا تھا۔

مائیک کے سامنے کھڑا میزبان ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے ہال پر نظر دوڑائی، جیسے سامعین کی خاموش رضامندی کا انتظار کر رہا ہو۔ پھر اس نے مائیک کو ذرا سا قریب کیا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔ السلامُ علیکم!''

یہ الفاظ گونجتے ہی ہال مکمل طور پر ساکت ہو گیا تھا۔

ججز اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے، قلم پر گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ پچھلی قطاروں میں بیٹھے یونی ورسٹی کے کچھ طلبہ اور باہر سے آئے کچھ لوگ بھی ایکِٹو ہو کر بیٹھ چکے تھے۔

''خواتین و حضرات! جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ آج اس آڈیٹوریم میں ہونے والا مقابلہ کتنا اہم ہے۔'' وہ سب کی طرف اپنی نظریں دوڑا رہے تھے۔

''آج جس موضوع پر بحث کی جائے گی، یا یوں کہہ لیتے ہیں کہ جس موضوع پر اس مقابلے کا انعقاد کیا گیا ہے اس کا

عنوان،"The Importance of Modesty in Islam." ہے۔"میزبان کی آواز پُر سکون مگر مضبوط تھی۔وہ اسلامی موضوع کا تعارف کروا رہا تھا۔

محمد بھی اُن سب کے درمیان بیٹھا ہوسٹ کی باتیں غور سے سن رہا تھا جو مقابلے کے لیے وہاں آئے تھے۔

"میں آپ سب کو یہ بات واضح کرتا چلوں کہ اسلام میں پردے کی جتنی اہمیت ہے، آج اُتنا ہی ہم اس سے دور بھی ہیں، اس کے علاوہ۔۔۔"وہ سانس لینے کو رکے تھے۔

"اس کے علاوہ یہ مسئلہ جتنا اہم ہے، آج کے دور میں ہم نے اسے اتنا ہی پیچیدہ بھی بنا دیا ہے۔"وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

مقابلے کے لیے آنے والے طلبہ کے ہاتھوں میں مختلف قسم کے صفحے موجود تھے، جس سے یہ بات تو واضح تھی کہ وہ سب پوری تیّاری کے ساتھ آئے ہیں۔

"اس کی مثال ہم یوں لے لیتے ہیں کہ کوئی کہتا ہے کہ صرف نیت کا صاف ہونا ہی کافی ہے جبکہ کچھ کی رائے ہے کہ ظاہری پردہ بھی ضروری ہے۔"

وہ سب کی طرف نظر دوڑا رہے تھے جیسے کنفرمیشن چاہتے ہوں کہ وہ صحیح کہہ رہے ہیں یا غلط۔

"آج کی جینیریشن کا اس پر اختلاف کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہے، مگر خیر۔۔۔"اُنہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"آج کے اس مقابلے کا مقصد کسی کی ہار یا جیت نہیں، بلکہ اسلام میں پردے کی اہمیت کو مزید سمجھنا ہے، یہاں موجود مختلف طلباء اپنی اپنی رائے دیں گے کہ اُن کی نظر میں پردہ کیا ہے اور اس کی اسلام میں اُس کی کتنی اہمیت ہے۔"پورا ہال اُن کی طرف پوری طرح سے متوجہ تھا۔

محمد اپنی خالی ہاتھ لیے بیٹھا تھا، اُس کے ہاتھ میں کوئی صفحہ نہیں تھا، شاید اُسے کسی کی جگہ ارجنٹ بلایا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی کوئی تیّاری نہیں کر سکا تھا۔

کچھ بنیادی باتیں واضح کرنے کے بعد، میزبان نے مقابلے کے اصول بیان کرنے شروع کیے تھے۔

ہر مقرر کو اپنی بات مکمل کرنے کے لیے کتنا وقت دیا جائے گا، گفتگو کے دوران کن حدود کا خیال رکھنا ہوگا۔ہال میں خاموش توجہ چھا گئی تھی، جیسے ہر لفظ ذہن میں محفوظ کیا جا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد مقابلے کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔مختلف کالجز سے آنے والے طلباء اپنے حاصل کردہ علم اور فہم کی بنیاد پر اسلام میں پردے کی اہمیت کو بیان کر رہے تھے۔

ہر طالبِ علم کی مختلف رائے تھی، کوئی کسی کی بات سے متفق نظر آتا تھا تو کوئی اختلاف بھی کر رہا تھا۔

کسی نے دلیل دی کہ اسلام میں عورتوں کا حجاب کر لینا ہی کافی ہے جبکہ کوئی اس بات کو رد کرتا نظر آیا تھا، کسی کے نزدیک حجاب مستحب تھا تو کسی کے نزدیک پورا چہرہ ڈھانپنا فرض تھا۔

غرض یہ کہ ہر ایک نے سب کے سامنے اپنی اپنی رائے پیش کی تھی۔حتیٰ کہ سامنے بیٹھے سامعین میں بھی کچھ لوگ حجاب تک محدود تھے اور کچھ مکمل پردے کے قائل تھے۔

کچھ دیر بعد محمد کا نام بھی سٹیج پر اناؤنس کیا جانے لگا تھا کہ اب اُس کو سب کے سامنے اپنا مؤقف رکھنا تھا۔

وہ پر اعتماد سا اپنی جگہ چھوڑتا سٹیج کی طرف بڑھا تھا، اُس کی چال میں ایک اعتدال تھا، چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی، نظریں جھکی ہوئی تھیں اور گردن اُٹھی ہوئی۔

سٹیج پر آ کر اُس نے مائک سنبھالتے ہی پورے ہال میں ایک خاموش نظر دوڑائی۔

''شروع اللہ کے بابرکت نام سے۔'' اس نے مائک کو قریب کر کے اللہ کے نام سے آغاز کیا تھا۔

''قُل لِّلۡمُؤۡمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنۡ أَبۡصَٰرِهِمۡ (سورۃ النور:30)'' اس نے سورہ نور کی آیت کا ایک حصہ پڑھا اور خاموش ہو گیا۔

کچھ وقت یونہی خاموشی کی نظر ہو گیا اور پھر اُس نے دوبارہ بولنا شروع کیا تھا۔

''میں نے سب کے دلائل کو بڑے ہی غور سے سنا، سمجھا اور پھر اُس پر ایک رائے قائم کی۔۔۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ آج کی بحث کا عنوان، "The Importance of Modesty in Islam." ہے۔ ہم نے تو اسلام میں پردے کی، حدود کی، حیا کی اہمیت پر بات کرنی تھی، یہاں مرد اور عورت کا تو ذکر ہی نہیں تھا۔'' سب لوگ نا سمجھی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے آج بہت افسوس ہوا کہ ہم جب بھی حیا۔۔۔ حدود اور پردے کی بات کرتے ہیں تو اُسے صرف اور صرف عورت تک محدود رکھتے ہیں۔۔۔ جبکہ مرد کو ان سب سے بری سمجھتے ہیں۔'' وہ خوبرو سا نوجوان تھا، پچھلے گزرے برس میں وہ ظاہری اور باطنی طور پر کافی حد تک بدل چکا تھا۔

وہ گرے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھا، بال ترتیب سے اوپر کی طرف کیے ہوئے تھے، Beared بنی ہوئی تھی اور نظریں سب کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

'' کیا اسلام مرد کو حیا کا درس نہیں دیتا؟ کیا اسلام مرد پر حدود لاگو نہیں کرتا؟ کیا اسلام مرد کو پردے کا حکم نہیں دیتا؟ یہ سب وہ سوال تھے جو ابھی اس مقابلے کے دوران میرے دماغ میں آئے ہیں۔'' ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کے درمیان سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں۔

''جو سوال میرے دماغ میں آئے ہیں اِن پر بات کرنے سے پہلے میں چاہوں گا کہ میں یہ بات واضح کر دوں کہ پردہ کہتے کسے ہیں، حیا ہوتی کیا ہے، حدود کن بندشوں کا نام ہے۔'' اُس کے دوبارہ بولنے سے ہال میں موجود لوگوں کی سرگوشیاں پھر سے خاموشی میں بدلنے لگی تھیں۔

'' جس طرح انجن کے بغیر گاڑی بے کار ہے، روح کے بغیر جسم بے کار ہے اور عمل کے بغیر علم رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، بالکل ایسے ہی حیا اور حدود کے بغیر حجاب کا فائدہ نہیں۔۔۔ میری یہ بات سن کر آپ سب کو یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ کہیں میں حجاب کرنے سے منع کر رہا ہوں، میں صرف اور صرف حیا اور حدود کی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' لوگوں کی توجہ دیکھ کر اُس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی تھی۔

وہ کبھی بھی نظریں اُٹھا کر نہیں چلتا تھا، وہ گردن اُٹھا کر اور نظریں جھکا کر چلنے والا نوجوان تھا۔

مگر جب نظر اُٹھاتا تھا تو پھر سب کو ساکت کر دینے کی طاقت رکھتا تھا۔

''میں ابھی جب آڈیٹوریم میں آ رہا تھا تو یونی کے کیفے ٹیریا میں کچھ لڑکیاں اور لڑکوں کا گروپ بیٹھا ایک دوسرے سے باتیں کر رہا تھا، اُن میں سے کچھ لڑکیاں ایسے تھیں جنہوں نے مکمل چہرہ اور جسم ڈھانپا ہوا تھا مگر۔۔۔'' وہ سانس لینے کو رُکا تھا۔

''مگر وہی لڑکیاں ہنس ہنس کر پاس بیٹھے لڑکوں سے باتیں کر رہی تھیں، انہوں نے پردہ تو کیا ہوا تھا مگر پھر بھی اُن کا پردہ باقی نہیں تھا۔'' ہال میں موجود کسی کو بھی اُس کی اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''آپ سب میں سے کچھ کہتے ہیں کہ حجاب کر لینا کافی ہے اور کچھ کی رائے ہے کہ پورا چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے، میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ کون غلط ہے اور کون درست، لیکن میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حجاب کرو یا نقاب، اُس کے ساتھ حیا اور اپنی حدود کی پاسداری بھی ضروری ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا، وہ اپنے گفتگو میں سادہ لفظوں کا چناؤ کر رہا تھا تاکہ سب کو اس کا پوائنٹ سمجھ آ جا سکے۔

''وہ لڑکیاں ظاہراً باپردہ تھیں مگر دل بے پردہ تھا، اُنہوں نے حیا کو نہیں اپنایا، اپنی حدود کی پاسداری نہیں کی۔۔۔۔ جس طرح انہوں نے اپنا جسم کپڑے کے ٹکڑے سے چھپا لیا تھا، اُس طرح اپنا دل بھی حیا کے پردے میں چھپا لینا چاہیے تھا۔'' ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کو اس کی بات سمجھ آنے لگی تھی، اُن سب کی نظریں محمد پر ٹکی تھیں۔

''آپ کبھی بھی ایک پاؤں میں سینڈل پہن کر ٹھیک طرح سے سڑک پر نہیں چل سکتی ہیں، اگر آپ کو صحیح سے بغیر گرے اور بغیر لڑکھڑائے چلنا ہے تو دوسرے پاؤں میں بھی سینڈل پہننی پڑے گی، اگر آپ پردہ اللہ کے لیے کرتے ہیں، شیطان کے وار سے بچنے کے لیے کرتے ہیں تو آپ کو ظاہری پردے کے ساتھ ساتھ باطنی پردے کو بھی اپنانا پڑے گا، آپ تبھی اس راہِ ہدایت پر بنا لڑکھڑائے چل پاؤ گے۔'' پورے ہال میں اس قدر خاموشی تھی کہ اگر پن بھی گرائی جاتی تو اُس کی آواز بھی سنائی دیتی۔

''جو لوگ کہتے ہیں کہ نیت صاف ہونی چاہیے اُن کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ ظاہری پردے کا بھی اسلام نے ہی حکم دیا ہے اور جب پردے کے موضوع پر آیات نازل ہوئی تھیں تو کائنات کی پاکیزہ ترین عورتوں اور مردوں نے نے ظاہری اور باطنی، دونوں پردوں کو اپنایا تھا۔'' وہ اپنی بات ہال میں بیٹھے تمام لوگوں کے تک صحیح معنوں میں پہنچانے میں کامیاب ہوا تھا۔

'' جیسا کہ قرآن میں اللہ پاک فرماتے ہیں ''اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو تو کسی (اجنبی شخص سے) نرم لہجے میں بات نہ کرو (سورہ احزاب: 33)'' یہاں اجنبی سے مراد وہ ہیں جو نامحرم ہیں، اگر دل کا پردہ نہیں ہو گا اور نرم لہجے سے بات کرو گے تو ظاہری پردہ اس نامحرم کے دل میں پنپتے غلط خیال کو کبھی بھی نہیں روک سکے گا، اگر تم دونوں پردوں کو باخوبی اختیار کرتے ہو تو تم پرہیز گار بن سکو گے۔'' وہ گھر سے کسی ٹاپک کو یاد نہیں کر کے آیا تھا، اُس کے دماغ میں یہ سب باتیں ہمیشہ اللہ کی طرف سے ڈالی جاتی تھیں۔

''ظاہری پردہ باطنی پردے کے بغیر ادھورا ہے اور باطنی پردہ ظاہری پردے کے بغیر ادھورا ہے، یہ دونوں پردے ملیں گے تو پردہ مکمل ہوتا ہے۔''

بولتے بولتے اس کا گلا خشک ہو چکا تھا۔

اُس نے پاس رکھی بوتل سے پانی کے چند گھونٹ بھرے اور پھر سے ہال میں موجود لوگوں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''اب میں آتا ہوں اُن سوالوں کی طرف جو میں نے شروع میں بتائے تھے، جیسے اسلام عورت کو حیا کا درس دیتا ہے بالکل ویسے ہی اسلام مرد کو بھی حیا اپنانے کا حکم دیتا ہے۔'' اُس نے کلائی

موڑ کر وقت دیکھا اور پھر سے بولنا شروع کیا۔

''جس طرح اسلام عورت پر کچھ حدود لاگو کرتا ہے بالکل ویسے ہی اسلام مرد پر بھی چند حدود لاگو کرتا ہے اور جس طرح اسلام نے عورت کو پردے کا حکم دیا ہے بالکل ویسے ہی اسلام مرد کو بھی پردے کا حکم دیتا ہے۔'' اُس کے پاس وقت تھوڑا تھا اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے باتیں زیادہ تھیں۔

''اسلام میں مرد کے لیے حیا یہ ہے کہ نظریں جھکا کر چلے اور ضرورت پڑنے پر نظریں جھکا کر ہی نامحرم سے بات کرے، اسلام میں مرد کی حدود یہ ہیں کہ وہ کسی بھی نامحرم کی طرف اپنے قدم نہ جانے دے، اسلام میں مرد کا پردہ یہ ہے کہ وہ کسی بھی نامحرم سے اُس طرح بات نہ کرے جس طرح اُسے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔'' اُس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا مگر وقت کی کمی کی وجہ سے وہ اپنی باتوں کو مختصر کر رہا تھا۔

'' اِس گفتگو کے بالکل آغاز میں، میں نے سورہ نور کی آیت نمبر تیس (مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) کا ایک چھوٹا سا حصہ تلاوت کیا تھا، اُس حصے میں مومن مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم ہے، مگر ہم نے کبھی اُس پر بات نہیں کی، ہم جب بھی حیا، حدود اور پردے کی بات کرتے ہیں تو عورت کو ڈِسکس کرتے ہیں۔'' اُس کی نظر ایک بار پھر کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف گئی تھی۔

'' حیا، حدود اور پردے کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، آنکھ دل کا دروازہ ہے اور شیطان کا سب سے آسان راستہ یہی ہے کیونکہ یہ راستہ دل کی طرف جاتا ہے، جب کسی کی آنکھ میں حیا نہیں ہو گی تو شیطان اس کے ذریعے دل پر قبضہ جما لے گا اور جب دل آپ کے کنٹرول سے نکل گیا تو آپ تمام حدود توڑتے چلے جائیں گے۔'' کچھ لوگوں کو اُس کا اپنی کرسی سے سٹیج تک جانا یاد آیا تھا، اُس کی گردن اُٹھی ہوئی تھی اور نظریں جھکی ہوئیں۔

''اسلام نے مرد کو بھی اُتنا ہی پردے کا حکم دیا ہے جتنا کہ عورت کو، مگر افسوس کہ ہم جب بھی بات کرتے ہیں تو عورت پر ہی کرتے ہیں، مرد کے لیے اسلام نے پردہ تھوڑا آسان کیا ہے، یعنی اُسے ظاہری طور پر پورا جسم ڈھانپنے کا حکم نہیں ہے مگر باقی سب احکام ویسے ہی ہیں۔'' وہ اپنی گفتگو کے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا، اُسے نہیں معلوم تھا کہ اُس کی اس گفتگو کا لوگوں کو کتنا فائدہ ہونے والا تھا مگر وہ پھر بھی اپنے الفاظ لوگوں تک پہنچا رہا تھا۔

''اسلام نے اگر عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کسی اجنبی سے نرم لہجے میں بات نہ کرے تو مرد کے لیے بھی یہی حکم کہ وہ بھی کسی نامحرم سے نرم لہجے میں بات نہ کرے، اگر بات کرنے کی ضرورت آن پڑی ہے تو ٹو دا پوائنٹ بات کرے۔'' اُس نے ایک آخری نظر اپنی گھڑی پر ڈالی، دو منٹ زیادہ ہو چکے تھے۔

''اگر مرد و عورت ظاہری اور باطنی پردے کو اپنائیں گے تبھی ہمارے معاشرے میں بگاڑ ختم ہو گا، یہاں بیٹھے تمام لوگوں سے میری یہی گزارش ہے کہ آئندہ جب بھی پردے پر بات کی جائے تو مرد و عورت دونوں کو ڈِسکس کیا جائے، جزاک اللہ!'' وہ اپنی بات کا اختتام کر کے واپس اپنی جگہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

تمام لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگے تھے، پورے ہال میں تالیوں کی گونج تھی، سٹیج پر بیٹھے ججز بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اُس کے لیے تالیاں بجا رہے تھے۔

تالیاں تھمنے میں وقت لے رہی تھیں۔

وہ سر جھکائے، خاموشی سے اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

چہرے پر کوئی فخر نہیں تھا، بس سنجیدگی تھی، جیسے اُس نے بات کہہ دی ہو، اب فیصلہ سننے والا وہ خود نہیں بلکہ وقت ہو۔

ہال میں موجود کئی چہروں پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

کچھ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

اور کچھ دل شاید پہلی بار خود سے سوال کر رہے تھے۔

وہ جانتا تھا،

اصل کامیابی یہ نہیں کہ لوگ تالیاں بجائیں،

بلکہ یہ ہے کہ اُس کی کہی گئی بات دل میں اتر جائے۔

★。° ✦ °。★

وہ ناشتہ کر کے واپس اپنے بیڈ رُوم میں آ گیا تھا، وہ پیچھے کی طرف ہاتھ باندھے گلاس وال کے سامنے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

وہ کچھ سوچ رہا تھا، چہرہ بالکل سنجیدہ تھا اور آنکھوں میں کسی سوچ کی فکر تھی۔

کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، اُس کے اجازت دینے پر ایک ملازم اندر داخل ہوا تھا۔

''صاحب بڑی مالکن نے آپ کو نیچے بلایا ہے۔'' وہ مؤدب سا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''مما نے؟'' اُس نے چونک کر پلٹ کر اُسے دیکھا تھا۔

''ہاں جی۔''

''ٹھیک ہے، آ رہا ہوں میں۔'' وہ پھر سے ویسے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

ملازم پیغام دے کر واپس پلٹ گیا تھا، کمرے میں پھر سے وہی خاموشی چھا گئی تھی۔

''آپ نے بلایا مما؟'' کچھ دیر بعد وہ مسز ریان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

مسز ریان لان میں بیٹھی ٹی وی پر کوئی شو دیکھ رہی تھیں جب اُس کی آواز نے اُن کا دھیان بھٹکایا

تھا۔

''ہاں جی، ارحم بھائی کے گھر سے کال آئی تھی، یزمان اور ہانی کو شاپنگ پر جانا ہے، تم اُنہیں لے جاؤ۔'' وہ پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

''پر مما وہ ڈرائیور کے ساتھ بھی تو جا سکتی ہیں۔'' ولی نے بیزاری سے کہا تھا۔

''ولی!'' انہوں نے ولی کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔

''جی مما کہیں۔'' اُس نے بھی چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم بھول رہے ہو تو یاد کروا دوں وہ اب پچھلے ایک سال سے ڈرائیور کے ساتھ کہیں بھی نہیں آتی جاتی ہیں۔ بڑی ہو گئی دونوں بچیاں، اُن کا دل نہیں کرتا تو کیا اب زبردستی کریں؟'' انہوں نے اسے ڈپٹا تھا۔

''مگر مما یزمان بھی تو ساتھ ہے، پھر کیا پرابلم ہے؟''

''تم جا رہے ہو یا میں فون کر کے کہہ دوں کہ ولی نہیں آ رہا؟'' مسز ریان نے اُسے بلیک میل کیا تھا۔

''اوکے اوکے مما، جا رہا ہوں، ایک تو آپ اتنی جلدی بلیک میلنگ پر آ جاتی ہیں۔'' اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم ہاتھ ہی اس طرح آتے ہو۔'' مسز ریان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''میں تو بس پوچھ رہا تھا، منع تھوڑی کیا تھا۔'' اُس نے بُرا مانتے ہوئے کہا تھا۔

''تم جو کر رہے تھے اِسے ہم اِن ڈائریکٹلی نہ ہی کہتے ہیں۔'' وہ بھی آخر ماں تھی اُس کی۔

''میری نانی کی لاڈلی بیٹی ! اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا اب میں جاؤں یا تھوڑا سا اور بلیک میل کرنے کا ارادہ ہے ؟'' اُس نے معصوم سا چہرا بناتے ہوئے کہا تھا۔

'' جی نانی کی بیٹی کے بگڑے ہوئے سپوُت، آپ جا سکتے ہیں اور دروازہ اُس طرف ہے۔'' اُنہوں نے بھی اسی کے انداز میں اُسے باہر کا دروازہ دکھایا تھا۔

''اچھے والدین کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی اولاد کو اس طرح کے القاب سے نہیں پکارتے۔'' اُس نے جاتے جاتے مسز ریان کو کمنٹ پاس کیا تھا۔

''اور اچھے والدین کی اچھی اولاد کی بھی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ ایک دفعہ میں بات مان لیتے ہیں۔'' مسز ریان نے مسکراتے ہوئے اُنچی آواز سے ولی کو جواب دیا تھا۔

اُن کا جواب اُس کے کانوں تک پہنچ گیا تھا جس پر اُس نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

''پوری دنیا کے ڈان ایک طرف اور میری نانی کی بیٹی ایک طرف۔'' اُس نے دروازہ عبور کرتے ہوئے جھرجھری لی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ریان صاحب کے گھر پر موجود تھا، وہ اپنی Dodge پر آیا تھا کیونکہ اُسے پتا تھا حنین کو اُس پر سفر کرنا بہت پسند ہے۔

وہ اس وقت مسز ارحم کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا، حنین اور یزمان اپنے اپنے رُوم میں گاؤن لینے چلی گئی تھیں۔

وہ کم گو تھا، ہمیشہ سنجیدہ رہنے والا انسان، پیشانی پر ہر وقت بل رہتے تھے ایسے جیسے وہ ہمیشہ کسی نہ کسی بات پر غصہ رہتا ہو۔

وہ بہت کم لوگوں سے کھل کر باتیں کرتا تھا، وہ بہت کم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ہنس لیا کرتا تھا۔ وہ

ایسا ہی تھا، سنجیدہ سا، کھڑُوس سا، منہ پھٹ سا۔

وہ آج کافی دنوں بعد اُن کے گھر آیا تھا اور وہ اُسے سامنے ہی کھڑی نظر آ گئی تھی، اُس نے اسے دیکھتے ہی نظریں جھکالی تھیں اور حنین بھی اُسے آتا دیکھ ایک طرف ہو گئی تھی۔

وہ کبھی حنین کو غور سے نہیں دیکھتا تھا، اُسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ اُس کے نین نقش کیسے ہیں۔

اُس نے کبھی اُس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں، اُس نے کبھی اُس کے ہونٹ نہیں دیکھے تھے، وہ نہیں جانتا تھا کہ جب وہ مسکراتی ہے تو اُس کے ہونٹ کتنے پیارے لگتے ہیں۔

ولی کے دل میں محبت تھی، گہری اور سچی، مگر اُس محبت سے پہلے احترام تھا۔

وہ جب بھی سامنے آتی، اُس کی نظریں جھک جاتیں، اس لیے نہیں کہ دل خالی تھا، بلکہ اس لیے کہ اُس کا دل اُس کے احترام میں بہت بھرا ہوا تھا۔

اُس نے کبھی آنکھ بھر کر حنین کو نہیں دیکھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سچی محبت پہلے حد سکھاتی ہے۔ وہ حنین کو چاہتا تھا، مگر اُس چاہت میں بے باکی نہیں تھی، صرف حفاظت، وقار، احترام اور حیا تھی۔

اُنہیں واپس آتا دیکھ وہ ایک ہاتھ سے اپنی گاڑی کا ریموٹ سنبھالتا اور ایک ہاتھ سے اپنی جینز کی پاکٹ میں فون اڑستا اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ مسز ارحم کو خدا حافظ کہتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا، یزمان اور حنین بھی اُس کے پیچھے چل دی تھیں۔

یزمان کو ولی اچھا نہیں لگتا تھا، شاید اُس کی منہ پھٹ طبیعت کی وجہ سے یا پھر اُس کی گیدر رنگ اچھی نا ہونے کی وجہ سے، مگر پچھلے کچھ عرصے سے وہ اُسے اب بُرا بھی نہیں لگتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک مال میں موجود تھے، ولی خاموشی سے اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ یزمان ہر
تھوڑی بعد پیچھے مڑ کر ولی کو دیکھتی اور بنا کچھ کہے چہرہ موڑ لیتی۔
حنین، یزمان سے کھِلکھلا کر باتیں کر رہی تھی، حنین کا موڈ آج کافی خوشگوار تھا، اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ ولی جو آج اُن کے ساتھ تھا۔
وہ ولی کی موجودگی میں اپنے آپ کو سیکیور فیل کرتی تھی، ولی کو دیکھ کر اُس کا بگڑا ہوا موڈ اچانک سے اچھا ہو جایا کرتا تھا، ولی کا حنین کے پاس ہونا اُس کے لیے ہمیشہ خوشی کا باعث ہوتا تھا۔
وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے شاپنگ کر رہی تھیں، کبھی ریک سے ریک کی طرف بڑھتیں، کبھی شیشے کے سامنے رُک جاتیں، جبکہ ولی تب سے خاموش تھا اور بس اُنہیں ہی سُن رہا تھا۔
یزمان کئی بار اُسے مڑ کر دیکھ چکی تھی مگر وہ تھا کہ کچھ بولتا ہی نہیں تھا، یزمان کو کہاں معلوم تھا کہ اُسے حنین کو سننا بہت پسند تھا، اور یہی وہ واحد چیز تھی جو اُسے دلی سکون دیتی تھی۔
''تم بار بار پیچھے پیچھے مڑ کر ولی کو کیوں دیکھ رہی ہو؟'' حنین سے رہا نہیں گیا تو اُس نے پوچھ ہی لیا تھا۔
''دیکھ رہی ہوں کہ جب سے آیا ہے تب سے خاموش ہی ہے۔'' اُس نے بے ساختہ انداز میں جواب دیا تھا۔
''کافی خاموش رہنے لگا ہے اب، پہلے تو نہیں تھا ایسا۔'' اُن دونوں نے اپنی آواز اتنی دھیمی کر لی تھی کہ ولی تک نہ جا سکے۔
''تمہیں یہ اب بھی پسند ہے؟'' یزمان نے حنین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
''یزمان۔۔۔ کچھ تو لحاظ کر لو یار۔'' حنین نے دبی دبی آواز میں اسے جھڑکا تھا۔
''میں بتا رہی ہوں تمہیں، بہت بورنگ انسان ہے یہ حنین، تمہاری زندگی کے سارے رنگ پھیکے پڑ جائیں گے۔'' یزمان نے کپڑوں کے درمیان سے گزر کر اگلے ریک کی طرف جاتے ہوئے وارن
کیا تھا۔
''جس دن میری زندگی میں یہ انسان آ گیا نا، اُس دن میری زندگی کے سارے رنگ مکمل ہو جائیں گے۔'' حنین نے پورے یقین سے کہا تھا۔
'' اور محترمہ کو یہ خوش فہمی کیوں اور کب سے لاحق ہے؟'' وہ ایک لباس کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
''مجھے ولی سے پازیٹو وائبز آتی ہیں، جب بھی آس پاس ہوتا ہے تو ایک سکون سا دل میں اُترتا ہے اور ہمیشہ پازیٹو انرجی محسوس ہوتی ہے۔'' حنین کی اِس بات پر یزمان نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی پر قابو پایا تھا۔
''واللہ! مجھے تو کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا۔'' یزمان نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا تھا۔
''ہاں البتہ محمد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے، وہ خوش مزاج انسان ہے، ولی سے تو بالکل برعکس ہے۔'' وہ اس لباس کا ٹیگ دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
'' یہاں محمد کہاں سے آ گیا؟ اور میں نے تو بالکل بھی نہیں کہا کہ ولی شریف ہے یا اُس کی گیدر رنگ وغیرہ اچھی ہے۔'' حنین کو ولی پر محمد کو یوں ترجیح دینا شاید بُرا لگا تھا۔
''اگر وہ اچھا نہیں ہے تو تمہیں اُس سے اچھی وائبز کیسے آتی ہیں؟'' یزمان سیلز مین کو وہ لباس پیک کرنے کے لیے دیتے ہوئے بولی تھی۔
''مجھے نہیں پتا، کسی کی اچھی یا بُری انرجی کو محسوس کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا اور یہ ایک فطری چیز ہے۔'' حنین نے ایک ٹاپ کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

'' یزمان! میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ میرے آس پاس رہے، میری زندگی سے کبھی دور نہ جائے، وہ جب جب دور جاتا ہے تب تب میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔'' حنین نے اُسے بے
دلی سے واپس رکھ دیا تھا۔

''وہ اتنا کھڑوُس اور منہ پھٹ ہے، تم اُس انسان کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتی ہو؟ وہ اللہ اور دین سے تو کوسوں دور ہے، ہر بُرا کام اُس میں پایا جاتا ہے۔'' اُن دونوں کو شاید اُس دوکان میں
کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا اس لیے وہ دونوں اب بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''میرے پاس تمہارے سوالوں کے جواب نہیں ہیں، مگر شاید ایک وقت آئے گا جب مجھے بھی اِن سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔'' وہ دونوں باہر آچکی تھیں۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ وِلن ٹائپ ہے، مگر پھر بھی۔'' اُس نے اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''لیوِدس ٹاپک یار!'' وہ گویا اُکتا گئی تھی۔

جب وہ دونوں باہر آئیں تو اُنہوں نے ولی کو کانوں میں ائیر پوڈز لگائے پایا تھا، وہ کوئی
پُرانا گانا سُن رہا تھا۔

اُن کو بھی ہم سے محبت ہو، ضروری تو نہیں
ایک سی دونوں کی حالت ہو، ضروری تو نہیں

جانے اُس انسان کو پرانے گانے کیوں پسند تھے، وہ اکثر ایسے گانے سُنا کرتا تھا۔

'' یہ ولی آج گھر سے منہ سلوا کر آیا ہے کیا؟'' یزمان کو اُس کا خاموش رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

'' یزمان! شاید اُس نے ہماری کوئی بات سُن لی ہے جو اُسے بُری لگی ہے۔'' حنین
نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

''وہ جب سے آیا ہے تب سے ہی چُپ ہے پاگل لڑکی۔'' یزمان نے اُس کے سر پر چپت لگائی
تھی۔

''یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔'' اُس نے ہلکا سا ڑک کر کہا۔

''ولی کے خیالوں سے باہر آؤ تو کچھ یاد رہے گا نہ۔'' یزمان اُسے تنگ کر رہی تھی جس پر حنین نے اُسے گھوری سے نوازا تھا۔

''تم اُس سے پوچھ کیوں نہیں لیتی؟ تم تو کئی بار پیچھے مڑ کر اُسے دیکھ چکی ہو۔ اب تو وہ بھی پریشان ہو رہا ہو گا کہ آخر یزمان ایسا کیوں کر رہی ہے۔''
حنین نے یزمان کو مشورہ دیا تھا، حالانکہ یہ بات وہ خود بھی پوچھ سکتی تھی۔

''تم ہم سے ناراض ہو؟'' یزمان نے اچانک پیچھے مڑ کر ولی سے پوچھا۔

وہ جو اپنی ہی دھن میں اُن کے پیچھے چل رہا تھا، یزمان کے یوں اچانک مڑنے اور سوال کرنے پر چونک سا گیا۔ یزمان اُس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔

'' کیا کہا تم نے؟'' اُس نے اپنے کانوں میں سے ائیر پوڈز نکالتے ہوئے کہا۔

'' میں عرض کر رہی ہوں کہ جنابِ عالیٰ! کیا آپ ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں؟'' اُس نے معصوم سے شکل بناتے ہوئے کہا تھا۔

''کس سے؟''

جواب کے بدلے سوال آیا۔

''ہم دونوں سے۔'' سوال کے جواب میں کہا گیا۔

''میں کیوں ناراض ہونے لگا؟'' اُس نے پھر پوچھا۔

''کیونکہ تم تب سے چُپ ہو، جب سے آئے ہو۔'' یزمان نے نرمی سے کہا۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔'' اُس نے اس بار صاف جواب دیا۔

''تو پھر کچھ بولتے کیوں نہیں؟'' حنین خاموشی سے کھڑی اُن دونوں کو سن رہی تھی۔

''کیا بولوں؟'' اُس نے پھر سے سوال کیا تھا۔

'' کچھ بھی، جو من میں آئے۔'' یزمان نے بنا زچ ہوئے جواب دیا تھا۔

''من کی باتیں سن پاؤ گی؟'' وہ سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔

''ہمارے پاس کافی وقت ہے اس لیے۔۔۔۔ تمہارے من کی باتیں ہم سن سکتے ہیں مگر۔'' وہ راہداری کے بالکل درمیان میں کھڑے تھے۔

''مگر کیا؟'' اُس نے اپنی ایک ابرو اٹھائی۔

''مگر تمہیں ہمیں آئس کریم کھلانی پڑے گی۔'' فرمائش کی گئی تھی۔

'' میں ایک غریب انسان ہوں۔'' فرمائش کو رد کر دیا گیا تھا۔

'' ہر مہینے میں لاکھوں اُڑانے والا غریب انسان؟'' اُس نے ولی کو گھورا تھا۔

'' ہاں جی وہی غریب انسان۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

'' تم ہمیں آئس کریم کھلا رہے ہو۔'' حکم جاری کیا گیا تھا۔

''زبردستی ہے؟'' پوچھا گیا تھا۔

''ہاں جی، زبردستی ہی سمجھ لو۔''

''حنین بھی کھائے گی؟'' اُس نے اپنا رُخ حنین کی طرف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہ تو میرا روزہ ہے اور نہ ہی میں آئیس کریم سے پردہ کرتی ہوں۔'' اُسے جیسے بُرا لگا تھا۔ وہ دونوں اُس کی اس بات پر ہنس دیے تھے۔

'' چلو شاباش! اب آئیس کریم کھلاؤ ہمیں۔''

'' اِس جگہ؟'' اُس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے پھر سے سوال کیا تھا۔

''تم کتنے سوال کرنے لگے ہو نا۔'' اُس نے ناک سکیڑی تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے کوئی خود مجھ سے سوال پر سوال کر رہا تھا۔'' ولی بھی اپنے کھڑوس والے موڈ سے باہر نکل آیا تھا۔

''تمہارے سوالوں کے جواب تھے وہ محترم کھڑُوس۔'' اُسے اُس کے پرانے نام سے پکارا گیا تھا۔

"سمجھدار لوگ محترم کھڑوس سے محتاط رہتے ہیں۔" وہ اس کی جھک کر شیطانی مسکان ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولا تھا۔

"ہمیں اور بھی سامان لینا ہے، اگر آپ دونوں کی بحث ختم ہو گئی ہو تو ہم چلیں؟" حنین نے اُن دونوں کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"کہیں سے جلنے کی بو آ رہی ہے۔" یزمان نے اُسے تنگ کیا تھا۔

"میں کیوں جلوں؟" حنین نے فوراً کہا تھا۔

"مگر میں نے تو تمہارا نام لیا ہی نہیں۔" حنین کا اپنی اس بیوقوفی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

وہ دونوں اُسے دیکھ کر ایک بار پھر ہنسنے لگے تھے، البتہ ولی نے فوراً اپنی ہنسی کنٹرول کر لی تھی۔ وہ پھر خاموشی سے کانوں میں ایئر پوڈز اڑستا اُن کے پیچھے چلنے لگا تھا، البتہ گانا اب تک بدل چکا تھا۔

کسی کی مسکراہٹوں پہ ہو نثار، کسی کا درد مل سکے تو لے ادھار
کسی کے واسطے ہو تیرے دل میں پیار، جینا اسی کا نام ہے

وہ ابھی مال کی روشن راہداری میں چند قدم ہی بڑھے تھے کہ خوشبو کی ایک ہلکی سی لہر نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

سامنے پرفیوم کی دکان کے عین باہر ایک نوجوان کھڑا تھا، ہاتھ میں شیشے کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں اور چہرے پر مستقل مسکراہٹ جو دن میں کئی بات استعمال ہو چکی تھی۔

وہ ہر گزرتے شخص کو نرم مگر پُراعتماد لہجے میں دکان وزٹ کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔

کبھی سفید کاغذی اسٹرپ پر پرفیوم اسپرے کرتا، کبھی وہ اسٹرپ ہلکی سی جنبش کے ساتھ سامنے والے کی طرف بڑھا دیتا۔ کچھ لوگ مسکرا کر خوشبو سونگھتے اور آگے بڑھ جاتے، کچھ رک کر قیمت پوچھنے لگتے، اور کچھ محض سر ہلا کر گزر جاتے۔

دکان کے اندر سے روشنی، شیشے کی الماریوں میں سجے پرفیومز، اور فضا میں گھلی مختلف خوشبوئیں مل کر پورے ماحول کو ایک الگ ہی کشش دے رہی تھیں۔

حنین کے قدم دو پل کے لیے سُست ہوئے تھے مگر وہ رُکی نہیں، پھر سے چلنے لگی تھی، ولی نے اُس کی یہ حرکت باخوبی نوٹ کی تھی مگر وہ کچھ بولا نہیں۔

ولی کو کسی کا پیغام موصول ہوا تھا جسے پڑھنے کی غرض سے وہ وہیں اپنی جگہ پر رُک گیا تھا، حنین اور یزمان آگے بڑھ گئی تھیں۔

جب وہ دونوں اُس نوجوان کے پاس پہنچی تو اُس نوجوان نے خوشبو سے معطر ایک اسٹرپ حنین کی طرف بڑھائی تھی۔

"میم! چیک کریں، لانگ لاسٹنگ ہے۔" وہ اُن دونوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں چاہیے۔" یزمان نے اُسے ایک طرف ہونے کا اشارہ کیا تھا۔

"یہ نیو ارائیول ہے، ابھی ابھی لانچ ہوا ہے، آپ ٹرائی تو کریں۔" وہ اُن دونوں کے سامنے دیوار بنا کھڑا تھا۔

'' آپ کو ایک دفعہ کی بات سمجھ نہیں آتی؟'' حنین نے تڑخ کر کہا تھا۔

حنین کو ہلکی ہلکی چھینکیں آنے لگی تھیں، وہ بار بار پیچھے مڑ کر ولی کو بھی دیکھ رہی تھی جو موبائل پر سر جھکائے کھڑا تھا۔

'' میم! بس سمیل کر لیں، خریدنے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔'' وہ اُن سے اسرار کر رہا تھا۔

'' دیکھو مسٹر! ہمارا راستہ چھوڑو، ہمیں نہیں چاہیے۔'' یزمان نے پھر سے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف ہونے کو کہا تھا۔

'' اس کی فریگرنس ہارڈ نہیں ہے، کافی بیلنسڈ ہے، آپ ٹرائی تو کریں۔'' اُس نے ہاتھ میں پکڑی ایک اسٹرپ یزمان کی طرف بڑھائی تھی۔

یزمان نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھی کہ اچانک پیچھے سے ایک زوردار مکا آیا تھا۔ ولی کب موبائل بند کر کے پہنچا، کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ وہ نوجوان سنبھلنے کا موقع بھی نہ پا سکا۔

وہ نوجوان ایک ہی مُکّے سے فرش پر منہ کے بل گرا تھا، اُس کا سارا سامان اِدھر اُدھر بکھر گیا تھا۔

حنین ایک دم چونک گئی، چھینک بھی وہیں رک گئی۔ یزمان نے پلٹ کر ولی کو دیکھا، آنکھوں میں حیرت اور ایک ہلکی سی داد۔

''تم لوگوں کو ایک بات کیوں سمجھ نہیں آتی کہ اگر کوئی لڑکی منع کر رہی ہو تو اُسے راستہ دے دیا جاتا ہے۔''

وہ اُس کے بالکل سامنے آ کر رُکا تھا، آواز میں غصہ اور سختی دونوں تھی۔

''سوری سر۔''

نوجوان نے بے اختیار اپنے جبڑے پر ہاتھ رکھ لیا۔

''سوری مجھ سے نہیں، ان سے کہو۔'' ولی نے حنین کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں پرفیوم سے الرجی ہے۔'' چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

''سوری میم۔'' نوجوان کی آواز اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔

''کوئی بات نہیں ولی، ہم یہاں سے چلتے ہیں۔'' یزمان نے بات ختم کرنی چاہی، مگر اُس کی نگاہ ایک لمحے کو ولی پر ٹھہر گئی۔

سب لوگ رُک کر اُنہیں ہی دیکھ رہے تھے، نوجوان نیچے زمین پر بیٹھا تھا اور ولی اُس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

یزمان کی بات پر ولی نے بغیر کچھ کہے ارد گرد نظر دوڑائی، اور اُن کے ساتھ قدم ملا لیے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ حنین سے پوچھ رہا تھا۔

حنین نے جواباً ہاں میں سر ہلا دیا تھا، مگر اُسے ہلکی ہلکی چھینکیں ابھی بھی آ رہی تھیں۔

پیچھے رہ جانے والے نوجوان کو شاید پہلی بار احساس ہوا تھا کہ ''نہیں'' بھی ایک مکمل جملہ ہوتا ہے۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا موڈ مزید خراب ہو۔ غصہ ابھی اندر کہیں موجود تھا، مگر وہ اُسے دبا کر معمول پر آنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

جب اُسے تسلّی ہو گئی کہ حنین بالکل ٹھیک ہے، تو اُس نے پھر سے کانوں میں ایئر پوڈز لگائے، پُرانا گانا لگایا اور خاموشی سے اُن کے پیچھے چلنے لگا۔

اب تم سا جہاں میں کوئی نہیں ہے، ہم تو تمہارے ہو بیٹھے
تم کہتے ہو کہ ایسے پیار کو بھول جاؤ، بھول جاؤ

ہم تیرے پیار میں سارا عالم کھو بیٹھے ہیں کھو بیٹھے
تم کہتے ہو کہ ایسے پیار کو بھول جاؤ، بھول جاؤ
★。゜ ✦ ゜。★

جب وہ شاپنگ مال سے گھر پہنچا تب تک عصر کا وقت ہو چکا تھا، وہ یزمان اور حنین کو اُن کے گھر ڈراپ کر کے اپنے گھر چلا آیا تھا۔
اُس نے گاڑی پارک کر کے لان سے گزرتے ہوئے ایک نظر اُن پودوں کو دیکھا تھا جو صبح مسز
ریان وہاں لگا رہی تھیں۔ لان میں رکھے ٹیبل سے چائے کا خالی کپ اُٹھا لیا گیا تھا۔ پودوں کے سائے بھی بڑے ہو چکے تھے۔
وہ لان سے ہوتا ہوا سیدھا اسٹڈی میں آیا تھا جہاں محمد موجود تھا، اُسے معلوم تھا کہ محمد اس وقت کہاں پایا جا سکتا ہے۔
''ہائے بڈی!'' اُس نے آتے ہی پر جوش انداز میں اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔
'' وعلیکم ہائے!'' محمد نے بھی ویسے جوش کے ساتھ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔
''تم نہیں سُدھر سکتے!'' ولی نے مسکراتے ہوئے اُس کے وعلیکم ہائے کہنے پر تبصرہ کیا تھا۔
'' اپنے بارے میں کیا خیال ہے لڑکے؟'' محمد نے بھی مسکراتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔
ولی کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ ہائے اور ہیلو سے گریٹنگز کرتا تھا، محمد بھی اُس کے ہائے اور ہیلو کے جواب میں وعلیکم ہائے کہا کرتا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ شاید کبھی ولی کو شرم آ ہی جائے۔
مگر ولی بھی پھر ولی ہی تھا، وہ بھلا کہاں باز آنے والا تھا، وہ بھی ہمیشہ ہائے اور ہیلو پر ہی رہتا تھا، اُن دونوں کا اپنا ایک مزاج تھا اور وہ دونوں اُس پر قائم تھے۔
''میرے بارے میں میرے بہت اچھے خیالات ہیں۔'' اُس نے اِتراتے ہوئے کہا تھا۔
'' کیا بات ہے؟ آج اتنے خوش کیسے ہو؟ وہ بھی اس وقت؟'' محمد شرارتی مسکراہٹ
لبوں پر سجائے اُس سے پوچھنے لگا تھا۔
'' بس ہیں کچھ راز کی باتیں، جو بتائی نہیں جاتیں۔'' ولی نے مسکراتے ہوئے اپنا مصنوعی کالر جھاڑا تھا۔
''حنین کے لیے اُس بیچارے سیلز مین کو مار کر اتنی خوشی؟ بہت ہی گھٹیا انسان ہو یار تم تو۔'' محمد نے مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا تھا۔
'' جتنا تم سوچتے ہو، اُس سے کہیں زیادہ گھٹیا انسان ہوں۔'' ولی بھی پھر دنیا جہان کا ڈھیٹ پایا گیا تھا۔
''اوئے! تم میری جاسوسی کرتے ہو؟'' جب اُسے احساس ہوا کہ یہ بات محمد کو کیسے معلوم ہوئی تو ولی کو تو مانو جھٹکا لگا تھا۔
''واللہ! مجھے تمہاری جاسوسی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ تو تمہارے کرتُوت ہی ایسے ہیں کہ مجھے نظر رکھنی پڑ جاتی ہے۔''
وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا، ایک بازو کی کہنی ٹیبل پر جمائی ہوئی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں پین پکڑا ہوا تھا۔
''محمـــــــــــــــــدد!'' ولی حلق کے بل چلایا تھا جس پر محمد نے زوردار قہقہ لگایا تھا۔
''تم۔۔۔ تم ایک نمبر کے گھٹیا انسان۔'' ولی اُس کے سامنے کھڑا لال بھبھوکا چہرہ لیے بول رہا تھا۔
''تم۔۔۔ تم۔۔۔'' ولی شہادت کی اُنگلی اُس کی طرف اُٹھائے مختلف القابات
سے نواز رہا تھا۔

''کوئی شک؟'' محمد کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہونے کو ہی نہیں آ رہی تھی۔

ولی کا غصہ اُس کے لبوں پر سجی مسکراہٹ دیکھ کر اور بڑھتا جا رہا تھا، محمد بھی ڈھیٹ بنا بیٹھا اُسے آگ بگولہ کر رہا تھا۔

ولی جب اُسے گالیاں دے کر فارغ ہو چکا تو پاس رکھے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا اور محمد اُس کو اِنجوائے کر رہا تھا۔

'' اور کچھ کہنا ہے یا میں بھی اب کچھ بولوں؟''

'' بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے، کچھ نہیں سننا مجھے، دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔'' ولی کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

'' ارے یار! میں بس مزاق کر رہا تھا، میں بھلا تمہاری جاسوسی کیوں کرنے لگا؟'' محمد اُسے شانت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیونکہ میرے کرتُوت ہی ایسے ہیں۔'' ولی نے ٹیڑھا منہ کر کے اُس کے الفاظ دہرائے تھے۔ محمد نے بامشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی تھی۔

''نہیں بھئی، تمہارے کرتُوت ویسے نہیں ہیں، اور رہی بات کہ مجھے کیسے پتا لگا تو، مجھے مما نے بتایا تھا کہ تم انکل ارحم کی طرف گئے ہو۔''

وہ اب سیدھا ہو بیٹھا تھا ایسے کہ دونوں پاؤں زمین پر تھے اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا رکھے تھے۔

'' اوہ رئیلی؟ میں کیا چھوٹا بچہ ہوں جو تمہاری اس بات پر یقین کر لوں گا؟ تمہیں مال والی بات کا کیسے پتا پھر؟'' ولی نے مشکوک نظروں سے اُسے گھورا تھا۔

'' اوہ اچھا وہ؟ وہ تو اتفاقاً میرا ایک دوست وہاں موجود تھا جس نے ویڈیو بنا کر مجھے بھیجی تھی، یہ دیکھو۔''

محمد اُسے اپنے دوست کی طرف سے بھیجی گئی ویڈیو دکھانے لگا تھا جس میں ولی اُس سیلز مین

کے سامنے کھڑا کچھ بول رہا تھا اور وہ سیلز مین نیچے بیٹھا اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کیا معلوم کہ یہ ویڈیو بھیجنے والا ہی تمہارا جاسوس ہو جسے تم نے میرے پیچھے لگا رکھا ہو۔'' ولی ابھی بھی اُسے ویسے ہی گھور رہا تھا۔

'' محمد جھوٹ نہیں بولتا۔'' محمد اچانک سنجیدہ ہو بیٹھا تھا۔

''واٹ ایور۔'' ولی کو تو ابھی بھی محمد کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

'' اچھا اس سب کو چھوڑو، جب میں گھر آیا تب مما نے بتایا کہ تم اُس وقت اُن سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر کسی وجہ سے کہہ نہیں پا رہے تھے۔''

محمد اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا زبان جھوٹ بول سکتی ہے، مگر آنکھیں نہیں، اُس کی زبان اگر انکار کر بھی دے تو آنکھیں سچ بیان کر دیں گی اور محمد اُس کے الفاظوں سے زیادہ اُس کی آنکھوں پر یقین کرتا تھا۔

'' اوہ گاڈ! آخر مما کے پیٹ میں کوئی بات کیوں نہیں رہتی؟'' ولی نے تو گویا دُہائی دی تھی۔

'' مما نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو، اگر تم براہِ راست وہ بات اُن سے نہیں کہہ پا رہے ہو۔''

'' سچی؟'' ولی اُچھل کر اُس تک آیا تھا۔

'' مُچی۔'' محمد نے مسکراتے ہوئے اُسے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے، مگر یہ جگہ سیکیور نہیں ہے، تمہیں میرے ساتھ میرے رُوم میں چلنا ہو گا۔''

'' لو، اُس میں بھی کوئی بڑی بات ہے، ابھی چلتے ہیں، بائے داوے، ایسا کیا ہے جو تم اتنا سیکریٹلی بتانا چاہتے ہو۔'' محمد کنفیوز ہو گیا تھا۔

'' اوپر چلو، پھر بتاتا ہوں۔'' وہ اُس کا بازو تھامے اپنے رُوم کی طرف لے کر بڑھ گیا تھا۔

★。 ° ✦ ° 。★

وہ دونوں اس وقت بیڈ پر آلتی پالتی کیے بیٹھی تھیں، سورج کی نارنجی کرنیں کھڑکی سے چھن کر کمرے میں آ رہی تھیں، اُن کے سامنے ہی مسز ارحم بھی بیٹھی اُن دونوں کی شاپنگ دیکھ رہی تھیں۔

حنین اور یزمان ایک ایک شے کھول کر اپنی ممی کو دِکھا رہی تھیں، وہ دونوں اپنے اپنے

ہاتھوں میں ایک ایک شے اُٹھاتیں اور اپنی ممی کو دِکھاتی جس پر مسز ارحم اُن کی تعریف کرتیں۔

تعریف سُن کر اُن دونوں کی باچھیں کھل جاتیں، پھر وہ دونوں اگلی شے کی طرف ہاتھ بڑھا دیتیں اور اُس پر تعریف سننے کی منتظر رہتیں۔

تقریباً پچھلے آدھے گھنٹے سے اُس گھر میں یہ واحد مشغلہ تھا جو جاری تھا۔

''ہانی بیٹا! باقی کا سامان شام کو دِکھا دینا۔'' مسز ارحم پچھلے آدھے گھنٹے سے اُن کا سامان دیکھ دیکھ کر تھک چکی تھیں۔

وہ دونوں جب بھی شاپنگ سے واپس آتی تھیں، ہمیشہ اپنا سارا سامان ایسے ہی پھیلا کر بیٹھ جاتی تھیں اور اپنی ممی کو دکھاتی تھیں۔

اُن کا سامان اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ کبھی کبھی مسز ارحم بھی دیکھ دیکھ کر تھک جاتی تھیں۔

''یہ تھوڑا سا ہی تو رہ گیا ہے، یہ بھی دیکھ لیں۔'' حنین نے اپنے ایک طرف رکھے سامان کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''مگر بیٹے! مجھے تھوڑے سے اور بھی کام ہیں جو کرنے ہیں، اگر یہ سب شام کو۔۔'' مسز ارحم نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

وہ اُن کا دل بھی نہیں دُکھانا چاہتی تھیں اور وہ اب مزید وہاں بیٹھ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ کیا کریں؟

زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایسی صورتِ حال میں پھنس جاتے ہیں جہاں ہم نہ تو ہاں کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی نا کہہ سکتے ہیں، اُس صورتِ حال میں

جو واحد راستہ ہمارے پاس رہ جاتا وہ ''دُعا'' کا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں ہم اپنے معاملات کو صرف خدا پر چھوڑ سکتے ہیں، کچھ کام حقیقت میں ایسے ہوتے ہیں جو صرف خدا پر ہی چھوڑے جا سکتے ہیں۔

''ٹھیک ہے ممی، آپ جا سکتی ہیں۔''

حنین نے دوبارہ کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ یزمان نے اُس کے کچھ کہنے سے

پہلے ہی اُنہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

یزمان کی اس حرکت پر اُسے بہت غصہ آیا تھا، حنین ابھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ جائیں، وہ تو یزمان تھی جسے وقت کا احساس ہو گیا تھا۔

مسز ارحم نے پہلے حنین اور پھر یزمان کی طرف دیکھا، اُنہیں حنین کا چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے تھے۔

مسز ارحم نے مُسکراتے ہوئے پیار سے حنین کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اُس کے گال کو چھوا۔ حنین کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے اور مسز ارحم کو

نا چاہتے ہوئے بھی وہاں اُٹھ کر جانا پڑا۔

'' یزمان!'' مسز ارحم کے جانے کے بعد اُس نے گھورتے ہوئے یزمان کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

'' ایسے کیوں دیکھ رہی ہو یار؟ کتنی دیر سے تو ممی بیٹھی تھیں، اُنہیں اور بھی کام ہوں گے۔'' یزمان نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

'' مجھے بُدھو سمجھا ہوا ہے تم نے؟'' حنین کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔

''تمہیں ایسا شک کیوں ہوا؟'' یزمان اُس کے اور قریب ہو بیٹھی تھی۔

'' تم نے ممی کو جانے کے لیے کیوں کہا؟'' وہ ابھی بھی اُسے ویسے ہی گھُور رہی تھی۔

'' کیوں کہ وہ ہماری شاپنگ دیکھ دیکھ کر تھک چکی تھیں۔'' یزمان نے پھر سے وہی جملہ دُہرایا تھا۔

'' جھوٹ مت بولو تم، تم نے اس لیے کہا کیونکہ تمہاری شاپنگ مکمل ہو چکی تھی۔'' حنین تو مانو اُسے نوچ کھانے کو تیّار تھی۔

حنین کی بات سُن کر یزمان ہنس پڑی تھی، اور پھر ماحول کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوراً اپنی ہنسی پر قابو بھی پالیا تھا۔

''ہانی! ایسا بالکل بھی نہیں ہے، مجھے سچ میں نہیں پتا تھا۔'' اُس نے اچانک سے معصوم سا چہرہ بنالیا تھا۔

'' تم نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے، مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔'' وہ اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

'' یار ہانی ناراض تو نہ ہو پلیز، میں نے سچ میں ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا، تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' یزمان نے اُسے اپنی طرف گھما لیا تھا۔

''یزمان! مجھے تم سے بات نہیں کرنی، تم جاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں نہ آنا۔'' حنین اپنے بازو سینے پر لپیٹتے ہوئے بولی تھی۔

'' سچ میں چلی جاؤں؟'' اُس نے گویا کنفرمیشن مانگی تھی۔

''ہاں جی، اور دوبارہ مجھ سے بات بھی نہ کرنا۔'' وہ ویسے ہی منہ پھُلا کر بیٹھی اُسے جانے کو کہہ رہی تھی۔

''پکا؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا۔

''میں اب تمہیں لکھ کر دوں؟'' ہانی اُس کے بار بار پوچھنے پر زِچ ہوئی تھی۔

یزمان مسکراتے ہوئے اُٹھ کر چل دی تھی، حنین اُس کی پُشت کو دیکھنے لگی تھی، وہ دروازے پر پہنچ کر رُک گئی اور پھر اُس نے مڑ کر دیکھا۔

حنین، جو کہ اُسے ہی دیکھ رہی تھی، اُس کے یوں مڑ کر دیکھنے پر اُن کی نظریں ملی''، اُس نے فوراً اپنا چہرہ موڑا اور اپنے آپ کو اندر ہی اندر کوس بھی ڈالا

۔

''یہ واپس کیوں آ رہی ہے؟'' اُس نے اپنے دل میں سوچا تھا، حنین اُسے کن انکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ وہ واپس آ رہی تھی۔

'' اوہ میری پیاری بہن!'' یزمان واپس آ کر اُس سے لپٹ گئی تھی۔

''دور ہٹو مجھ سے، جاؤ تم یہاں سے۔'' حنین نے رُوم کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

'' تم کتنی بھولی ہو، میرے ہی رُوم سے مجھے ہی جانے کے لیے کہہ رہی ہو۔'' یزمان اُس سے الگ ہو کر ہنسنے لگی تھی۔

حنین کو لگا کہ اُس نے شاید غلط سنا ہے، اُس نے چاروں اور نظر دوڑائی اور احساس ہونے پر اُسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

''تم سچ میں بُدھو ہو حنین خان آفریدی، کم از کم یہ تو دیکھ لیتی کہ رُوم کس کا ہے۔'' حنین نے من ہی من میں خود کو مزید کوسا تھا۔

''اچھا سنو! میں نے ممی کو جانے کے لیے کہا، مگر صرف تمہاری وجہ سے۔''

حنین اپنا سامان سمیٹنے لگی تھی جب یزمان نے اُسے متوجہ کیا تھا، وہ گردن موڑے اُسے ناسمجھی سے دیکھنے لگی تھی۔

''نہیں یقین آ رہا نہ؟ ابھی سمجھاتی ہوں، بلک دکھاتی ہوں۔'' یزمان اُس کے سامان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

وہ اُس کے سامان سے کچھ ڈھونڈنے لگی تھی، مطلوبہ شے نکال کر اُس کے سامنے رکھی اور پھر اُس کے چہرے کو دیکھا۔

اُس کے چہرے پر سختی تھی مگر سامنے رکھی شے کو دیکھ کر اُس کے چہرے کے آثار بدلے تھے۔

اُس کا موڈ اچانک سے اچھا ہو گیا تھا، چہرے پر سختی کی جگہ اب نرمی نے لے لی تھی۔

'' یہ تم نے میرے لیے لیا ہے؟'' اُس نے اُسے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

اُس کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا تھا جیسے ویرانے میں چُپکے سے بہار آجاتی ہے۔

وہ سینڈل کا جوڑا تھا جو اُسے مال میں بہت پسند آیا تھا، مگر پیسے کم اور قیمت زیادہ ہونے کہ وجہ سے اُسے وہ وہیں چھوڑنا پڑ گیا تھا۔

''اس ہی سوال کی وجہ سے میں نے ممی کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔'' یزمان پھر سے اُس کے سامنے آبیٹھی تھی۔ حنین نا سمجھی سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ میں نے نہیں لیا۔'' اُس نے حنین کے جملے کی نفی کی تھی۔

''تو پھر کس نے لیا ہے؟'' حنین کو تجسس ہوا تھا کہ جو سینڈل کا جوڑا وہ مال میں ہی چھوڑ آئی تھی وہ اُس کے سامان میں کیسے آیا۔

''مجھے پتا تھا تمہارا اگلا سوال بھی یہی ہونے والا ہے۔'' یزمان نے فخریہ کہا تھا۔

'' یہ اُس نے لیا ہے تمہارے لیے۔'' یزمان نے اگلے ہی پل اُس کی اُلجھن دُور کرنے کی کوشش کی تھی۔

'' اُس نے کس نے؟'' حنین کی الجھن گویا اور بڑھ گئی تھی۔

''جو ہمارے ساتھ گیا تھا۔'' اُس کا نام شاید یزمان بھی نہیں لینا چاہ رہی تھی۔

'' اُس نے۔۔۔یعنی۔۔۔ولی نے؟'' حنین نے حیرت اور نا سمجھی سے اُس کی طرف دیکھا۔

یزمان نے مسکراتے ہوئے صرف اپنی گردن ہلائی۔

''مگر اُسے کیسے معلوم ہوا کہ مجھے یہ پسند آگئے تھے؟'' حنین کے ہونٹ مسکراہٹ کی وجہ سے پھیلتے گئے اور آنکھوں کی چمک مزید بڑھتی چلی گئی تھی۔

'' اُسے ہی تو تمہاری ہر پسند اور ناپسند کا پورا علم ہے۔''

یزمان کے اس جملے پر حنین نے فوراً نظریں جھکا لیں تھیں۔اس کے گالوں پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی، جیسے دل کا حال چہرے پر اتر آیا ہو۔

وہ سر جھکا کر آہستہ سے مسکرائی تھی، شاید شرم اور خوشی ایک ساتھ دل میں اتر آئی تھی۔ حنین کے مشغلوں میں شرمانا بھی اُس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ واللہ ایک تو وہ لڑکی شرماتی بہت تھی، اُس کا شرمانا دیکھ کر پاس کھڑے شخص کو ہنسی آجائے۔ خیر، شرمانا بھی لڑکی کی ایک ادا ہے جو کہ فطری تحفہ ہے۔

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

کچھ دیر بعد حنین جب اپنے پسندیدہ مشغلے سے فارغ ہو چکی تو سر جھکائے پھر سے اپنا سامان سمیٹنے لگی، اُس کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکان تھی اور خیالات میں وہ (ولی)۔

''اب بتاؤ کہ میں نے ممی کو جانے کی اجازت دے کر اچھا کیا یا بُرا؟'' یزمان اِتراتے ہوئے اُس سے پوچھنے لگی تھی۔وہ تقریباً اپنا سارا سامان سمیٹ چکی تھی،وہ سب کچھ اُلٹا سیدھا شاپنگ بیگز میں ڈال چکی تھی۔

''بُرا نہیں کیا تم نے۔'' حنین کی بات سُن کر یزمان کی باچھیں کانوں سے جا لگی تھیں۔

''بہت بُرا کیا ہے۔'' حنین کا اگلا جملہ سُن کر یزمان کی باچھیں فوراً سمٹ گئی تھیں۔

وہ یزمان کو تپا کر اپنے شاپنگ بیگز ہاتھوں میں تھامے دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔وہ اپنی ہی رو میں جا رہی تھی،شاید منہ میں کچھ گُنگُنا بھی رہی تھی۔

'' یہ کیا بات ہوئی بھئی؟'' وہ ناگواری سے اُس کی پُشت دیکھ کر چلائی تھی۔

''صحیح تو کہا ہے۔'' حنین نے اپنا بدلہ لے لیا تھا،یزمان کو تو مانو سر کی لگی تو تلوؤں میں بُجھی۔

''انسان جھوٹے منہ تھینک یو ہی بول دیتا ہے،مگر تھینک یو کہنے سے تو ہماری زبان گھِس جائے گی،زمانہ ہی خراب آ گیا ہے،بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔'' یزمان نے گویا دُہائی دی تھی۔

اُسے تو شکریہ تک سننے کو نہیں مِلا تھا،بے چاری،بُرا تو ہوا تھا اُس کے ساتھ۔

حنین اچانک کمرے کے دہانے پر رُک گئی،اُس نے اپنے بیگز زمین پر رکھے اور مڑ کر یزمان کو دیکھنے لگی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟ جاؤ اب یہاں سے۔'' وہ ایسے منہ پھیرتے ہوئے بولی تھی جیسے حنین سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

'' تم نے ابھی کیا کہا؟'' وہ وہیں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

'' یہی کہا کہ کیا دیکھ۔۔'' وہ بولنے ہی لگی تھی کہ حنین نے اُس کی بات کاٹ دی۔

''یہ نہیں،اس سے پہلے۔'' وہ اپنے بیگز کمرے کے دہانے پر چھوڑے،چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی واپس آ رہی تھی۔

'' انسان جُھوٹے منہ۔۔۔'' یزمان اُسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اس جملے کی آخر میں۔'' حنین نے پھر سے اُس کی بات درمیان سے کاٹ دی تھی۔

حنین اُس سے بالکل سنجیدہ ہو کر پوچھ رہی تھی،وہ ایسے اُسے دیکھ رہی تھی جیسے اُس نے گالی دے دی ہو۔

''زمانہ خراب آ گیا ہے،بھلائی کا تو زمانہ نہیں رہا۔'' یہ جملہ بولتے ہوئے یزمان اُس کی طرف ناسمجھی سے دیکھ رہی تھی۔

'' زمانے کو کیوں خراب کہہ رہی ہو؟'' حنین دوبارہ اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

'' جب تم جیسے مطلبی لوگ بھلائی کے بدلے شکریہ تک نہ کہیں گے تو یہی کہنا بنتا ہے۔'' اُس نے منہ پُھلاتے ہوئے کہا تھا۔

'' تو اس میں زمانے کا کیا قصور ہے؟ آئی مین،اگر لوگ تمہاری بھلائی کا بدلہ نہیں دیتے ہیں تو تم زمانے کو بُرا کہو گی؟'' وہ اُس کے عین سامنے بیٹھی تھی،یوں کہ اُس نے ایک پاؤں موڑ لیا تھا جبکہ دوسرا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔

'' لیکچر نہ جھاڑو،اور جاؤ اب یہاں سے،آئندہ مجھ سے کوئی بھلائی کی اُمید نہ رکھنا۔'' جب یزمان سے کوئی جواب نہ بنا تو اُسے حنین کو بھیجنا ہی مناسب لگا تھا۔

"اوکے لِسن، شکریہ، اب خوش ہو؟" حنین اُس کے دونوں ہاتھوں کی اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی تھی۔

"شکریہ مانگ کر لیا تو کیا لیا۔" اُف، ایک تو یہ لڑکیاں، نخرہ تو بالکل ناک پر ہی رکھا ہوتا ہے۔

"آئندہ بنا مانگے مل جایا کرے گا۔" حنین اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ واپس کیوں آئی تھی؟ کیا صرف شکریہ کہنے؟ مگر اتنی اچھی ہائی کب سے ہو گئی؟" یزمان کے من میں درجنوں سوال چل رہے تھے۔

"یزمان!" کچھ دیر یونہی اُسے دیکھتے رہنے کے بعد حنین نے اُسے نرمی سے پُکارا۔

"ہوں؟" نرمی سے ہی جواب دیا گیا تھا۔

"ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ابنِ آدم مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانہ میں ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں سارے معاملات ہیں، میں ہی رات اور دن کو پھیرتا ہوں۔"

(صحیح بخاری: 4826، صحیح مسلم: 2246)

اُس کے ہاتھوں پر حنین کی گرفت اور مضبوط ہو گئی تھی، وہ شکریہ نہیں کہنے آئی تھی، وہ اُسے کچھ بتانے آئی تھی، جو ضروری تھا، جس کا جاننا اُسکے لیے بہت ضروری تھا۔

یزمان ٹکر ٹکر اُس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی، حنین کے لب ہل رہے تھے، وہ الفاظ یزمان کے کانوں میں پڑ رہے تھے، وہ چپ چاپ اُسے سننے لگی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ پہلے کے لوگ زمانے کو بُرا بھلا کہتے تھے، اُن پر اگر کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ بھی ہمیشہ زمانے کو ہی ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔" اُس کا لہجہ بہت نرم تھا، اتنا نرم جیسے وہ کسی بچے کو سمجھا رہی ہو۔

"مگر میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" یزمان نے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"نہیں یزمان، جو سچ ہے ہمیں اُسے قبول کرنا چاہیے ہے۔ ہمارے یہ کہہ دینے سے کہ ہمارا وہ مطلب نہیں تھا، اس سے بات کا مطلب نہیں بدل جاتا۔" یزمان خاموش رہی، اُسے معلوم تھا کہ حنین اُسے نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کر رہی، بلکہ وہ اُسے ریالٹی چیک تھما رہی تھی۔

"کیا ہمیں یہ قبول ہے کہ ہم انجانے میں بھی اللہ کو گالی دیں؟ اسے بُرا بھلا کہیں؟ کیا اللہ جو ہم سے اتنی محبت کرتا ہے وہ یہ ڈیزرو کرتا ہے؟ کیا ہم اللہ کو گالی دینا افورڈ کر سکتے ہیں؟" اُس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے۔

"نہیں۔" ایک لفظی جواب آیا تھا۔

یزمان نے اپنی نظریں جھکالی تھیں، ندامت کی غرض سے۔ اُسے کہاں معلوم تھا جو بات اُس نے نادانی میں کہی وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

"آج کل ہمارے معاشرے میں یہ جملہ عام ہو چکا ہے، حقیقت میں ہم زمانے کو بُرا نہیں کہتے، ہم اُسکے خالق کو بُرا کہتے ہیں۔" وہ جانتی تھی کہ یزمان اُس کی بات کو سمجھے گی، وہی تو تھی جو اُسے سمجھتی تھی۔

یزمان کوئی بزرگ تھوڑی تھی جو اُسے یہ کہے گی کہ "جا کر اپنا کام کرو، آئی بڑی مجھے سمجھانے والی۔" آہ! ایک تو یہ ہمارے بزرگ، جنہیں اگر پیار سے بھی صحیح بات بتاؤ تو اُن کے پاس ایک ہی جملہ ہوتا ہے کہنے کو۔

کیا سب بزرگ ہی اپنے سے چھوٹوں کو کم عقل اور جاہل سمجھتے ہیں؟ کیا جین زی واقع میں اتنے جاہل ہیں؟

''وعدہ کرو مجھ سے کہ آئندہ ایسے الفاظ استعمال نہیں کرو گی۔'' وہ دونوں ایسی ہی تھیں،پل بھر میں لڑنے والی اور پل بھر میں ایک دوسرے کو صحیح غلط بتانے والی۔

''وعدہ رہا تم سے۔'' یزمان نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''اور آخری بات، میں اپنا کہا گیا شُکریہ واپس لیتی ہوں، ویسے بھی تم نے مانگ کر لیا تو کیا ہی لیا۔'' حنین نے ہنستے ہوئے شرارت سے آخری جملہ کہہ کر دروازے کی طرف دَوڑ لگا دی تھی۔

حنین کی اچانک کی جانے والی اس حرکت پر یزمان کی ہنسی چُھوٹ گئی تھی۔

★。° ✦ °。★

ہم کچھ وقت پیچھے چلتے ہیں۔

یہ عصر کا وقت تھا، سورج کی نارنجی کرنیں کھڑکی سے چھن کر اندر آ رہی تھیں، کھڑکی سے بلائنڈز ایک طرف کیے ہوئے تھے۔ باہر آفس فلور پر معمول کی مصروفیات جاری تھیں، ملازمین اپنے اپنے کام میں مگن تھے جبکہ وقتاً فوقتاً مدھم آوازیں شیشے کے دروازے سے ہوتی ہوئی اندر تک چلی آتی تھیں۔

وہ خاموشی سے کرسی سے ٹیک لگائے میک بُک پر تیز تیز انگلیاں چلا رہا تھا۔اُسے شاید آفس سے جلدی نکلنا تھا یا پھر کام زیادہ تھا جو اسے آج ہی ختم کرنا تھا۔

وہ مِڈ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا، ٹائی ذرا ڈھیلی کی ہوئی تھی، کوٹ اتار کر ایک طرف لٹکایا ہوا تھا، بال تھوڑے بکھرے ہوئے تھے اور کلین شیو ہمیشہ کی طرح کی ہوئی۔ آج اس کے ہونٹ کے کنارے پر کوئی زخم کا نشان نہیں تھا، شاید وہ زخم اب تک بھر چکا تھا۔

ٹیبل پر رکھی چند فائلیں اور میک بُک کی سکرین پر کھلے متعدد ٹیبز اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ کافی دیر سے مسلسل کام میں مصروف تھا۔

''سر! اگلے دس منٹ میں آپ کی میٹنگ ہے۔'' اس کی سیکرٹری اس کے سامنے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی جو پچھلے کئی گھنٹوں سے سکرین میں گم تھا۔

''سر!'' اس نے دوسری دفعہ اسے ذرا اونچی آواز سے پکارا۔

''جاؤ یہاں سے منال!'' وہ اکتایا ہوا تھا۔

''مگر سر آپ کی یہ آخری میٹنگ رہتی ہے۔'' اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پر ڈالی اور پھر ساتھ ہی ابراہیم کو دیکھنے لگی۔

''کینسل کر دو۔'' وہ بنا سکرین سے نظریں ہٹائے بات کر رہا تھا۔

''مگر سر۔'' وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی جب ابراہیم نے درمیان میں مداخلت کر دی۔

''کینسل کر دو یار!'' اس نے آخر میک بُک سے نظریں ہٹا ہی لی تھیں۔

اس نے اپنی گردن کو پہلے دائیں طرف گرایا اور پھر بائیں طرف، دونوں ہاتھوں سے اپنے شانے دبائے اور نظر اٹھا کر سامنے کھڑی منال کو دیکھا۔

''منال! آج میرا میچ ہے سو پلیز اسے ری شیڈیول کر دو۔''

اس نے التجائیہ انداز میں اسے کہا تھا۔

شاید وہ روڈ نہیں ہونا چاہتا تھا، وہ صبح سے آفس میں کام کر کے تھک چکا تھا اور اب اُسے تھوڑی دیر بعد رِنگ میں بھی اترنا تھا، تھکاوٹ نے اس کا برا حال کر رکھا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے چڑچڑے پن پر قابو رکھے ہوئے تھا۔

منال اس کا حکم سن کر مؤدب سی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی سی چھا گئی تھی۔

جبکہ ابراہیم نے میک بک کو بند کر دیا تھا، دن بھر کی تھکاوٹ اس کے چہرے پر واضح دیکھی جا سکتی تھی مگر اب وہ کرسی پر بیٹھا اپنے آپ کو میچ کے لیے تیّار کر رہا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا جب اُس کا فون رِنگ کرنے لگا، سکرین پر فہیم لکھا ہوا جگمگا رہا تھا۔ سکرین پر بنے آدھے تیر کے نشان کو اُس نے دائیں جانب سلائڈ کیا اور کال ریسیو کر لی۔

''فری ہو؟'' فون میں سے فہیم کی بھاری آواز اُبھری تھی۔

''کوئی کام ہے؟'' وہ سیدھا پوائنٹ پر آیا۔

''انکل ارحم کے گھر جانا ہے۔'' وہ سامنے رکھے کچھ سامان کو دیکھ کر بولا تھا۔

''تو جاؤ پھر۔'' ابراہیم نے پیشانی مسلتے ہوئے اکتا کر جواب دیا تھا۔

''تم جا رہے ہو۔'' فہیم نے کرسی کی ٹیک چھوڑی اور آگے ہو کر بیٹھ گیا۔

''میں نہیں جا پاؤں گا یار، میرا میچ ہے۔'' ابراہیم نے گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''میں پوچھ نہیں رہا، بتا رہا ہوں۔'' اتنا کہہ کر فہیم نے فون رکھ دیا اور ادھر ابراہیم فون کو کان سے ہٹا کر غور سے دیکھنے لگا کہ یہ کیا تھا؟

''یہاں سے جلدی نکلو ابراہیم! ورنہ یہ جن کی اولاد ابھی میرے سامنے آن کھڑی ہو گا۔'' وہ منہ میں خود سے بڑبڑاتے ہوئے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹنے لگا۔

وہ کوٹ اُٹھا کر ابھی اپنے آفس کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اسے وہ دروازہ کھلتا ہوا نظر آیا، آنے والا فہیم تھا اور اس کے بالکل پیچھے منال کھڑی تھی جو بے بسی کی حالت میں فہیم کو پُشت کو گھور رہی تھی۔

ابراہیم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ پورے آفس میں اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کے آفس کا دروازہ کھول سکتا تھا تو وہ فہیم ہی تھا۔

''کہاں فرار ہو رہے تھے تم؟'' فہیم نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر ابراہیم کو مخاطب کیا۔

ابراہیم نے پہلے منال کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر فہیم کی طرف دیکھنے لگا۔

''بتایا تو تھا کہ میرا میچ ہے، وہیں جا رہا ہوں، فرار ورار نہیں ہو رہا تھا۔'' اُس نے عام سے لہجے میں کہا جیسے کی وہ واقع میں فرار نہیں ہو رہا تھا۔

''ابھی میں نے تمہیں کال کر کے کہا تھا کہ تم انکل ارحم کے گھر جا رہے ہو۔'' وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر ابراہیم کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

''ایسا کونسا ضروری کام آن پڑا ہے جو مجھے انکل ارحم کے گھر جانا پڑ رہا ہے؟''

''کچھ سامان ہے جو اُن کے گھر دینا ہے۔'' وہ اب دروازہ چھوڑ کر اندر آ گیا تھا۔

''یہ کام تم بھی کر سکتے ہو۔''

''میں کر لیتا اگر میں مصروف نہ ہوتا۔'' فہیم نے اگر پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے ابھی دو میٹنگز اٹینڈ کرنی ہیں اور اس سے پہلے تمہاری کینسل کی ہوئی میٹنگ بھی کرنی ہے۔''

''وہ کینسل نہیں کی، صرف ریشیڈیول کی ہے۔''

''واٹ ایور۔'' فہیم نے ہاتھ جھلایا تھا۔

''تمہیں کس نے بتایا کہ میں وہ میٹنگ۔۔۔۔'' ابراہیم کی زبان کو وہیں بریک لگ گئی جب اس کی نظر گلاس کے پار باہر کھڑی مینال پر گئی۔

''اوہ گاڈ! یہ میرے لیے کام کرتی ہے یا تمہارے لیے۔'' ابراہیم نے تو گویا دوہائی دی تھی۔

''تنخواہ اُسے تم دیتے ہو مگر وہ کام ہمارے لیے کرتی ہے۔'' فہیم نے اس دفعہ ہمارے پر زور دیا تھا۔

''اس کی خبر تو میں بعد لوں گا اور باقی رہی بات انکل ارحم کے گھر جانے کی تو میں نہیں جا پاؤں گا میرا آج میچ ہے۔''

''تم ویسے بھی نکلنے ہی لگے ہو، جاتے ہوئے دیتے جانا۔''

''تم شاید بھول رہے ہو مگر انکل ارحم کا گھر میرے راستے پر نہیں پڑتا۔''

''ابراہیم! آج تک بہت سے تمہارے کام میں نے کیے ہیں، اگر یہ ایک کام میرے کہنے پر کر دو گے تو جان نہیں نکل جانی۔''

''اوکے یار۔'' اس نے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔

وہ شاید بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا اس لیے تھوڑی سی تکرار کے بعد ہی مان گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فہیم سے بحث کرنا فضول ہے۔

''گُڈ۔'' فہیم نے اُس کے بائیں کندھے پر تھپکی دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

فہیم کے پیچھے ہی وہ بھی آفس سے باہر آیا، ایک گہری نظر منال پر ڈالی اور چپ چاپ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد وہ بلڈنگ کی لابی میں موجود تھا۔ شام ڈھلنے لگی تھی، شیشے کی دیواروں سے نارنجی روشنی اندر پھیل رہی تھی۔

سامان اٹھا کر جب وہ پارکنگ کی طرف بڑھا تو اس کے ذہن میں اب بھی میچ ہی گھوم رہا تھا۔ وہ ہر صورت وقت پر پہنچنا چاہتا تھا مگر فہیم نے ہمیشہ کی طرح اس کی ساری پلاننگ درہم برہم کر دی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ارحم ہاؤس میں موجود تھا۔

گھر معمول سے زیادہ پُر سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وسیع ہال میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور شاید اسی وجہ سے گھر کچھ خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ وہ اس وقت ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ مسز ارحم اس کے عین سامنے بیٹھی تھیں جن سے وہ محوِ گفتگو تھا۔ جبکہ مسز ارحم حسبِ معمول گھر کی باتیں اسے سنا رہی تھیں۔

ابراہیم بھی ان کی باتیں پوری توجہ سے سن رہا تھا، اگرچہ اُس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ میچ کا وقت مسلسل اس کے ذہن میں دستک دے رہا تھا مگر مسز ارحم کے سامنے وہ اپنی بے چینی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی بیرونی دروازے پر ہارن کی آواز آئی جس نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

''شاید وہ لوگ آ گئے ہیں۔'' مسز ارحم نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''وہ؟'' ابراہیم کو سمجھ نہیں آئی کہ آخر پھپھو بات کس کی کر رہی تھیں۔

''یزمان، حنین اور ولی۔''

مسز ارحم کے ساتھ چلتا ہوا ابراہیم بھی باہر ہال میں آ گیا تھا۔

اُن کے ہاتھ میں بہت سے شاپنگ بیگز تھے، وہ دونوں آگے تھیں اور ولی اُن کے بالکل پیچھے تھا، اُن کے آنے سے گھر کی رونق بھی لوٹ آئی تھی۔

''تم دونوں بیٹھو میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں۔'' مسز ارحم ولی اور ابراہیم کو کہتی کچن کی طرف بڑھ گئیں جبکہ حنین اور یزمان سلام کر کے روم کی طرف چلی دی تھیں۔

''کیسے ہو ولی؟'' وہ جب نزدیک آیا تو ابراہیم نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی مگر ولی نے اس کی آواز نہیں سنی، وہ حنین کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، ابراہیم نے جب اُس کی آنکھوں کا تعاقب کیا تو اس کا دل اچانک ڈوب کر ابھرا۔

''یہ ہانی کو ایسے کیوں دیکھ رہا ہے؟'' وہ بالکل ہولے سے بڑبڑایا۔

پہلے تو اسے لگا شاید وہ یونہی دیکھ رہا ہے، مگر چند لمحے گزرنے کے باوجود ولی کی نظریں وہیں ٹھہری رہیں۔

''ولی!'' اس نے پھر اسے پکارا مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

ابراہیم نے اُس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا، اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، ویسی ہی چمک جیسی حنین کو دیکھنے کے بعد ابراہیم کی آنکھوں میں دکھائی دیتی تھی۔

ابراہیم نے نفی میں سر ہلایا، وہ کیا سوچ رہا تھا؟ وہ ایسا کیسے سوچ سکتا تھا؟ اُس نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر حقیقت کو تو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔

''آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔'' اچانک اس کے کانوں میں کسی نے سرگوشی کی۔

''مگر مجھے آنکھیں پڑھنا ہی کہاں آتی ہیں۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

''تم نے آنکھوں کو پڑھا نہیں، بلکہ محسوس کیا ہے۔'' اس کے کانوں میں پھر سے کسی نے سرگوشی کی تھی۔

''یہ میرا وہم ہو سکتا ہے۔'' وہ پھر سے زیرِ لب بڑبڑایا۔

''وہم میں کبھی اتنی سچائی نہیں ہوتی جتنی تم نے محسوس کی ہے۔'' اس کے کانوں میں آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

اُس کے سر میں درد اٹھنے لگا تھا اور شاید دل میں بھی۔ وہ اس درد کو اپنے اندر تک اترتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

''ابراہیم! کہاں گم ہو؟'' ولی نے اُسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''کک۔۔۔ کہیں بھی نہیں۔'' وہ جیسے گہرے خیال سے باہر آیا تھا۔

''تم پریشان لگ رہے ہو۔'' ولی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے اب چلنا چاہیے۔'' ابراہیم اپنے پیشانی مسلتا باہر کی طرف نکل گیا۔

''اسے کیا ہوا؟'' ولی نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے ہلکی آواز میں کہا۔

وہ جیسے ارحم ہاؤس سے باہر نکلا اس کا سانس پھولا ہوا تھا، دل زوروں سے دھڑک رہا تھا، چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

''کیا ولی جیسا لڑکا بھی کسی لڑکی کے لیے اپنے دل میں ایسے جذبات رکھ سکتا ہے؟''

اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اس کے دماغ کی رگیں پھولتی جا رہی تھیں، اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنا ہائپر کیوں ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ جس کے لیے وہ اتنا پریشان ہو رہا تھا وہ اس کی بس کزن تھی اور کچھ نہیں یا شاید وہ اب اس کے لیے صرف اس کی کزن نہیں رہی تھی۔

اس نے خواب دیکھنا شروع کر دیے تھے، اُس نے حنین کو اپنے ساتھ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا، وہ اس کے ساتھ گھر بنانا چاہتا تھا۔ وہ حنین کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتا تھا، وہ اُس سے محبت کر بیٹھا تھا۔۔۔ ہاں وہ سچ میں اُس سے محبت کر بیٹھا تھا۔

★。° ✦ °。★

سورج غروب ہو چکا تھا اور جاتے جاتے ساری روشنی اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گیا تھا۔ اسلام آباد شہر پر رات کی تاریکی نے خاموشی سے اپنے پر پھیلا دیے تھے۔ آسمان بالکل صاف تھا، ستارے ٹمٹما رہے تھے، مگر چاند کے بغیر رات کسی ادھوری کہانی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

کچن کی ہلکی زرد روشنی میں وہ اکیلا چولہے کے سامنے کھڑا تھا، جیسے دن بھر کی تھکن کو کافی کی بھاپ میں گھول دینے کی کوشش کر رہا ہو۔ کافی کی خوشبو فضا میں پھیل چکی تھی۔

اُس نے سیاہ ٹراؤزر زپر سکن کلر کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال نہ بکھرے ہوئے تھے اور نہ ہی سنورے ہوئے تھے، وہ اس حلیے میں بھی اچھا لگ رہا تھا۔ ایک خوبرو سا نوجوان جو اپنے کام خود کرنا جانتا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں دو سفید مگز تھے، وہ اُن میں کافی انڈیل کر انہیں تھامے اوپر ٹیرس پر چلا آیا تھا۔

یہ کیا بات ہے آج کی چاندنی میں
کہ ہم کھو گئے پیار کی راگنی میں

محمد جب اوپر آیا تو اُس کے کانوں میں سب سے پہلے پڑنے والے الفاظ کسی پرانے گانے کے تھے۔

وہ سینے پر بازو لپیٹے، ریلنگ کے ساتھ چپ چاپ کھڑا اُن الفاظوں کو جذب کر رہا تھا، وہ کھویا کھویا مسلسل دور کہیں غیر مرئی نقطہ کو دیکھ رہا تھا۔

یہ بانہوں میں بانہیں، یہ بہکی نگاہیں
لو آنے لگا زندگی کا مزہ

اُس نے گرے رنگ کی کارگو پینٹ پر نیوی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی جس کی آستینیں نفاست سے کہنیوں تک مڑی ہوئی تھیں۔ اُس کے بال ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے، اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، وہ خوش تھا، بالآخر آج وہ دل سے خوش تھا۔

یہ راتیں، یہ موسم، ندی کا کنارہ، یہ چنچل ہوا

'' نہ تو آج چاند ہی نکلا ہے اور نہ ہی تم کسی ندی کے کنارے پر کھڑے ہو۔'' محمد نے ہاتھ بڑھا کر گانے کو بند کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

محمد کے یوں اچانک گانے کے درمیان دخل دینے پر ولی نے اُسے گھورا، وہ گردن موڑے ماتھے پر بل لیے اُسے دیکھنے لگا تھا۔

''زندگی میں کبھی بھی سب کچھ ہمارے اکارڈنگ نہیں ہو سکتا۔'' ولی نے اُس کے تبصرے پر منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''اوہ رئیلی؟'' اُس نے آگے بڑھ کر ولی کے ہاتھ میں کافی کا مگ تھماتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی اور کافی کے لیے تھینکس۔'' اُس نے مگ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

محمد نے سر کے خم سے شکریہ کو قبول کیا۔ ولی ایک ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں ڈالے اور ایک سے کافی مگ تھامے وہ پھر سے سامنے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''آج تم باہر نہیں گئے؟ اپنے دوستوں سے ملنے، کسی پارٹی وغیرہ میں۔'' وہ بغور اُس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا تھا۔

محمد، ولی کے بالکل مقابل کھڑا ہو گیا تھا اور وہ گرل کے ساتھ کھڑا باہر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''تنز کر رہے ہو؟'' اُس نے پھر سے دائیں طرف گردن موڑ کر محمد کی طرف دیکھا۔

''پوچھ رہا ہوں۔'' محمد نے پُر سکون انداز میں سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''آج میرا دل چاہا کہ تمہارے ساتھ کافی پی جائے۔'' اُس نے کندھے اچکائے۔

''مگر تم تو ابھی ہمارے پیرنٹس کے زمانے کے گانے سُن رہے تھے۔'' محمد نے پھر سے تبصرہ کیا۔

''بور ہو رہا تھا، اس لیے لگا لیے تھے۔''

''مگر مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے تم کسی کو تصور کر رہے تھے، آئی مین تم کسی کے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، محمد کی یہ بات سن کر ولی کے لبوں پر پھر سے مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''اور تب تم بالکل ایسے ہی مسکرا بھی رہے تھے۔'' محمد نے ایک ہاتھ کی انگلی سے اس کی مسکراہٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے، تمہیں وہم ہوا ہو گا۔'' ولی اُس کے یوں نوٹ کرنے پر گڑبڑا گیا تھا۔

''اُف خدایا، ایک تو اس منحوس کی تیز نظریں، کہاں جاؤں میں؟'' ولی من ہی من میں اُسے کڑھ کر رہ گیا تھا۔

''شاید، ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔'' وہ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''تم مجھے چین سے یہاں کھڑے ہونے دو گے یا نہیں؟'' ولی گویا زچ ہوا تھا۔

''ارے ارے، میں تو مزاق کر رہا تھا۔''

''تمہارے مزاق بھی انوکھے ہی ہوتے ہیں۔'' اُس نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

''آپ نے ہمیں اپنے قیمتی وقت سے نوازا، اس احسان کے لیے ہم آپ کے زندگی بھر مشکور رہیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''بکو مت۔'' ولی نے اُسے گھوری سے نوازا۔ جبکہ محمد اُس کی گھوری کا ذرہ برابر بھی اثر لیے بغیر ہنسنے لگا تھا۔

کچھ لمحے یوں ہی خاموشی کے نظر ہوئے تھے جب ولی نے محمد کو پکارا۔ ''محمد!''

ولی ہاتھ میں مگ تھامے پھر سے وہیں دیکھ رہا تھا جہاں وہ محمد کے آنے سے پہلے نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''ہوں؟'' وہ اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے؟'' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، آنکھیں بالکل سنجیدہ اور چہرہ سپاٹ۔

''یہ کیسا سوال ہے؟'' محمد اُس کے سوال پر گڑبڑایا۔

''کیوں؟ میں نے کیا کوئی مشکل سوال پوچھ لیا ہے؟'' وہ اُس کی طرف چہرہ کیے پوچھنے لگا تھا۔

''سوال تو مشکل نہیں ہے مگر۔۔۔۔'' وہ لاجواب ہوا تھا۔

''مگر کیا؟''ولی نے نرم مگر سنجیدہ انداز میں کہا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ مجھے کبھی محبت ہوئی ہو گی؟'' اُس نے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

''ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔'' ولی نے اندازہ لگایا تھا۔

''مجھے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔۔۔اور مجھے نہیں لگتا کہ یہ کام میرے بس کا ہے۔''

محمد نے آہستہ سے کہا اور سامنے پھیلے سیاہ آسمان کو دیکھنے لگا۔ ٹیرس پر چلتی ٹھنڈی ہوا اس کی شرٹ کو بار بار ہلا رہی تھی، جیسے وہ جسم سے آزاد ہو کر اڑ جانا چاہتی ہو۔

''کیوں؟ محبت کرنے کے لیے کچھ کرنا پڑتا ہے کیا؟''ولی نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''نہیں۔''

ایک لفظی جواب۔۔۔ مختصر، مگر بھاری۔ محمد نے نظریں جھکا لیں اور جوتے کی نوک سے فرش پر بے دھیانی میں لکیریں بنانے لگا۔

''تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہیں نہیں ہو سکتی؟''ولی نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

محمد نے گہرا سانس لیا، ہوا نے اس کے بال بکھیر دیے۔ کیا وہ دونوں کبھی اتنی سنجیدگی سے بھی بات کر سکتے تھے؟ وہ دونوں عجیب تھے، یا شاید عجیب تر تھے، ایک پل میں کچھ ہوتے تھے اور دوسرے ہی پل کچھ اور۔

''بس ایسے ہی۔۔۔مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ محبت کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہوتا۔ ہر انسان محبت نہیں کر سکتا۔'' گرم بھاپ اس کے چہرے سے ٹکرا کر فضا میں گھل گئی۔ اس نے چہرہ اُٹھا کر سیاہ آسمان کو دیکھا۔

''مگر میرا ماننا ہے کہ محبت ہر انسان کر سکتا ہے۔ ہر وہ انسان جو سچا ہو۔۔۔جس کے دل میں بغض، حسد اور تکبر جیسی بیماریاں نہ ہوں۔ جو عاجز ہو۔۔۔نرم دل ہو۔''

محمد ہلکا سا مسکرایا، مگر آنکھوں میں سنجیدگی باقی رہی۔

''محبت اتنی سستی شے نہیں ہے، ولی۔۔۔کہ ہر کوئی کر سکے۔ محبت ایک نور ہے۔۔۔جو پاک اور صاف دلوں پر اترتی ہے۔ ہر دل سچا نہیں ہوتا۔۔۔ ہر دل بغض، حسد اور تکبر سے پاک نہیں ہوتا۔ ہر دل نرم بھی نہیں ہوتا۔۔۔اور نہ ہی ہر دل عاجز۔''

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ دور کہیں کتّے کے بھونکنے کی آواز آئی، اور نیچے سڑک پر ایک گاڑی تیزی سے گزری۔ دونوں بھائی اب مذاق سے نکل کر ایک گہری بحث میں داخل ہو چکے تھے۔۔۔ایک ایسے موضوع پر، جس کی بنیاد پر شاید پوری کائنات کھڑی تھی۔

محمد نے کافی کا ایک گھونٹ لیا، پھر آہستہ سے بولا،

''مگر۔۔۔ محبت صرف پاک دلوں پر بھی نہیں اترتی۔ وہ ہر اس دل پر اترتی ہے جس میں تڑپ ہو۔ کبھی کبھی محبت خود دل کو پاک کرنے آتی ہے۔ کچھ دل پہلے سے نرم ہوتے ہیں۔۔۔اس لیے محبت ان میں نور کی طرح چمکتی ہے۔ اور کچھ دل ٹوٹے ہوئے، گمشدہ یا بوجھل ہوتے ہیں۔۔۔وہاں محبت مرہم بن کر اترتی ہے۔۔۔اور آہستہ آہستہ انہیں صاف کر دیتی ہے۔''

ہوا ذرا تیز ہو گئی تھی۔ دونوں خاموش کھڑے تھے... مگر ان کے درمیان اب الفاظ سے زیادہ معنی موجود تھے۔

''اصل بات یہ نہیں کہ دل کتنا پاک ہے، بلکہ یہ ہے کہ دل سیکھنے کے لیے کتنا تیار ہے۔''

''اس طرح تو پھر میں نے تمہارے اندر ایک تڑپ دیکھی ہے، وہ محبت کا احساس تھا یا کچھ اور، میں نہیں جانتا۔'' وہ کافی کے گھونٹ بھرتا جا رہا تھا۔

''میں نے دین کے لیے اور اس خدا کے لیے جس کے لیے تم نماز پڑھتے ہو۔۔۔ دونوں کے لیے تمہارے اندر یہ تڑپ دیکھی ہے۔'' ولی بہت ہی ہلکے انداز میں یہ سب باتیں کہہ رہا تھا۔ جبکہ محمد منہ کھولے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''تو پھر کیا تم ان سے محبت نہیں کرتے؟ وہ محبت نہیں ہے؟ کیا وہ سب کچھ اور ہے؟'' اُس کے کافی ختم ہو چکی تھی۔

'' میں اس بارے میں شیور نہیں ہوں۔'' اُس نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ اس نے محمد کے ہاتھ سے بھی مگ لیا اور آہستہ سے آگے کی طرف قدم بڑھایا۔

''چلو پھر یہ بتاؤ کہ کیا مجھے محبت ہو سکتی ہے؟ کیا جو میں حنین سے کرتا ہوں وہ محبت ہی ہے؟ یا پھر وہ محبت کے سوا کچھ اور ہے؟۔۔۔ تمہارے حساب سے کیا میں محبت کر بیٹھا ہوں؟'' وہ سامنے رکھے ٹیبل پر جھک کر دونوں خالی مگز رکھ رہا تھا۔

''میرے حساب سے تمہیں بھی ابھی محبت نہیں ہوئی، جسے تم محبت کہتے ہو، وہ محبت نہیں ہے۔۔۔ تم ابھی صرف اُس کا احترام کرتے ہو، شاید۔۔۔ شاید تمہارے دل کے کسی کونے میں اُس کے لیے محبت آہستہ آہستہ سر اٹھا رہی ہو، مگر تم ابھی محبت کا دعویٰ نہیں کر سکتے، اقبالؒ کا ایک شعر ہے جس کی دوسری سطر کچھ یوں ہے کہ،

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں''

''یعنی تم کہہ رہے ہو کہ میں ابھی پہلی سٹیج پر ہوں؟'' وہ واپس پلٹ چکا تھا، وہ اب دونوں کہنیوں کے سہارے گرل پر جھکا ہوا تھا۔

''تم شاید ابھی پہلی سٹیج پر ہو، اور تمہیں اس سے آگے بڑھنے کے لیے تڑپ دکھانی پڑے گی، تب تم محبت کے باقی مقامات کو حاصل کر سکو گے، تب تمہارا دل پاک ہو سکے گا۔'' محمد اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا، ولی بھی گرل پر جھکا نیچے سڑک پر جلتی لائٹس کو دیکھ رہا تھا۔

''یعنی مجھے ابھی اور محنت کرنی پڑے گی؟'' وہ پھر سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا، دونوں پاؤں کی قینچی بنائے۔

''محبت محنت نہیں مانگتی، محبت تڑپ مانگتی ہے، محبت صدق مانگتی ہے، تمہیں اپنا تن من دھن۔۔۔ سب قربان کرنا پڑتا ہے، اور۔۔۔''

''اور؟'' اس نے ہلکی آواز میں پوچھا، آنکھیں محمد پر مرکوز تھیں۔

''اور یہ کہ محبت کی ایک روح بھی ہے، جیسے بنا روح کے جسم بے کار ویسے ہی بنا روح کے محبت بھی بے کار ہے۔''

محبت کی روح بھی ہے؟''

''وفا۔'' محمد کے ہونٹوں سے ایک لفظ نکلا۔

''اگر تمہیں محبت ہوئی بھی تو وہ بے جان ہو گی۔'' ولی حیران ہوا تھا۔

''تم وفادار نہیں ہو، ولی!'' محمد کی بات نے اچانک ماحول میں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وہ ہکا بکا کھڑا اسے دیکھنے لگا تھا۔

''تم میں وفا نہیں ہے، ولی!''

''کیا تم اس کی وضاحت کرو گے یا اس سے پہلے کہ میں اس الزام کے بدلے تمہارا منہ توڑ دوں؟''

''تمہارے اندر تکبر ہے، ولی!'' ولی کے سر پر تو گویا بم تھے جو باری باری گر رہے تھے۔

''یہ سراسر الزام ہیں، محمد!'' ولی کو غصہ آنے لگا تھا۔

''ابلیس نے کیا کیا تھا، کیا تمہیں پتا ہے؟۔۔۔۔ میں بتاتا ہوں، جب اسے کہا گیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو اُس نے تکبر کیا، اُس نے خدا کا کہا نہیں مانا، اُس نے اس اللہ کی نافرمانی کی جس نے اُسے بنایا، جس نے اُسے اتنی عزتوں سے نوازا تھا۔'' ولی دم بخود سا اسے سننے لگا تھا۔

''اس نے اپنے خالق کی نافرمانی کی تھی، وہ بھی وفادار نہیں تھا، اُس میں وفا نہیں تھی، اگر ہوتی تو وہ کبھی بھی انکار نہ کرتا۔۔۔۔ محبت تو وہ بھی کرتا تھا مگر وہ نبھا نہیں سکا، اُس کی محبت کھوکھلی تھی، بے جان تھی۔''

''تم بھی تو اپنے خالق سے دور بھاگتے ہو، اُس کا کہا نہیں مانتے ہو، تم میں بھی وفا نہیں ہے۔ جو شخص اپنے خالق کا ہی نہ ہوا وہ بھلا اُس کی مخلوق کا کیسے ہو سکتا ہے؟'' اُس کا سوال تھا یا خنجر جو ولی کا سینا چیر کر اندر تک گھسا تھا۔

ولی نے بے اختیار نظریں چرا لیں۔

''ہر بات کو نماز سے جوڑنا ضروری ہے کیا؟'' اُس نے مدھم مگر کھنچی ہوئی آواز میں کہا۔

''ضروری نہیں، مگر ہر بات آخر جا کر خدا پر ہی رُک جاتی ہے۔'' محمد نے نرمی سے جواب دیا۔

ولی نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''تمہیں لگتا ہے میں برا انسان ہوں؟''

''نہیں۔'' محمد نے فوراً کہا۔ ''تم برے انسان نہیں ہو، ولی! مگر تم اپنے آپ سے بھاگتے ہو۔''

یہ سن کر ولی کے اندر کچھ چٹخ سا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے۔

''تمہیں سب کچھ اتنا آسان کیوں لگتا ہے؟'' اُس نے شہر کی روشنیوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

محمد ہلکا سا مسکرایا۔

''مجھے آسان نہیں لگتا۔ اگر آسان لگتا تو شاید میں آج تمہارے سامنے کھڑا نہ ہوتا۔''

ولی نے کوئی جواب نہیں دیا، مگر اُس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

''اللہ کے رسول، خاتم النبیّین ﷺ۔۔۔ وہ بھی تو اپنی اُمت سے کتنی محبت کرتے رہے ہیں، راتوں کو جاگ کر صرف وہی آپ کے لیے روتا ہے جو آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہو، اُنہوں ﷺ نے اپنی امت سے سچی محبت کی، تم بھی اس امت میں شامل ہو۔۔۔ تم نے کبھی ان ﷺ سے ریٹرن میں محبت کی؟ کبھی اُن ﷺ سے وفا کی؟'' اور یہ وہ سوال تھا جو اسے جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھا۔

اس نے گہرا سانس لیا اور نظریں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔

''مجھے نہیں پتا۔'' اُس نے بمشکل کہا۔

اور شاید یہی پہلی بار تھا کہ اُس نے اپنے بارے میں اتنی سچی بات تسلیم کی تھی۔

''تم کہتے ہو کہ تمہیں نماز نہیں پڑھنی کیونکہ اللہ ہماری نماز کا محتاج نہیں ہے، بالکل ٹھیک کہتے ہو، مگر اُس سے وفا تو کرو، اس کا کہا تو مانو۔۔۔۔ جن راستوں سے منع کیا ہے اُن راستوں کو تو ترک کرو۔۔۔ ایک بار، ولی! صرف ایک بار کوشش تو کر کے دیکھو۔'' محمد کی آواز بھیگ گئی تھی، اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

''ولی! تم وفا سے محروم ہو۔۔۔ تمہیں اپنے اندر وفا ڈویلپ کرنی ہو گی تب تم محبت کو صحیح معنوں میں حاصل کر سکو گے۔'' وہ اس کے ساتھ آج سخت الفاظ استعمال کر رہا تھا، شاید یہ آخری راستہ تھا جو اسے نظر آیا تھا۔ ولی کے پاس الفاظ نہیں تھے، اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔

''میں تمہارا بھائی بھی ہوں، دوست بھی ہوں۔ اگر میں ہی تمہیں آئینہ نہیں دکھاؤں گا تو کون دکھائے گا؟ میں نے صرف اس لیے آج تمہارے ہاتھ میں ریئلٹی چیک تھمایا ہے کیونکہ میں تمہاری ہمیشہ سے بھلائی چاہتا آیا ہوں اور چاہوں گا۔''

ولی سانس روک کر کھڑا رہا، ہر لفظ اس کے دل پر ایک بھاری چھاپ چھوڑ گیا۔ اسے لگا جیسے محمد کے الفاظ نے اندر تک چھو لیا، اور گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔

''اور اتنے سخت الفاظ استعمال کرنے کے لیے میں تم سے معافی مانگتا ہوں، ہو سکے تو معاف کر دینا۔''

محمد نے آخری لفظ کہہ کر آہستہ سے قدم بڑھایا، سیڑھیوں کی جانب۔

ولی نے اپنی جگہ جڑ پکڑ لی۔ ٹیرس پر خاموشی چھا گئی، ہوا تھوڑی دیر کے لیے رک گئی، اور صرف شہر کی مدھم روشنی جگمگا رہی تھی۔

محمد کی آنکھوں میں آنسو چھپائے نہیں چھپے، وہ آہستہ سے پونچھ کر نیچے چلا گیا۔ ولی گم سم سا کھڑا رہا، نظریں زمین پر جمیں، دل میں ایک عجیب سا سکون اور اضطراب دونوں محسوس کرتے ہوئے۔

وہ جان گیا تھا کہ آج کا یہ لمحہ، محمد کی محبت، وفا، اور سچائی کی وہ جھلک دکھا گیا جو الفاظ سے زیادہ معنی رکھتا تھا۔ اور شاید یہی لمحہ تھا جب ولی نے پہلی بار حقیقت میں اپنے دل کے اندر جھانکنا شروع کیا، خاموشی سے، اپنے آپ میں۔

کبھی بھی کچھ بھی اچانک ٹھیک نہیں ہوتا، نہ ہی اچانک سے سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اس کے لیے ایک تڑپ چاہیے ہوتی ہے اور اس تڑپ کے لیے ایک چنگاری ہی کافی ہوتی ہے۔۔۔ شاید آج ولی کے دل میں وہی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔ اب ضرورت تھی تو صرف اسے جلائے رکھنے کی۔

دل عجیب شے ہے، اور ہمیشہ عجیب شے ہی مانگتا ہے۔۔۔ اگر اسے پھیرنا تھا، تو محمد کی وہ چھوٹی سے کوشش ہی کافی تھی۔

اور شاید، یہی چھوٹی سی کوشش ہی، مستقبل کے ان راستوں کو روشن کرنے والی پہلی کرن تھی، جو ولی کے دل کے سب سے چھپے گوشوں تک پہنچ کر اسے اپنی حقیقت سے روشناس کروانے والی تھی۔

****

''اگلے ہفتے میں اور تمہاری مما کچھ دنوں کے لیے ملک سے باہر جا رہے ہیں۔'' ریان صاحب نے چائے کا مگ میز پر رکھتے ہوئے ولی اور محمد کی طرف دیکھا۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ ڈائننگ ہال کی بڑی کھڑکیوں سے دھوپ اندر آ رہی تھی اور میز پر سجے برتنوں پر سنہری روشنی بکھر رہی تھی۔ سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

غیر معمولی طور پر ولی بھی آج اُن کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھوں کے نیچے ہلکے سے سیاہ حلقے نمایاں تھے اور چہرے پر عجیب سی تھکن چھائی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے پلیٹ میں پڑے ٹوسٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کی توجہ کھانے پر نہیں بلکہ کسی اور ہی سوچ میں الجھی ہوئی ہو۔

''کب تک واپس آؤ گے آپ لوگ؟'' محمد نے اپنے بابا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ دن تو لگ ہی جائیں گے۔'' ریان صاحب نے اندازہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

'' فہیم بھائی کی شادی بھی تو ہے نہ اس ویک اینڈ پر؟''

''ہاں جی، فہیم کی شادی کے بعد ہی جائیں گے۔'' ریان صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ کب لاہور جا رہے ہو؟''مسز ریان نے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہ کافی دیر سے اُس کی غیر معمولی خاموشی نوٹ کر رہی تھیں۔

ولی نے سر نہیں اٹھایا۔

''دو ہفتوں تک ہماری کلاسز بھی شروع ہو جائیں گی۔'' محمد نے اُس کی طرف سے جواب دیا۔

محمد جانتا تھا کہ ولی کی یہ خاموشی بے وجہ نہیں تھی۔

گزشتہ رات اُن دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نے ولی کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔محمد نے

اُس کے سامنے صرف چند مذہبی باتیں نہیں رکھی تھیں بلکہ اُس کی شخصیت کے اُن پہلوؤں کی نشاندہی کی تھی جنہیں ولی ہمیشہ نظر انداز کرتا آیا تھا۔سب سے بڑھ کر بات اب اُس کی انا پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔

ولی اُن لوگوں میں سے نہیں تھا جو آسانی سے اپنی غلطی تسلیم کر لیں۔اُس کے لیے یہ مان لینا کہ شاید محمد ٹھیک کہہ رہا تھا، کسی جنگ ہارنے جیسا تھا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ محمد کے الفاظ مسلسل اُس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

وہ اُنہیں جھٹکنا چاہتا تھا،اُن سے اختلاف کرنا چاہتا تھا، مگر جتنا وہ اُن باتوں کو رد کرنے کی

کوشش کرتا،اتنا ہی اُن میں چھپی سچائی اُس کے سامنے واضح ہوتی جاتی۔محمد جانتا تھا کہ اب فیصلہ ولی کی انا اور اُس کے ضمیر کے درمیان ہونا تھا۔

اور وہ صرف یہ امید کر سکتا تھا کہ اس بار ضمیر جیت جائے۔

''ولی!''اس بار مسز ریان نے براہِ راست اُسے مخاطب کیا۔

''جی؟''منہ تک جاتا اُس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔اُس نے چونک کر سر اٹھایا، جیسے کسی گہری سوچ سے باہر آیا ہو۔

''تم واقعی لاہور جانا چاہتے ہو؟''مسز ریان اب ناشتہ چھوڑ کر پوری توجہ سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں جی مما۔''ولی نے مختصر جواب دیا۔جواب دیتے ہوئے اُس کی نظر ایک لمحے کے لیے محمد پر پڑی، پھر فوراً واپس اپنی ماں کی طرف چلی گئی۔

''یہاں بھی تو اتنی اچھی اچھی یونیورسٹیز ہیں۔تم دونوں یہیں ایڈمیشن کیوں نہیں لے

لیتے؟'' ریان صاحب نے سوالیہ انداز میں کہا۔

محمد ہلکا سا مسکرایا۔

''بابا!لاہور ایک روایتی اور تاریخی شہر ہے۔ہم کچھ عرصہ وہاں گزارنا چاہتے ہیں۔ماحول بھی مختلف ہو گا اور تجربہ بھی۔''

''اور میں یہاں اکیلی ہو جاؤں گی،اُس کا کیا؟''مسز ریان نے مصنوعی ناراضی سے

محمد کو گھورا۔

محمد ہنس پڑا۔

''فکر نہ کریں مما!ہم ہر ویک اینڈ پر گھر آیا کریں گے۔''

اُس نے آگے بڑھ کر اپنی ماں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''ایسا ہی ہے نا، ولی؟''

محمد نے ساتھ ہی ولی کی طرف دیکھا۔

ولی نے فوراً سر اٹھایا۔

''جی... ہاں۔ بالکل۔''

اُس نے جلدی سے جواب دیا، جیسے اُس نے سوال تو سنا ہو مگر ذہن ابھی بھی کہیں اور بھٹک رہا ہو۔

ولی اور محمد میں چاہے کتنی ہی بحث کیوں نہ ہو جائے، وہ کبھی ایک دوسرے سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہتے تھے۔ اُن کا غصہ عارضی ہوتا تھا، مگر ایک دوسرے کے لیے محبت مستقل۔

البتہ گزشتہ رات مختلف تھی۔

شاید اُن کی زندگی کی سب سے تلخ اور سب سے سچی گفتگو۔

ولی رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ جب بھی آنکھیں بند کرتا، محمد کی آواز اُس کے کانوں میں گونجنے لگتی۔

''تم میں وفا نہیں ہے، ولی!''

وہ جملہ اب بھی اُس کے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح بج رہا تھا۔

محمد کی باتوں نے اُسے اندر تک جھنجھوڑ دیا تھا۔ پہلی بار کسی نے اُس کی کمزوریوں کو اتنی بے رحمی اور اتنی سچائی کے ساتھ اُس کے سامنے رکھا تھا۔

محمد نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔

اب وہ تیر نشانے پر لگا تھا یا نہیں، یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔

محمد خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس گفتگو کے بعد ولی کے اندر واقعی کوئی تبدیلی آئے گی یا نہیں۔

مگر ایک بات ضرور تھی۔ ولی اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔

اور شاید یہی کسی بھی تبدیلی کی پہلی علامت ہوتی ہے۔

''تم لوگ کسی اور شہر چلے جاؤ، مگر لاہور نہ جاؤ۔'' مسز ریان نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''لاہور کیوں نہ جائیں ہم؟'' محمد نے گردن موڑ کر پوچھا۔

''کیونکہ میں نے سنا ہے لاہور بڑا بے رحم ہے، وہ لوگوں کے دل توڑ دیتا ہے۔'' مسز ریان نے بڑے ہی اعتماد سے کہا۔

محمد اُن کی بات پر پھر سے ہنس دیا، مسز ریان مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

دو ہفتے بعد۔

ریان صاحب اور مسز ریان کسی ضروری کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جا چکے تھے۔ دوسری طرف یزمان آفریدی کا نکاح فہیم انصر سے ہو چکا تھا۔

ابراہیم انصر بھی یونیورسٹی سے اپنی ڈگری مکمل کرنے کے بعد اپنے والد اور بڑے بھائی کے ساتھ کاروبار میں شامل ہو گیا تھا۔

اُس کی ڈگری مکمل ہوئے ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے، مگر اِس مختصر عرصے میں اُس نے اپنی محنت اور صلاحیت کے بل بوتے پر کاروبار میں ایک مضبوط مقام بنالیا تھا۔

یزمان کی شادی کے بعد وہ اپنے نئے گھر منتقل ہو چکی تھی، اس لیے اب حنین ہی اکیلی تھی جو اپنے ممی بابا کے ساتھ اُس گھر میں رہتی تھی۔

ادھر محمد اور ولی بھی چند برسوں کے لیے اسلام آباد کو خیر آباد کہہ کر لاہور آ چکے تھے، کیونکہ اب اُن کی زندگی کا اگلا باب وہیں سے شروع ہونا تھا۔ مگر وہ دونوں اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ محمد اب کبھی دوبارہ اسلام آباد واپس نہیں جا سکے گا۔

لاہور پہنچنے کے بعد ولی محمد کو جس جگہ سب سے پہلے لے کر گیا، وہ حویلی ریسٹورنٹ تھا۔ ولی کو یہ ریسٹورنٹ بے حد پسند تھا، اس لیے وہ محمد کو بھی وہاں لائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہاں کچھ وقت گزارنے اور کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے مطلوبہ تعلیمی ادارے کی جانب روانہ ہوئے اور کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔

اوپر سے دیکھنے پر پورا تعلیمی کمپلیکس ایک چھوٹے سے خود مختار شہر کا منظر پیش کرتا تھا۔ درمیان میں کھڑی سرخ اینٹوں سے بنی یونیورسٹی کی عمارت اپنی سادہ مگر باوقار ساخت کے ساتھ سب کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ اس عمارت کے ماتھے پر لکھا "Muslim Hands" اس عمارت کی پہچان تھا۔ کشادہ راستے اور سرسبز درخت اُس کے گرد یوں پھیلے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت جب سورج کی سنہری کرنیں عمارت کی کھڑکیوں پر پڑتیں تو وہ دور سے کسی امید کی کرن کی مانند چمکنے لگتی۔

یونیورسٹی کے بائیں جانب میس ہال واقع تھا، جہاں دن کے مختلف اوقات میں طلبہ کی چہل پہل رہتی۔ یہ جگہ محض کھانے کے لیے نہیں بلکہ دوستیوں اور یادوں کی تشکیل کا مرکز بھی تھی۔

یونیورسٹی کے عین عقب میں سفید گنبدوں اور پُرسکون ماحول والی مسجد ایستادہ تھی۔ اذان کی آواز جب فضا میں گونجتی تو پورے کیمپس پر ایک روحانی سکون اتر آتا۔ کلاسوں کی مصروفیات، کھیلوں کا شور اور روزمرہ کی دوڑ دھوپ چند لمحوں کے لیے تھم سی جاتی، اور ہر طرف ایک عجیب سی طمانیت پھیل جاتی۔

دائیں جانب وسیع کھیل کے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ شام کے وقت کرکٹ اکیڈمی کے نیٹس میں گیند کے بلے سے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیتیں، فٹبال گراؤنڈ میں کھلاڑی پوری توانائی کے ساتھ دوڑتے دکھائی دیتے، جبکہ والی بال کورٹ پر نوجوانوں کا جوش و خروش الگ ہی منظر پیش کرتا تھا۔ قریب ہی جھولوں والا گراؤنڈ تھا جہاں ہنستے مسکراتے چہرے ماحول کو مزید زندہ کر دیتے۔

ان تمام میدانوں کے پیچھے ہاسٹلز کی سرخ رنگ کی اینٹوں سے بنی عمارتیں قطار در قطار کھڑی تھیں۔ ہر عمارت کے کنارے پر اُس کی پہچان کے طور پر نمبر لکھا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں دور دراز شہروں سے آئے طلبہ اپنے خوابوں کے ساتھ رہتے تھے۔ رات کے وقت جب کمروں کی روشنیاں جل اٹھتیں تو یوں محسوس ہوتا جیسے زمین پر ستاروں کی ایک بستی آباد ہو گئی ہو۔ کوئی امتحان کی تیاری میں مصروف ہوتا، کوئی دوستوں کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر

رہا ہوتا، اور کوئی خاموشی سے اپنے مستقبل کے سنہرے خوابوں میں گم ہوتا۔

یہ صرف ایک یونیورسٹی نہیں تھی، بلکہ علم، عبادت، محنت، دوستی اور خوابوں سے آباد ایک مکمل دنیا تھی، جہاں ہر عمارت، ہر راستہ اور ہر میدان اپنے اندر بے شمار کہانیاں سموئے ہوئے تھا۔

یہ ایک الگ دنیا تھی جسے چاروں طرف سے طویل دیوار نے گھیر رکھا تھی۔ مرکزی

گیٹ کے اوپر Muslim Hands کا نیلا لوگو نمایاں تھا۔ گلوب کے سامنے جڑے ہوئے ہاتھ اور اُس کے گرد لکھا" United For The Needy" اس ادارے کی پہچان تھے۔ جو بھی پہلی بار یہاں آتا، اُس کی نظر سب سے پہلے اسی نشان پر ٹھہرتی، گویا یہ لوگو خاموشی سے اس دنیا کا تعارف کروا رہا ہو۔ یہ ایک وسیع و عریض کمپلیکس تھا، جس کا نام تھا، Muslim Hands Educational Complex.

کمپلیکس کے وسیع احاطے میں قدم رکھتے ہی ولی نے گردن گھما کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہر طرف بلند عمارتیں، کشادہ سڑکیں اور ایک الگ ہی دنیا آباد تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اُس نے محمد کی طرف دیکھا۔

"کیا ہم زیادہ دن اس جگہ پر ٹِک پائیں گے؟" یہ پہلا سوال تھا جو اُس نے کمپلیکس میں قدم رکھتے ہی محمد سے پوچھا تھا۔

محمد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے سامنے پھیلی عمارتوں کی طرف دیکھا، پھر بڑے فخریہ انداز میں بولا،

"اب اس دروازے کو ہم ہمیشہ کے لیے تب ہی پار کریں گے، جب ڈگری کے چار سال مکمل ہو چکے ہوں گے۔"

اس وقت رات اپنا دامن پوری طرح پھیلا چکی تھی۔ کمپلیکس کے اطراف نصب بلند مصنوعی بلب سفید روشنی بکھیر رہے تھے، جس سے پورا ماحول یوں جگمگا رہا تھا جیسے اندھیرے کو یہاں داخل ہونے کی اجازت ہی نہ ہو۔

"تم کہہ رہے ہو کہ اب ہم اس جیل سے چار سال بعد ہی نکلیں گے؟" ولی نے چونک کر محمد کی طرف دیکھا۔

"ارے نہیں۔" محمد ہنس پڑا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ دن چار سال بعد آئے گا، جب ہمیں یہ کمپلیکس چھوڑنا ہو گا۔"

وہ دونوں آہستہ آہستہ ہاسٹل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

"اور دوسری بات یہ کہ ایسا کمپلیکس تمہیں پورے پاکستان میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا، اس لیے اسے جیل کہہ کر اس کی توہین مت کرو۔" یہ کہتے ہوئے محمد نے محبت سے اُس کے سر پر ایک ہلکی سی چپت لگائی۔

ولی نے دوبارہ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کشادہ راستے، بلند عمارتیں اور منظم ماحول واقعی کسی عام تعلیمی ادارے جیسا نہیں لگ رہا تھا۔

"ویسے... جیل واقعی اتنے خوبصورت تو نہیں ہوتے۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

محمد بے اختیار مسکرا دیا۔

چند قدم مزید چلنے کے بعد ولی نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"ویسے تمہیں اس جگہ کا کیسے پتا لگا تھا؟"

"یوٹیوب سے۔" محمد نے مختصر سا جواب دیا۔

اب وہ یونی ورسٹی کی عظیم الشان عمارت کے ساتھ سے گزرتی سڑک پر آ چکے تھے۔

ولی نے چلتے چلتے گردن اٹھا کر اُس بلند و بالا عمارت کو دیکھا۔ چند لمحے اُس کی نظریں وہیں ٹھہری رہیں، پھر وہ دوبارہ محمد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"باہر آنے جانے پر کسی قسم کی کوئی پابندی تو نہیں ہو گی؟" اُس نے اپنے دل کا خدشہ ظاہر کیا۔

محمد اُس کے بچکانہ سوال پر ہنس دیا۔

ولی نے پیشانی سکیڑ کر اُسے دیکھا، جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو کہ آخر اس نے ایسی کون سی بات کہہ دی تھی جس پر ہنسی آ گئی۔

محمد نے ہنسی دباتے ہوئے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تم اب یونی ورسٹی کے اسٹوڈنٹ بن چکے ہو۔ تمہیں کوئی زبردستی باندھ کر اس چار دیواری میں نہیں رکھ سکتا۔''

بات کرتے کرتے وہ مسجد کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ولی نے سرسری سی نظر مسجد پر ڈالی اور پھر محمد کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے تب بھی کوئی نہیں روک سکتا تھا، جب میں اسکول کا اسٹوڈنٹ تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے بڑے فخریہ انداز میں اپنا خیالی کالر جھاڑا۔

محمد نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اُسے گھورا۔

''بس بس... اور ایکٹنگ مت کرو۔'' اگرچہ اُس کے چہرے پر سختی تھی، مگر آنکھوں میں چھپی

ہنسی صاف بتا رہی تھی کہ وہ صرف اُسے چھیڑ رہا ہے۔

ولی نے ناک سے دو تین گہری سانسیں اندر کھینچیں، پھر پوری سنجیدگی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' ایک لمحے کی خاموشی کے بعد دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

ولی جانتا تھا کہ محمد اُن لوگوں میں سے نہیں تھا جو اُس سے حسد کرتا۔ وہ تو صرف اُسے چھیڑنے کے لیے یہ سب کہہ رہا تھا، اور محمد بھی اُس کی اس حرکت کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد وہ اپنے مطلوبہ ہاسٹل پہنچ گئے۔ اُن دونوں کے ہاسٹل کا نمبر دس اور روم کا نمبر ایک تھا۔ اس کمپلیکس میں ہاسٹلز اور کمروں کی پہچان ناموں سے نہیں بلکہ نمبروں سے کی جاتی تھی۔

ہاسٹل تقریباً خالی تھا۔ غالباً زیادہ تر طلبہ عشاء کی نماز کے لیے مسجد جا چکے تھے، اسی لیے راہداریوں میں غیر معمولی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔

دونوں نے اپنا سامان نکال کر کپ بورڈ میں رکھنا شروع کر دیا۔ محمد نے اپنے شوز اتار کر ریک میں

رکھے، تازہ وضو کیا اور بغیر وقت ضائع کیے کمرے سے نکل گیا، جبکہ ولی کپڑے تبدیل کرنے اور فریش ہونے کے لیے باتھ روم میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو کمرہ ویسے ہی خاموش پڑا تھا۔ محمد ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

ولی نے ٹراؤزر پر ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بالوں اور ٹھوڑی سے پانی کے ننھے ننھے

قطرے اب بھی ٹپک رہے تھے۔ اُس نے تولیے سے بالوں کو ایک بار بے ترتیبی سے جھاڑا، پھر دروازہ بند کر کے ہاسٹل سے باہر نکل آیا۔

اُسے اندازہ تھا کہ محمد اس وقت میس ہال ہی میں ہو گا، اس لیے وہ بھی اُسی طرف چل پڑا۔

وہ ابھی مسجد کے قریب سے گزر ہی رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک پُرسکون مگر قدرے

بلند آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''بات سنو!''

ولی کے قدم بے اختیار رک گئے۔ اُس نے چونک کر پلٹ کر دیکھا۔

مسجد کے دروازے کے قریب چند لڑکوں کا ایک چھوٹا سا حلقہ بنا ہوا تھا، اور اُن سب کے درمیان ایک شخص کھڑا سیدھا اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

آواز بھی اُسی نے دی تھی۔

''آپ نے مجھے پکارا ہے؟'' ولی نے اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں جی۔'' اُنہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں گردن ہلائی۔

اُن کے جواب کے ساتھ ہی وہاں کھڑے باقی لڑکوں کی نظریں بھی ولی پر جم گئیں۔

کمپلیکس کی مسجد عین درمیان میں واقع تھی۔یہی وجہ تھی کہ چاہے کسی کو یونی ورسٹی جانا ہوتا یا میس ہال، تقریباً ہر راستہ مسجد کے پاس سے ہی گزرتا تھا۔

اگر میس ہال تک جانے کا کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو شاید ولی کبھی اس طرف نہ آتا، مگر اب یہ راستہ اُس کی روزمرہ زندگی کا حصہ بننے والا تھا۔

وہ وہیں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

سامنے کھڑا شخص چھوٹے چھوٹے، نہایت متوازن قدم اٹھاتے ہوئے اُس کی طرف بڑھنے لگا۔چلنے سے پہلے وہ اپنے ارد گرد کھڑے تمام لڑکوں کو میس ہال جانے کا اشارہ کر چکے تھے، اس لیے وہ سب خاموشی سے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

چند ہی لمحوں میں مسجد کے دروازے کے سامنے صرف وہ دونوں رہ گئے۔

اُن کی چال میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔قدم اس نرمی سے زمین پر پڑتے کہ اُن کی آہٹ بھی سنائی نہ دیتی تھی۔

غالباً وہ مسجد کے امام تھے، مگر اُن کی شخصیت عام تصور کیے جانے والے اماموں سے خاصی مختلف تھی۔

نہ سر پر بڑا سا عمامہ تھا، نہ لمبی گھنی داڑھی، نہ روایتی سفید کرتا۔اُنہوں نے سادہ لباس پہن رکھا تھا، جبکہ سر پر صرف ایک گول سفید ٹوپی تھی۔

وہ خاصے نوجوان تھے۔عمر بمشکل تیس یا بتیس برس معلوم ہوتی تھی۔چہرے پر ہلکی، نفاست سے تراشی ہوئی داڑھی تھی جو اُن کے روشن اور بھرے ہوئے چہرے پر خوب جچ رہی تھی۔آنکھوں کی پلکیں قدرتی طور پر ہلکی سی مڑی ہوئی تھیں، جس سے اُن کی نگاہ میں غیر معمولی نرمی محسوس ہوتی تھی۔اور اُن کے ہاتھ...

ولی کی نظر بے اختیار اُن کے ہاتھوں پر ٹھہر گئی۔

انگلیاں غیر معمولی طور پر متناسب، صاف ستھری اور بھری ہوئی تھیں۔نجانے کیوں، اُن کی شخصیت کی ہر چیز میں ایک عجیب سی نفاست محسوس ہوتی تھی۔

وہ ولی کے سامنے آ کر رک گئے۔

''میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

ولی اُنہیں خاموشی سے دیکھتا رہ گیا۔اُس کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھر آئی تھی۔

عام طور پر مذہبی لوگوں کے ساتھ اُس کا رویہ زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا تھا۔نہ جانے کیوں، وہ اُن سے غیر محسوس سی جھجھک اور الجھن محسوس کرتا تھا۔

لیکن اس شخص کے ساتھ معاملہ مختلف تھا۔

نہ دل میں گھبراہٹ تھی، نہ بے زاری...

بلکہ ایک انجانی سی اپنائیت تھی، جس کی وجہ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

اُنہوں نے گفتگو کا سلسلہ خود ہی آگے بڑھایا۔

''کھانا کھایا؟''

''میں... وہیں جا رہا تھا۔''ولی نے میس ہال کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

اُس کی نظریں اب بھی اُن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ بے اختیار اُنہیں پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تم آج کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے۔''

ولی چند لمحے اُنہیں بغیر پلک جھپکائے دیکھتا رہا۔

آخر اُس سے رہا نہ گیا۔

''کیا ہم کہیں مل چکے ہیں؟''

''نہیں۔'' مختصر... صرف ایک لفظ۔

''مگر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔'' ولی نے بے ساختہ کہا۔

''اگر تمہیں ایسا لگ رہا ہے...'' اُنہوں نے آسمان کی طرف ایک سرسری نگاہ اٹھائی۔

''...تو یقیناً ہم پھر مل چکے ہیں، شاید اُس دنیا میں... جہاں روحیں ملتی ہیں۔'' ولی چند لمحے خاموش رہا۔

''یہ کیسا احساس ہے...؟'' اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''مجھے اس انسان سے اتنی اپنائیت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟''

''نام کیا ہے تمہارا؟'' اچانک سوال سن کر وہ چونکا۔

''عجیب انسان ہے۔ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا... اور اب نام پوچھ رہے ہیں۔'' یہ خیال اُس کے دل میں خاموشی سے ابھرا۔

''نام بتاؤ، برخوردار۔'' اُنہوں نے نرمی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ہلکے سے لمس نے جیسے اُسے خیالوں کی دنیا سے واپس کھینچ لیا۔

''ولی۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''صرف ولی؟'' اُنہوں نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''ولی محمد، ولد ریان خان آفریدی۔'' اس مرتبہ اُس نے پورا تعارف دیا۔

''ولی محمد...'' اُنہوں نے آہستگی سے اُس کا نام دہرایا، جیسے ہر لفظ کو محسوس کر رہے ہوں۔

''کیا مطلب ہے تمہارے نام کا؟''

''یہ تو نہیں معلوم۔'' ولی نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔

''ولی محمد... یعنی محمد کا دوست۔'' اُنہوں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ولی نے پہلی بار اپنے نام کا مطلب سنا تھا، مگر اُس کے چہرے پر خوشی یا حیرت کا کوئی خاص تاثر نہیں آیا۔

''بہت اچھا نام ہے۔'' اُنہوں نے خلوص سے کہا۔

''تم واقعی حضرت محمد ﷺ کے دوست ہو؟''

اس سوال پر ولی کے چہرے کے زاویے معمولی سے بدل گئے۔ وہ ایک لمحہ اُنہیں دیکھتا رہا۔

''نہیں۔'' اس کا جواب دوٹوک تھا۔

اُن کے چہرے پر حیرت کا شائبہ تک نہ آیا۔

وہ بس پہلے کی طرح ہلکا سا مسکرا دیے، جیسے انہیں اسی جواب کی توقع ہو۔

''میرے پیچھے آؤ۔'' وہ اسے اتنا کہہ کر مڑ گئے۔

ولی نے ایک لمحہ اُنہیں دیکھا، پھر بغیر کسی سوال کے خاموشی سے اُن کے پیچھے چل پڑا۔

چند قدم چلنے کے بعد اُس سے رہا نہ گیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''قاری ذیشان عزیز۔''

اُنہوں نے بغیر پلٹے، اسی دھیمے اور پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔

''قاری ذیشان عزیز...'' ولی نے زیرِ لب اُن کا نام دہرایا۔

نجانے کیوں، یہ نام بھی اُسے ویسا ہی مانوس محسوس ہوا جیسا اُس شخص کا وجود۔

وہ خاموشی سے اُن کے پیچھے چلنے لگا۔

★。° ✦ °。★

''سر! کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟'' اُس نے ذیشان صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی پوچھیں۔'' اُنہوں نے مسکرا کر کہا۔

''تم وفادار نہیں ہو ولی!'' اُس کے دماغ میں محمد کا کہا فقرہ گونجا۔

''وفا کیا ہوتی ہے؟'' اُس نے سر جھکا کر اُن سے پوچھا۔

ولی کا سوال سن کر ذیشان صاحب ہولے سے مسکرا دیے۔

ولی اس وقت ذیشان صاحب کے روم میں موجود تھا، کچھ دیر پہلے ہی ذیشان صاحب نے دستر خوان اٹھایا تھا کہ وہ اب کھانا کھا چکے تھے۔ ذیشان صاحب نیچے بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے جس وجہ سے ولی کو بھی اُن کے ساتھ نیچے ہی بیٹھنا پڑا تھا اگرچہ وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

''کیا تم نے کسی سے بے وفائی کی ہے؟'' اُنہوں نے ولی کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''محمد مجھے کہتا ہے کہ میں بے وفا ہوں۔'' اُس نے دو ٹوک جواب دیا۔

''اور اس نے ایسا کیوں کہا؟'' اُنہوں نے پھر سے سوال کیا۔

قاری ذیشان عزیز، محمد سے مسجد میں مل چکے تھے اس لیے انہیں ذرا بھی سمجھنے میں مشکل نہیں ہوئی کہ وہ کس محمد کی بات کر رہا ہے۔

''وہ کہتا ہے کہ جو اپنے خدا کا نہ ہوا وہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔'' ولی کا سر مزید جھک گیا۔

''ہمم۔'' اُنہوں نے بس اتنا کہا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے یوں کہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور دونوں ٹانگوں سے آلتی پالتی کر لی۔

ولی نے ایک لمحہ سر اٹھا کر اُنہیں دیکھا جو آنکھیں بند کیے ہوئے تھے، اُن کے چہرے پر زمانے بھر کا سکون تھا۔

''وفا!'' ذیشان صاحب کے لب ہلکے سے ہلے جنہیں ولی نے باخوبی نوٹ کیا۔

''وفا وہ صفت ہوتی ہے کہ آپ محبت، اعتماد اور اپنے کیے گئے وعدوں کو بُرے سے بُرے حالات میں بھی نبھاتے ہیں، اُنہیں توڑتے نہیں ہیں۔'' اُن کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔

''وفا صرف ساتھ رہنے کا نام نہیں ہے، بلکہ وفا اس صفت کا نام ہے کہ تم چاہے کتنا ہی سامنے والے کو تکلیف پہنچالو مگر وہ پھر بھی تمہارا ہی ساتھ دے، تمہاری ہی مدد کرے، تمہارا ہی بھلا چاہے۔'' ولی چپ چاپ اُنہیں سننے لگا تھا۔

''جس شخص میں وفا ہوتی ہے وہ اپنے وعدوں کا پکا ہوتا ہے، وہ کبھی بھی بغاوت نہیں کرتا، وہ انسان کسی دوسرے کے کہنے پر باغی نہیں ہوتا۔'' اُنہوں نے اب آنکھیں کھول لیں تھی۔

''مگر اس سب کا خدا سے کیا تعلق؟'' اگر محمد اس وقت یہاں ہوتا تو ولی کے منہ سے خدا کے بارے میں سوال سن کر حیران ضرور ہوتا۔

''وفا، محبت، اخلاص۔ بنیادی طور پر ان سب کا تعلق خدا سے ہی ہے۔'' وہ اب ذرا آگے کو ہو بیٹھے تھے۔

''مگر میں تو ہر شخص سے پوری پوری وفا کرتا ہوں، ہر انسان سے کیا وعدہ نبھاتا ہوں، جس سے محبت کرتا ہوں اس سے سچی محبت کرتا ہوں۔'' اب کی بار وہ بولا تو اس کی آواز میں ایک اعتماد تھا۔

''سب سے پہلے وفا، محبت اور اخلاص کا تعلق خدا سے ہے۔ پھر اس کے بعد کوئی اور آتا ہے۔''

''اور اگر میں خدا کو چھوڑ کر باقیوں سے وفا کروں تو کیا یہ وفا نہیں کہلائے گی؟'' اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔

''تمہاری محبت اور وفا پر جس کا سب سے پہلا حق ہے اگر تم اُسے ہی پیچھے کر دو گے تو شاید تم وفا کرنے والوں کے زمرے میں نہیں آتے ہو۔''

پچھلے کئی دنوں سے ولی کا ضمیر اُسے بار بار جھنجھوڑ رہا تھا، مگر وہ اپنی ہار تسلیم کرنے پر بالکل بھی راضی نہیں تھا۔ محمد نے اس کی انا کو زخمی کیا تھا، اب بات اس کی انا پر آ پہنچی تھی۔ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کا دل ایک پل کے لیے بھی چین نہیں پا رہا تھا۔

''جو خدا نظر ہی نہیں آتا، جو محسوس ہی نہیں ہوتا اس سے کوئی کیسے محبت کر سکتا ہے؟'' ولی زچ ہونے لگا تھا، اُس کے اندر غصے نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

''آئے گا، نظر بھی آئے گا اور محسوس بھی ہو گا۔'' وہ ولی کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائے۔

''مگر خدا کو ہماری محبت اور وفا کی کیا ضرورت ہے؟'' اس کے ماتھے پر بل پڑنے لگے تھے۔

''اِسے ضرورت ہے اُس کی محبت کی۔'' اُنہوں نے اس کے دل کے مقام پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''لوگ اس دل کے سکون کو حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے، کوئی اپنے نفس کی غلامی کرتا ہے، کوئی شیطان کی پیروی کرتا، کوئی نشوں اور حرام کاموں کو اپنا لیتا ہے مگر۔'' وہ ولی کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

''مگر اُنہیں سکون پھر بھی نہیں ملتا، جو سکون اُنہیں وہ سب کام کر کے ملتا ہے وہ بس ایک چھلاوا ہے، ایک دھوکہ جو چند لمحوں کے لیے ہوتا ہے۔''

''تو پھر دل کا سکون مستقل طور پر کس چیز میں ہے؟'' وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔

''خدا کے ذکر میں۔'' اُنہوں نے بس اتنا ہی کہا۔

ایک لمحہ کے لیے ولی کو اُن کی بات پر یقین نہیں ہوا، مگر پھر جب اسے اُن کے چہرے پر اطمینان یاد آیا، اُن کا اتنا پر سکون رہنا یاد آیا، اس وقت اس کے دل نے دور کہیں یہ قبول کیا کہ شاید وہ سچ کہہ رہے تھے۔

وہ اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا، اُس کا دل تو مزید بے سکونی میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔ اب تک اسے کوئی ایسا جواب نہیں ملا تھا جو اس کے دل کو سکون دے پاتا، نہ ہی اس کا دماغ یہ تسلیم کر رہا تھا کہ جو کچھ وہ آج تک کرتا آیا ہے وہ سب ٹھیک تھا۔

پہلی بار پچھلے دو ہفتوں سے اس کا دل اتنا بے چین ہوا تھا، پہلی بار اس کا دماغ اس کے خلاف جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اُن سے دل کو پر سکون کرنے کا کوئی اور حل مانگے مگر وہ نہیں یہ پوچھ سکا۔

''میں نے سنا ہے خدا سزا بھی دیتا ہے۔'' ولی زیرِ لب بڑبڑایا۔

''تمہیں ڈرے ہوئے نے ڈرا دیا، ورنہ خدا تو کچھ نہیں کہتا۔۔۔ وہ تو پیار کرتا ہے۔''

ذیشان صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ولی اُن کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہاں بیٹھے بیٹھے اُس کا دم گھٹنے لگا تھا، وہ چپ چاپ اٹھا اور وہاں سے سیدھا باہر آ گیا۔ کھلے آسمان تلے اُس نے اوپر کی طرف چہرہ کیا اور آنکھیں بند کر کے گہری سانس اپنے اندر کھینچی اور پھر اُسے منہ کے ذریعے آزاد کیا۔

''یہ سب لوگ مل کر تم سے تمہاری ہستی بستی دنیا چھیننا چاہتے ہیں۔'' اُس کے بائیں کان میں اچانک کسی نے سرگوشی کی۔

''وہ بالکل صحیح کہہ رہا۔'' اس کے دل میں بھی ایک خیال اُبھرا۔

نفسِ امارہ نے شیطان کی کہی گئی بات کا ساتھ دیا تھا۔ اُس نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''یہ تمہیں گمراہ کر رہے ہیں۔'' نفسِ لوامہ نے ملامت کی مگر اس کی آواز فوراً دب گئی۔

ولی نے اچانک سر جھٹکا اور آنکھیں کھول کر سیاہ آسمان پر چھوٹے چھوٹے ستاروں کو دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں اٹھتے سوال اور دل میں ہونے والی تمام سرگوشیاں دم توڑ گئیں۔ ولی کے دل پر شیطان اور اس کے نفس نے اپنے پنجے گاڑھ رکھے تھے وہ کیسے اتنی آسانی سے اُسے راہِ راست پر آنے دے سکتا تھا۔

پچھلے دو ہفتوں سے وہ ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ وہ بار بار اپنے آپ کو یقین دلواتا کہ محمد غلط کہہ رہا ہے۔ وہ بس اس پر ایک الزام لگا رہا ہے، مگر یہ سب سوچتے ہوئے اس کا سر درد سے پھٹنے لگتا تھا۔ اس کی راتوں کی نیند اور دن کے چین کہیں کھو گیا تھا، اس کی شخصیت اندر سے ہل کر رہ گئی تھی۔

★。゜ ✦ ゜。★

ایک ہفتے بعد۔

رات کافی ڈھل چکی تھی۔ آسمان پر آج چاند کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، صرف تاریکی تھی جو ہر طرف خاموشی سے پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے نرم جھونکے لان میں رکھے پودوں کو ہولے ہولے جنبش دے رہے تھے۔ ارحم صاحب، مسز ارحم اور حنین حسبِ معمول کھلے آسمان تلے لان میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

حنین نے بالوں کا ہلکا سا رف جوڑا بنا رکھا تھا جبکہ دوپٹہ بے فکری سے ایک کندھے پر ڈھلا ہوا تھا۔ ہلکے سبز رنگ کا سوٹ اس کی رنگت کو مزید نکھار رہا تھا اور آنکھوں پر لگا وہی گول فریم والا چشمہ اس کی شخصیت کو ایک الگ ہی وقار دے رہا تھا۔

یزمان کی شادی کے بعد سے ان تینوں کا رات کو لان میں اکٹھے بیٹھ کر چائے پینا ایک معمول بن گیا تھا۔ یزمان کے رخصت ہونے کے بعد گھر پہلے جیسا آباد نہیں رہا تھا۔ ہر کمرے میں جیسے ایک خاموشی اتر آئی تھی، اور شاید یہی چند لمحے تھے جب وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر اس ویرانی کو کچھ دیر کے لیے بھلا دیتے تھے۔

''تمہاری کلاسز کیسی جا رہی ہیں؟'' اُنہوں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''ابھی تک تو اچھی جا رہی ہیں بابا!'' اس نے بھی بشاشت سے جواب دیا تھا۔

''پرسوں چھٹی کر سکتی ہو؟'' وہ اُسے دیکھنے لگے۔

''خیریت؟'' اُس نے ذرا ابرو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''لاہور جانا ہے۔'' اس دفعہ مسز ارحم، حنین سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''ایسے اچانک؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ہاں جی! مجھے اچانک ایک کام آ گیا ہے اس لیے سوچا کہ تم لوگوں کو بھی ساتھ لے چلوں، اسی بہانے ایک چھوٹا سا ٹرِپ ہو جائے گا۔'' ارحم صاحب کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، ایک ٹانگ دوسری پر رکھے اطمینان سے بیٹھے تھے۔

ابھی اُن کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ گیٹ کے باہر گاڑی کے ہارن کی آواز گونجی۔ حنین اس ہارن کو بخوبی پہچانتی تھی۔ آواز سنتے ہی اس کے چہرے پر بے اختیار ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی جبکہ باقی سب کی نظریں بھی گیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔

گارڈ نے جیسے ہی گیٹ کھولا، سیاہ رنگ کی Dodge آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئی۔ گاڑی کو دیکھتے ہی ارحم صاحب اور مسز ارحم کے چہروں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہیلو آنٹی!'' وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر ہاتھ ہلاتا ہوا سیدھا لان کی طرف بڑھا۔

''ہیلو ولی!'' مسز ارحم نے بھی مسکرا کر جواباً ہاتھ ہلا دیا۔

ہارن کی آواز سنتے ہی حنین فوراً اپنا دوپٹہ سر پر لے چکی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس وقت آنے والا کون ہے۔

''ہیلو انکل!'' ولی نے قریب آ کر ارحم صاحب سے ہاتھ ملایا۔ جواباً ارحم صاحب نے بھی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

''السلام علیکم!'' ولی کے عین پیچھے محمد بھی کھڑا تھا۔

''وعلیکم السلام بیٹے!'' مسز ارحم اور ارحم صاحب نے بلند آواز میں جواب دیا جبکہ حنین نے دھیرے سے زیرِ لب سلام کا جواب دیا۔

''کیسی ہو حنین؟'' ولی کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی طرف متوجہ ہوا۔

اسی دوران محمد بھی ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ آج محمد نے سادہ شلوار قمیض پہن رکھی تھی جبکہ ولی حسبِ معمول اپنی وہی پھٹی ہوئی جینز پہنے ہوئے تھا۔

''بالکل ٹھیک، آپ لوگ بتاؤ کیسا جا رہا ہے ہاسٹل کا ایکسپیرئنس؟'' حنین کے چہرے سے اس وقت خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

''یہ کس کی بلی اٹھائے پھر رہے ہو؟'' اس سے پہلے کہ ولی کچھ کہتا، مسز ارحم کی نظر محمد کے ہاتھوں میں موجود ننھی سی بلی پر پڑ گئی۔

محمد اور ولی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

''یہ میں لاہور سے آتے ہوئے حنین کے لیے چھوٹا سا گفٹ لایا ہوں۔'' ولی نے محمد کے ہاتھوں سے بلی لیتے ہوئے کہا۔

''میرے لیے؟'' حنین، ولی کی بات سن کر خوشی سے چہک اٹھی۔

''ہاں جی!'' یہ کہتے ہوئے ولی نے بلی اس کی طرف بڑھادی۔

حنین نے نرمی سے بلی کو اپنی گود میں لیا اور محبت سے اس کے نرم نرم بال سہلانے لگی۔ابتدا میں وہ ننھی بلی بار بار اس کی گود سے نکلنے کی کوشش کرتی رہی، مگر چند لمحوں بعد شاید اسے بھی حنین کی آغوش کا سکون محسوس ہونے لگا تھا،اس لیے وہ خاموشی سے سمٹ کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر تک ہنسی مذاق، باتوں اور چائے کا سلسلہ چلتا رہا۔پھر رات مزید گہری ہونے لگی تو سب

اندر آ گئے۔ولی اور محمد کو بھی آج وہیں رکنا تھا کیونکہ ریان صاحب ابھی تک بیرونِ ملک سے واپس نہیں لوٹے تھے۔ہاسٹل کی زندگی کا یہ اُن کا پہلا ویک اینڈ تھا،اسی لیے دونوں اسلام آباد چلے آئے تھے۔

★。° ✦ °。★

''تم اپنے آپ سے بھاگ رہے ہو۔'' تین ہفتے پہلے کہے گئے الفاظ ولی کے کانوں میں گونجنے لگے۔

''تم وفا سے محروم ہو۔'' محمد کی آواز اکثر اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔

وہ اس وقت کہاں تھا وہ نہیں جانتا تھا۔اس نے خود کو ایک سنسان میدان میں کھڑا پایا۔چاروں طرف دھند ہی دھند تھی۔ہوا میں عجیب سی سرد مہک گھلی ہوئی تھی۔دور کہیں کسی کی مدھم آواز اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی،

مگر ہر بار جب وہ اس آواز کی سمت بڑھتا، وہ اور بھی دور چلی جاتی۔

پھر دھند کے بیچ ایک سایہ نمودار ہوا۔آہستہ آہستہ وہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ہر قدم کے ساتھ زمین جیسے اس کے قدموں کے نیچے سے سرک رہی تھی۔اس نے پیچھے ہٹنا چاہا، مگر جسم پتھر کا ہو چکا تھا۔

سایہ اب صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا۔اس کی آنکھیں اندھیرے میں دہکتے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔اچانک اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا...

''کون ہو تم؟'' اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

''کب تک اپنے آپ سے بھاگو گے؟'' اس نے بس اتنا کہا اور وہ غائب ہو گیا۔

وہ آواز اُسے جانی پہچانی لگی۔وہ آواز محمد کی تھی یا شاید وہ کسی اور کی آواز تھی۔وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

پھر اچانک اس کا جسم ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔وہ ہوا میں تیرتا ہوا اوپر کی طرف جانے لگا تھا۔وہ

مسلسل اوپر کی طرف دیکھ بھی رہا تھا اور پھر ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''

اُس نے دیکھا کہ چھوٹی سی روشنی اس کی طرف آ رہی تھی مگر کوئی سیاہی اُسے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔وہ سیاہ طاقت اس روشنی کے آڑے آ رہی تھی۔

پھر وہ اچانک سے نیچے گرنے لگا اور اس کا جسم زور سے زمین سے ٹکرایا۔

وہ بری طرح چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔پیشانی پسینے سے بھیگ

چکی تھی۔چند لمحوں تک وہ خالی نظروں سے اندھیرے کو تکتا رہا، جیسے ابھی بھی خواب اور
حقیقت کے درمیان کہیں بھٹک رہا ہو۔
اس نے پہلے کمرے کا بلب روشن کیا اور پھر اس نے لرزتے ہاتھ سے بستر کے پاس
رکھا پانی کا جگ اٹھایا اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔ مگر انگلیوں کی کپکپاہٹ اتنی شدید تھی کہ آدھا پانی چادر پر چھلک گیا۔
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سیاہی... ابھی بھی کمرے کے کسی کونے میں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

★。° ✦ °。★

''میں نے رات کو بہت عجیب خواب دیکھا۔'' اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے جبکہ نظریں مسلسل سڑک پر مرکوز تھیں۔

''کیسا خواب؟'' محمد نے گردن موڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

'' آسمان پر کوئی روشنی تھی بالکل ایک چھوٹے ستارے جیسی۔اُس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔وہ مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔'' ولی کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف نمایاں تھے،
جیسے وہ ابھی تک اس خواب کے اثر سے باہر نہ نکلا ہو۔

''اور؟'' محمد نے بے تابی سے پوچھا۔

عصر کا وقت تھا۔وہ اسلام آباد سے واپس لاہور کے لیے روانہ ہو چکے تھے کیونکہ اگلے دن سوموار تھا اور یونی ورسٹی جانا تھا۔لمبا سفر طے کرنے کے بعد وہ اب تقریباً لاہور کی حدود میں داخل ہونے والے تھے۔گاڑی کے اندر ہلکی سی خاموشی تھی جسے صرف انجن کی مسلسل گونج توڑ رہی تھی۔

''اور یہ کہ اس روشنی کو کوئی سیاہی چھپا رہی تھی۔'' وہ بدستور سڑک پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔اس کی آواز میں ایک انجانا خوف چھپا ہوا تھا۔

''پھر اس کے بعد؟'' محمد ذرا ترچھا ہو کر بیٹھ گیا، جیسے وہ خواب کی ہر تفصیل اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہتا ہو۔

''پھر میں نیچے گر گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔'' ولی نے بے بسی سے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔

محمد خاموش ہو گیا۔خواب اگرچہ ادھورا تھا، مگر اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ اس کے اشاروں کو سمجھ سکے۔وہ ذہن ہی ذہن میں ولی کے بیان کیے گئے ٹکڑوں کو ایک پہیلی کی مانند جوڑنے لگا۔

''محمد!'' ولی نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

''ہوں؟'' محمد نے پھر نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''پچھلے کئی دنوں سے میں ٹھیک سے سو نہیں پا رہا ہوں۔'' اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

محمد بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔اس کی آنکھوں میں تشویش اتر آئی تھی۔وہ جانتا تھا کہ ولی کی اس کیفیت کے پیچھے کہیں نہ کہیں وہ ہی ذمہ دار تھا۔

''میرے کانوں میں تمہاری آوازیں گونجتی ہیں۔'' وہ جب بولا تو اس کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ
گہری اور بوجھل تھی۔

''مجھے معاف کر دو ولی!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد محمد بولا تو اس کے لہجے میں درد نمایاں تھا۔

''تم معافی مت مانگو، بس اتنا کہہ دو کہ اس رات تم نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔'' ولی نے پہلی بار گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''اس رات میں نے جو کچھ کہا وہ سب سچ تھا ولی!'' محمد نے یہ کہتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

اس کے لہجے میں شرمندگی بھی تھی اور بے بسی بھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ولی اس کی باتوں کے بوجھ تلے ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جائے، مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایک ایسی راہ پر چلتا رہے جس کا انجام اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

محمد کے منہ سے وہ الفاظ سن کر ولی نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کسی نے اس کے دل پر ایک اور ضرب لگا دی ہو۔ وہ محمد کی باتوں کو ماننا بھی نہیں چاہتا تھا اور اُنہیں مکمل طور پر جھٹلا بھی نہیں پا رہا تھا۔ یہی کشمکش شاید اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ پوری دنیا بس اس ایک خدا کے گرد ہی گھومتی ہے جس کے ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہے؟'' ولی نے اب کی بار آنکھیں کھولیں تو ان میں سرخی نمایاں تھی۔

''نہیں۔'' محمد نے مختصر سا جواب دیا۔

''پوری دنیا ہمارے اندر بیٹھے نفس امارہ کے گرد گھومتی ہے جو ہمیں اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہے۔'' وہ جب بولا تو اس کی آواز میں ایسی سچائی تھی جس نے چند لمحوں کے لیے گاڑی کے اندر ایک عجیب سی خاموشی طاری کر دی۔

ولی اس کی بات سن کر خاموش رہا۔ شاید دونوں ہی جانتے تھے کہ یہ بحث اب کسی نتیجے تک نہیں پہنچے گی۔ اسی لیے محمد نے بھی مزید کچھ نہ کہا۔

کافی دیر تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ صرف سڑک پر دوڑتے ٹائروں کی آواز اور باہر گزرتی ہوا کا شور سنائی دیتا رہا۔ پھر اچانک ولی نے ایک بڑے شوروم کے سامنے گاڑی کی رفتار کم کی اور بریک لگا دی۔

محمد نے پہلے حیرت سے ولی کی طرف دیکھا، پھر گاڑی سے باہر نظریں دوڑائیں۔ ولی بغیر کچھ کہے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور ہاتھ کے اشارے سے محمد کو بھی باہر آنے کا کہا۔

چند لمحے پہلے تک جو بوجھل فضا ان کے درمیان حائل تھی، وہ اب کافی حد تک ہلکی ہو چکی تھی۔ دونوں کی دوستی ہی کچھ ایسی تھی۔ پل بھر میں تلخ بحث کر لیتے اور اگلے ہی لمحے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''ہم یہاں کیا لینے آئے ہیں؟'' محمد نے ولی کو شوروم کے اندر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے چلتے ہوئے پوچھا۔

''ہم یہاں تمہارے لیے ایک عدد ہیوی بائیک لینے آئے ہیں۔'' وہ آگے آگے چلتے ہوئے بولا۔

''مگر کیوں؟'' محمد تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا اس کے عین برابر آ گیا۔

''کیونکہ میرا من کیا کہ تمہارے پاس ایک ہیوی بائیک ہو۔'' ولی نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے۔

وہ اب تک شوروم کے اندر آ چکے تھے۔ محمد نے بھی پھر دوبارہ کوئی بات نہیں کی۔ جیسے ہی وہ شوروم کے اندر داخل ہوئے، سامنے رکھی سیاہ اسپورٹس بائیکس نے بے اختیار ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ ان کی باڈی پر پڑتی سفید روشنی ان کی نفاست کو اور نمایاں کر رہی تھی۔ ولی نے قریب جا کر ایک نظر بائیک پر ڈالی، جبکہ محمد خاموشی سے اس کے ساتھ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر تک مختلف بائکس کا بغور معائنہ کرنے کے بعد آخر کار اُن کی نظر CFMOTO 450SR-S پر جا ٹھہری۔ مختصر سی مشاورت کے بعد اُنہوں نے وہی بائیک خرید لی۔

شوروم سے باہر نکلتے ہوئے ولی نے ایک نظر نئی بائیک پر ڈالی تو اُس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ محمد نے چابی گھمائی تو انجن کی گونج نے دونوں کے دلوں میں ایک عجیب سا جوش بھر دیا۔ چند لمحے بعد محمد اپنی نئی بائیک پر جبکہ ولی اپنی سیاہ Dodge میں سوار اپنے ہاسٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہاسٹل پہنچتے پہنچتے شام ڈھل چکی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دونوں نے اپنے جوتے ایک طرف رکھے، ضروری سامان سمیٹا اور تھکن سے چور ہو کر اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے۔ پورے دن کی تھکاوٹ نے اُن کے جسم کو بری طرح نڈھال کر دیا تھا، اس لیے باتیں کرنے کی ہمت بھی نہ رہی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی اور چند ہی لمحوں بعد دونوں نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

یہ سوموار کی صبح کا وقت تھا۔ گھڑی تقریباً دس بجا رہی تھی۔ حنین نے آج ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اتوار کی رات سے اس کا دل عجیب سی بے چینی میں مبتلا تھا۔ وہ بار بار اس بے نام احساس کو جھٹکنے کی کوشش کرتی، مگر ہر بار دل کی گھبراہٹ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ لوٹ آتی۔

آج اس نے آف وائٹ رنگ کا خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں کی ذرا اونچی پونی ٹیل بنائی ہوئی تھی اور آنکھوں پر ہمیشہ رہنے والے چشمے کی جگہ آج لینز نے لے لی تھی۔

اُنہیں آج لاہور جانا تھا، اس لیے وہ خوش بھی تھی، مگر دل میں چھپی وہ انجانی سی بے چینی بار بار اس کی خوشی پر سایہ ڈال رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہو۔

''ہانی! جلدی نیچے آؤ۔'' مسز ارحم کی آواز نیچے ہال سے آئی۔ اب انہیں لاہور کے لیے روانہ ہونا تھا۔

حنین اس وقت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی آخری بار خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی کہ ماں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

اس نے جلدی جلدی بیڈ پر بکھرا ہوا سامان سمیٹا، عبایا ہاتھ میں اٹھایا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ایک ہاتھ میں اس کا عبایا تھا جبکہ دوسرے ہاتھوں میں وہ ننھی سی بلی تھی جو ولی اس کے لیے تحفے میں لایا تھا۔

''آ گئی ممی!'' سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے آواز لگائی۔ مسز ارحم واقعی اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

''اسے بھی ساتھ لے کر جانا ہے؟'' مسز ارحم نے اس کے ہاتھوں میں موجود بلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں جی ممی!'' وہ ان کے قریب پہنچتے ہوئے بولی۔ چند لمحے پہلے تک اس کے چہرے پر چھائی بے چینی اب قدرے کم ہو چکی تھی۔

''کیا ضرورت ہے اسے ساتھ لے جانے کی؟ شام تک تو آ ہی جائیں گے۔'' مسز ارحم نے ہلکے سے اعتراض کیا۔

''ممی پلیز۔'' ہانی نے معصوم سا منہ بنا کر انہیں منانے کی کوشش کی۔

''جلدی چلو اب ورنہ دیر ہو جائے گی۔'' خلافِ توقع اس بار مسز ارحم پہلی ہی ضد پر مان گئی تھیں۔

''تھینک یو ممی!'' حنین نے خوشی سے ان کے رخسار پر بوسہ دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مسز ارحم اس کی اس حرکت پر بے اختیار مسکرا کر رہ گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد اُن کی گاڑی لاہور کی شاہراہ پر رواں دواں تھی۔ ارحم صاحب ڈرائیونگ کر رہے

تھے جبکہ مسزارحم ان کے ساتھ بیٹھی ہلکی پھلکی گفتگو میں مصروف تھیں۔ پچھلی نشست پر بیٹھی حنین پوری طرح اپنی ننھی سی بلی کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھی۔

وہ بلی بھی بہت جلد اس سے مانوس ہو چکی تھی۔ کبھی حنین اسے پیار سے اپنے سینے سے لگا لیتی، کبھی اس کے نرم نرم بال سہلاتی اور کبھی اس کے ننھے پنجوں سے کھیلنے لگتی۔ دو ہی دنوں میں وہ بلی اس کے لیے محض ایک پالتو جانور نہیں بلکہ ایک پیارا سا ساتھی بن چکی تھی۔

''کچھ لوگوں کو ولی کی لائی ہوئی بلی سے کچھ زیادہ ہی محبت ہو گئی ہے۔'' مسزارحم نے اچانک مسکراہٹ دباتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

حنین نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور سوالیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

ارحم صاحب نے پہلے نا سمجھی سے اپنی اہلیہ کی طرف دیکھا، لیکن جب ان کے چہرے پر پھیلی شرارتی مسکراہٹ دیکھی تو فوراً بات سمجھ گئے اور خود بھی مسکرا دیے۔

''ایسا۔۔۔تو نہیں ہے ممی!'' حنین کے منہ سے الفاظ بمشکل نکلے۔

''تو پھر کیسا ہے؟'' مسزارحم نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔اب کی بار ان کی مسکراہٹ کسی بھی کوشش کے باوجود چھپ نہ سکی۔

حنین سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔اس نے شرما کر فوراً نظریں جھکا لیں جبکہ اس کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ بھی آ گئی۔

''ارے! اِسے تو شرمانا بھی آتا ہے۔'' مسزارحم کی بات پر ارحم صاحب بھی ہنس پڑے۔

''کیوں تنگ کر رہی ہو میری بچی کو؟'' ارحم صاحب نے مصنوعی ناراضگی سے اپنی اہلیہ کو ڈانٹا۔

''میں کہاں تنگ کر رہی ہوں؟'' مسزارحم نے فوراً معصوم سا چہرہ بنا کر صفائی پیش کی۔

گاڑی اب لاہور کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ سڑک پر معمول کے مطابق ٹریفک موجود تھی اور ہر طرف زندگی اپنی رفتار سے رواں تھی۔

حنین نے ابھی نظریں اٹھا کر اپنے والدین کو دیکھا ہی تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے سڑک پر جا ٹھہری۔

سامنے سے ایک ہیوی بائیک انتہائی تیز رفتاری سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ارحم صاحب اس وقت اپنی مسز کی طرف چہرہ کیے کوئی بات کر رہے تھے، اسی لیے ان کی توجہ چند لمحوں کے لیے سڑک سے ہٹ گئی تھی۔

حنین کا دل اچانک زور سے دھڑکا۔

''بابا آگے دیکھیں۔'' اس نے پوری قوت سے چیخ کر کہا۔

ارحم صاحب نے گھبرا کر جیسے ہی سامنے دیکھا، تب تک شاید بہت دیر ہو چکی تھی۔انہوں نے بائیک سے بچنے کے لیے فوراً سٹیئرنگ موڑا...

اور اگلے ہی لمحے...

وہ ہنسی اور مزاق بھرا ماحول ایک خوفناک حادثے میں بدل گیا، ایسا حادثہ جس کا حنین نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

گاڑی بے قابو ہو کر پہلے سڑک پر بری طرح سلپ ہوئی، پھر پوری قوت سے ڈیوائیڈر سے ٹکرائی۔

اتنا زوردار دھماکا ہوا کہ جیسے ہر طرف زمین ہل گئی ہو۔

اگلے ہی لمحے گاڑی ہوا میں ایک، دو، پھر تین بار الٹتی چلی گئی۔ ہر الٹنے کے ساتھ شیشے ہزاروں کرچیوں میں بکھرتے جا رہے تھے۔لوہے کے مڑنے، شیشوں کے ٹوٹنے اور ٹائروں کے سڑک سے رگڑ کھانے کی دل دہلا دینے والی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

حنین کا وجود بے رحمی سے ایک طرف سے دوسری طرف اچھل رہا تھا۔اس کے ہاتھوں میں
موجود ننھی بلی خوف سے زور زور سے چیخی، مگر اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گاڑی کے اندر کہیں جا گری۔
''ممی...!''
حنین کی چیخ ابھی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کا سر پوری شدت سے کھڑکی کے کنارے سے جا ٹکرایا۔
ہر چیز اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلانے لگی۔
پھر ایک آخری زوردار جھٹکا لگا...
اور گاڑی الٹتی ہوئی سڑک کے کنارے جا کر رک گئی۔
آخری بار اس نے اپنے سامنے ارحم صاحب کو دیکھا، جن کا جسم اسٹیئرنگ پر بے جان سا جھکا ہوا تھا، جبکہ مسز ارحم کا سر شیشے سے ٹکرا کر ایک طرف ڈھلک چکا تھا۔
چند لمحے پہلے تک مصروف شاہراہ پر اب ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔
صرف گاڑی کے انجن سے اٹھتا دھواں، ریڈی ایٹر سے نکلتی بھاپ، اور ٹوٹی ہوئی گاڑی کے مختلف حصوں کی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔
حنین کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔اس نے پوری طاقت لگا کر پلکیں کھولنے کی کوشش کی۔
''بابا...''
اس کی آواز سرگوشی سے بھی مدھم تھی۔
کوئی جواب نہ آیا۔
''ممی...''
اس بار بھی خاموشی اس کی واحد ہمراز بنی رہی۔
کانوں میں صرف ایک تیز سی سیٹی کی آواز گونج رہی تھی۔ نظر دھندلا چکی تھی۔اس نے کپکپاتے ہاتھ سے آگے بڑھ کر اپنی ماں کا ہاتھ پکڑنا چاہا، مگر اس کی انگلیاں ان تک پہنچنے سے پہلے ہی بے جان ہو گئیں۔
اس کی سانس ایک لمحے کو اٹکی۔
آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔
اور پھر مکمل طور پر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔
کچھ ہی دیر بعد دور سے ایمبولینس کے سائرن فضا میں گونجنے لگے۔
لوگ دوڑتے ہوئے حادثے کی جگہ پر پہنچے۔ کسی نے گاڑی کے مڑے ہوئے دروازے کھولنے کی کوشش کی، کوئی ایمبولینس کو جلدی آنے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔
جب ریسکیو اہلکاروں نے بڑی مشکل سے گاڑی کا اگلا حصہ کاٹ کر ارحم صاحب اور مسز ارحم کو باہر نکالا تو دونوں بُری طرح خون میں لت پت تھے۔
انہوں نے پچھلی نشست سے حنین کو بھی خون میں لت پت حالت میں نکال کر فوراً ایمبولینس میں منتقل کیا۔
کچھ دیر پہلے حنین کی گود میں کھیلتی اس ننھی بلی کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔

ریسکیو اہلکار اُن سب کو گاڑی سے نکال کر برق رفتاری سے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔

★。° ✦ °。★

کچھ وقت پیچھے چلتے ہیں۔

دوپہر کا وقت تھا۔ وہ دونوں اس وقت کلاس میں موجود تھے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے معاشیات کا لیکچر جاری تھا جو بس اپنے اختتام کو پہنچنے والا تھا۔ وہ سب سے پیچھے والی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ وہ دونوں اس وقت نیوی بلیو شرٹ اور ڈارک گرے فارمل پینٹ میں ملبوس تھے۔ محمد نے سیاہ رنگ کی ٹائی بھی لگا رکھی تھی جبکہ ولی کا تو ٹائی سے دور دور تک کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ وہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے مخصوص یونیفارم پہنے ہوئے تھے۔ مسلم ہینڈز کمپلیکس آنے کے بعد ولی نے اپنا حلیہ قدرے محمد جیسا کر لیا تھا۔ کان میں پہنے جانے والا ٹاپس وہ پہلے دن ہی نکال چکا تھا اور بالوں کو ایک ترتیب میں کٹوا چکا تھا۔ سامنے کے دو بٹن ہمیشہ کی طرح کھلے تھے اور بائیں ہاتھ میں بریسلٹ ویسے کے ویسے ہی تھے۔ غرض یہ کہ ولی اور محمد کو پہچاننا پہلی کی نسبت اب تھوڑا مشکل ہو چکا تھا۔

جیسے ہی لیکچر ختم ہوا سب بچے اپنا اپنا سامان سمیٹنے لگے۔ محمد بھی اپنا رجسٹر بیگ میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ ولی تو پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا کلاس روم سے نکلنے کو۔

''یہ آخری کلاس تھی نہ؟'' ولی نے کاریڈور میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''یار اگر آخری نہ بھی ہوتی میں نے تب بھی اگلا لیکچر نہیں لینا تھا، چاہے مجھے بنک ہی کیوں نہ کرنی پڑتی۔'' محمد نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''کاش کے اس کے بعد بھی ایک اور کلاس ہوتی۔'' ولی نے اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے خواہش کی۔

''آج ولی یہ خواہش کر رہا ہے کہ مزید کلاس ہوتی؟'' محمد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ دونوں اب سیڑھیاں اترنے لگے تھے۔

''کم از کم تم بھی کلاس بنک کر کے اپنا ریکارڈ توڑ لیتے۔'' ولی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تبھی میں سوچوں کہ ولی صاحب کو کب سے پڑھائی کا اتنا شوق ہو گیا۔'' محمد بھی اسے یہ کہہ کر ہنسنے لگا۔

''ولی!'' محمد نے اُسے دھیرے سے پکارا۔

وہ اب تک سیڑھیاں اتر چکے تھے۔

''ہوں؟'' اس نے گردن موڑ محمد کی طرف دیکھا۔

''میری ایک خواہش ہے۔'' محمد کے کندھے ہر ہلکا سا ایک بیگ تھا ساتھ ساتھ جھول رہا تھا۔

''کیا خواہش ہے تمہاری؟'' ولی نے بے اختیار اس سے پوچھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ۔'' محمد اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

''کہ؟'' ولی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔'' محمد کی آنکھوں میں درد تھا جسے ولی باخوبی دیکھ سکتا تھا۔

ولی بے بسی کی حالت میں اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم آنکھیں بند کر کے مسلمان ہو جاؤ۔ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم دینِ اسلام پر مکمل ریسرچ کرو اس کے بعد تمہارا دل جو فیصلہ کرے وہ کرنا۔'' محمد نے ولی کے دل کے مقام پر انگلی سے دستک دیتے ہوئے کہا۔

''محمد! تمہیں معلوم ہے نہ مجھے ایسی باتوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔'' وہ دونوں پارکنگ کی طرف جا رہے تھی۔

''مگر ولی! کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہیں حقیقت کا علم ہو؟'' محمد اپنے دل پر پتھر رکھ کر اس سے بات کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا پچھلے کئی دنوں سے ولی بے چین ہے مگر پھر بھی وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

''حقیقت کیا ہے؟ حقیقت بس یہ کہ ہم نے کھانا ہے، پینا ہے، برانڈڈ کپڑے اور جوتے پہننے اور بوڑھے ہو کہ مر جانا ہے، بس۔'' ولی نے پوری زندگی کا نچوڑ اتنی آسانی سے نکال دیا جیسے وہ واقعی
اتنی آسان ہو۔

''بس؟'' محمد حیرت سے منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں بس۔ اس کے علاوہ اور کیا ہے؟'' ولی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور اس کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ محمد بھی چلتے چلتے رُک گیا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے
کھڑے تھے۔

''اور عالمِ برزخ کا کیا؟ آخرت کے دن کا کیا؟ اس ابدی زندگی کا کیا جو مرنے کے بعد شروع ہو گی؟ اس جنت اور جہنم کا کیا؟'' محمد نے ایک ہی سانس میں اتنے سوال کر ڈالے تھے۔

''اوہ کم آن محمد! ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ یہ سب بس کہانیاں ہیں۔'' ولی نے ہنستے ہوئے کہا۔

محمد بے بسی کی حالت میں اُسے دیکھنے لگا تھا۔

''سوچو! وہ سزا اور جزا جس کا تم کہتے ہو۔ وہ سب نہ ہوا تو؟'' ولی اسے چیلنج کرنے والے انداز میں بولا۔

''اور سوچو اگر وہ سب ہوا تو؟'' محمد نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنج کیا۔

ولی چند لمحے محمد کی آنکھوں میں دیکھے گیا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے بائیک لانے کا کہنے لگا۔

''اس بحث کو چھوڑو اور بائیک نکال کر لاؤ۔ ہم آج اس نئی بائیک پر آوارہ گردی کے لیے جانے والے تھے۔''

ولی نے دو سیکنڈ میں ساری گفتگو کا رُخ ہی موڑ دیا۔ محمد بھی ٹھنڈی آہ بھر تا بیگ اس کے حوالے کر کے بائیک لینے چلا گیا۔

دو منٹ بعد ہی وہ بائیک لے کر آ گیا۔ محمد بائیک سے اترا اور چابی ولی کے حوالے کر دی۔

''بائیک تم چلاؤ گے۔'' اس نے بائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' وہ محمد کو چھیڑتا ہوا بائیک پر سوار ہوا۔

ولی نے بائیک سٹارٹ کی، محمد اس کے پیچھے بیٹھا اور وہ بائیک سے دھول اڑاتا ہوا مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ بائیک کو لاہور کی سڑکوں پر کسی ریسر کی طرح دوڑا رہا تھا۔ محمد نے تو ڈر کے مارے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں جبکہ ولی اس کی سپیڈ بڑھاتا ہی جا رہا تھا۔

''ولی بائیک آہستہ کرو۔'' محمد نے چلا کر اسے آواز لگائی مگر وہ اُسے نہیں سن رہا تھا۔

''بائیک کی سپیڈ کم کرو ولی۔'' محمد نے اس کے کندھے کو دباتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں ہوتا یار۔'' ولی نے ہلکی سی گردن گھما کر اسے تسلی دی۔

محمد اس کی بات سن کر چپ ہو گیا۔

''اب دیکھو میں تمہیں ایک اور کمال دکھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ولی نے ہینڈل گھمایا۔

اچانک اُس نے بائیک مخالف سمت موڑ دی۔اب وہ ٹریفک کے بہاؤ کے الٹ،

موت کو دعوت دیتی رفتار سے سڑک چیرتا چلا جا رہا تھا۔

ہوا تیزی سے ان کے ہیلمٹ سے ٹکرا رہی تھی۔سامنے سے آتی گاڑیاں پے در پے ہارن بجا رہی تھیں، مگر ولی جیسے ہر آواز سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

محمد نے جب اس کا یہ پاگل پن دیکھا تو فوراً سختی سے آنکھیں بند کر لی۔

اُسے سامنے سے سفید رنگ کی ہنڈا سِوک آتی نظر آئی۔وہ اب اس کے ساتھ سے گزرنے کا راستہ دیکھنے لگا۔باقی لین میں بھی گاڑیاں آ رہی تھیں مگر بائیں طرف چھوٹا سا خلا نظر آیا جہاں سے اسے اب بائیک گزارنی تھی۔

گاڑی چلانے والے کا دھیان بھی برابری نشست پر بیٹھی اپنی اہلیہ کی طرف تھا اس لیے وہ ولی کی بائیک کو نہ دیکھ

سکا۔

ولی کی بائیک جیسے ہی اس گاڑی کے نزدیک پہنچی، گاڑی چلانے والے کا دھیان اس کی طرف ہوا

اور اس نے ہڑبڑی میں گاڑی کو ایک طرف کرنا چاہا۔اس کے ایسا کرنے پر ولی کا توازن بھی بگڑ گیا اور اس نے گاڑی کے برابر سے بائیک نکالنے کی کوشش کی مگر شاید خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

جیسے ہی ولی نے ہونڈا سِوک کو بال برابر فاصلے سے کراس کیا، اُس کے چہرے پر فتح کی ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

لیکن وہ مسکراہٹ اگلے ہی لمحے اس کے چہرے سے غائب ہو گئی۔

سامنے والی لین میں ایک ڈیو ویو ٹونگ ماسٹر آہستہ رفتار سے اپنی سمت میں چلی آ رہی تھی۔

فاصلہ اتنا کم تھا کہ اب بچ نکلنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

بس کے ڈرائیور نے بائیک کو اپنی طرف لپکتے دیکھا تو گھبرا کر مسلسل ہارن بجانا شروع کر دیا اور پوری قوت سے بریک لگائی۔

ٹائروں کی چیخ پورے ماحول میں گونج اٹھی۔

ولی نے آخری کوشش کے طور پر ہینڈل موڑا، مگر رفتار اس کے قابو سے کہیں آگے نکل چکی تھی۔

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے تھم گیا۔

اور پھر...

ایک زوردار آواز کے ساتھ بائیک بس کے اگلے حصے سے جا ٹکرائی۔

شدید جھٹکے سے ولی اچھلا اور بس کے لوہے کے بنے اگلے فریم سے ٹکرا کر ایک طرف اچھلتا ہوا سڑک پر جا گرا۔

مگر محمد...

وہ پچھلی نشست پر بیٹھا تھا اور وہ نشست ذرا اونچی تھی جس کی وجہ سے وہ پوری قوت کے ساتھ

آگے اچھلا۔

اُس کا جسم سیدھا بس کے سامنے والے شیشے سے ٹکرایا۔

ایک ہولناک آواز کے ساتھ شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

چند لمحوں کے لیے ہر چیز ساکت ہو گئی۔

ولی سڑک پر پڑا درد سے کراہ رہا تھا۔ ہیلمٹ نے ولی کے سر کو تو بچا لیا تھا مگر باقی جسم درد سے چور ہو رہا تھا۔

اس کی دھندلائی ہوئی نگاہ سب سے پہلے محمد کو ڈھونڈنے لگی۔

''محمد...!''اس نے ہیلمٹ اتارا اور محمد کو ڈھونڈنا چاہا۔

اس کی نگاہ جیسے ہی محمد پر پڑی وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور دیوانوں کی طرح اس کی طرف دوڑا۔

محمد کا جسم آدھا بس کے اندر تھا اور آدھا بس کے باہر۔ وہ اوندھے منہ بس پر پڑا تھا۔ اس کا جسم بے حرکت تھا۔

وہ جیسے ہی بس کے پاس پہنچا اس کے قدم وہیں ساکت ہو گئے۔ اسے لگا وہ اب اگلا سانس نہیں لے پائے گا۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینا چیر کر باہر نکل آئے گا۔

اس نے محمد کے جسم کو ہاتھوں میں بھرا اور نیچے سڑک پر لٹایا۔

''محمد... یار... آنکھیں کھولو... میری طرف دیکھو...!''ولی دیوانہ وار اسے پکارنے لگا تھا۔

حادثہ اس قدر ہولناک تھا کہ بس کے سامنے والے لیمینیٹڈ شیشے کا ایک حصہ بائیک کی شدید ٹکر کے باعث فریم سے اکھڑ گیا تھا۔ وہی وہ لمحہ تھا جب محمد پوری قوت سے آگے اچھلا تھا اور اس کا چہرہ سیدھا ٹوٹے ہوئے شیشے سے جا ٹکرایا تھا۔ شیشہ مزید چیخ گیا اور اس کے بے شمار نوکیلے ٹکڑے اس کے چہرے اور پیشانی میں پیوست ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہاں سے بے تحاشا

خون بہہ رہا تھا۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے محمد کی ٹھوڑی آہستگی سے اوپر اٹھائی۔

اگلے ہی لمحے اس کی سانس سینے میں اٹک گئی۔

ٹکر کے دوران شیشے کا ایک بڑا، خنجر کی مانند نوکیلا ٹکڑا فریم سے الگ ہو کر محمد کی گردن کے دائیں جانب گہرائی تک دھنس گیا تھا۔ زخم سے مسلسل خون بہہ رہا تھا، جو اس کی گردن سے ہوتا ہوا شرٹ کے کالر اور سینے پر بہتا جا رہا تھا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اسے اپنی گود میں سنبھال لیا۔

محمد کی پلکیں آہستہ سے لرزیں۔

اس نے بڑی مشکل سے ولی کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں نہ شکوہ تھا، نہ غصہ...

صرف ایک گہری خاموشی تھی۔

اس کے ہونٹ جیسے کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر آواز نہ نکل سکی۔

اگلے ہی لمحے اُس کی نظریں ولی کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔اس کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی جبکہ اس کا چہرہ پوری طرح خون سے سرخ ہو چکا تھا۔

اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

ولی نے بے یقینی سے اسے جھنجھوڑا۔

''محمد...! نہیں... نہیں... میری بات سنو... پلیز...!''اس کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی۔

چند لمحے پہلے جس سڑک پر وہ اپنی رفتار کا غرور کر رہا تھا...

اب وہی سڑک اس سے اُس کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہمیشہ کے لیے چھین چکی تھی۔

ولی کے اپنے جسم سے بھی کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا۔بازو بری طرح چھل گیا تھا،ماتھے پر گہرا زخم پڑ چکا تھا،اور پسلیوں میں اٹھتی ہوئی شدید ٹیس ہر سانس کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔مگر اس لمحے اُسے اپنے درد کا کوئی احساس نہ تھا۔اس کی ساری توجہ صرف محمد پر تھی۔

وہ مسلسل اسے جھنجھوڑتا،اس کا نام پکارتا رہا،لیکن ہر بار جواب میں صرف خاموشی ملی۔

آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھانے لگی۔کانوں میں سائرن اور لوگوں کی چیخ وپکار کی آوازیں مدھم پڑنے لگیں۔جسم سے مسلسل بہتا خون اب اس کی طاقت بھی ساتھ لے جا رہا تھا۔

اس نے آخری بار محمد کے بے جان چہرے کی طرف دیکھا،جیسے خود کو یقین دلانا چاہتا ہو کہ شاید وہ ابھی بول پڑے۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کا توازن بگڑ گیا۔

اس کی پلکیں بوجھل ہوئیں... اور پھر ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

''کیا وہ زندہ ہے؟'' اس کے کانوں میں دور کہیں سے آواز آئی۔

''نہیں،وہ مر چکا ہے۔'' یہ آخری جملہ تھا جو ولی کے کانوں نے سنا تھا۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

وہ اس وقت کسی گہری،بے انتہا تاریک کھائی میں کھڑا تھا۔

چاروں طرف سیاہی کا راج تھا،ایسی سیاہی جس میں اپنی ہی سانسوں کی آواز اجنبی محسوس ہوتی تھی۔اس نے آہستہ سے سر اٹھایا تو کھائی کے دہانے پر پھیلا تاروں سے بھرا آسمان دکھائی دیا۔وہ آسمان اس کے لیے اتنا دور تھا جیسے زندگی خود اس سے صدیوں کے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی ہو۔

اس کھائی میں کچھ اَن دیکھی سیاہ طاقتیں موجود تھیں۔وہ اس کے جسم سے لپٹی ہوئی تھیں،جیسے لوہے کی زنجیریں ہوں،جنہوں نے اس کے وجود کو جکڑ رکھا تھا۔

اچانک اس کی نظر اپنے سامنے معلق ایک انسانی دل پر جا ٹھہری۔

وہ دل مسلسل دھڑک رہا تھا۔

مگر وہ مکمل طور پر سیاہی میں ڈوبا ہوا تھا۔صرف ایک جگہ،ایک نہایت چھوٹا سا سفید نقطہ،اس تاریکی کے خلاف ڈٹا ہوا تھا۔سیاہی بار بار اس آخری روشنی کو اپنے اندر نگلنے کی کوشش کرتی،مگر ہر بار ناکام رہتی،جیسے کوئی اَن دیکھی قوت اس ننھی سی روشنی کی حفاظت کر رہی ہو۔

ولی نے اپنے ہاتھ حرکت دینے کی کوشش کی، مگر بے سود۔

اس نے پاؤں ہلانے چاہے، مگر وہ بھی بے جان ہو چکے تھے۔

اس نے زبان کھول کر کچھ کہنا چاہا، مگر الفاظ گلے ہی میں دم توڑ گئے۔ وہ اپنے جسم کا ایک عضو بھی حرکت نہ دے پا رہا تھا۔

اسی لمحے اس کے سینے پر اچانک ایک ناقابل برداشت بوجھ آن پڑا۔

ایسا محسوس ہوا جیسے کسی خون آشام پنجے نے اس کا دل جکڑ لیا ہو۔

اس کی سانسیں ٹوٹنے لگیں۔ سینہ بری طرح اٹھنے لگا۔ دم گھٹنے لگا۔ پیشانی پسینے سے بھیگ گئی، حالانکہ اس کھائی میں سردی ایسی تھی کہ روح تک منجمد ہو جائے۔

اس نے بے بسی سے ایک بار پھر اوپر دیکھا۔

اس مرتبہ کھائی کے کنارے پر ایک سایہ کھڑا تھا۔

ولی نے پوری قوت سے اسے پکارنے کی کوشش کی، مگر آواز حلق سے باہر نہ نکل سکی۔ اس کی آنکھیں فریاد کرنے لگیں۔

جب اس شخص کا چہرہ واضح ہوا تو ولی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ محمد تھا۔

خاموش...

پر سکون...

اور مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ولی کے دل میں ہزاروں باتیں ایک ساتھ امڈ آئیں۔

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ... زندہ ہے؟ وہ اپنے کیے کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی غلطی تھی۔

مگر اس کے ہونٹ جنبش تک نہ کر سکے۔ آج پہلی بار اسے اپنی بے بسی کا حقیقی مطلب سمجھ آیا تھا۔

''تمہیں اس جگہ سے کوئی نہیں نکال سکتا۔'' محمد کی آواز خاموشی کو چیرتی ہوئی اس تک پہنچی۔

''اگر تمہیں یہاں سے کوئی نکال سکتا ہے... تو وہ تم خود ہو۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ کہا۔

ولی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر محمد کی نظریں آسمان کی طرف اٹھیں۔

'' اگر تم خدا سے ہدایت مانگو گے تو وہ تمہیں ضرور عطا کرے گا۔''

''اگر تم اس کی طرف ایک قدم بڑھاؤ گے تو وہ دس قدم تمہارے طرف بڑھائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا۔

ولی بے بسی سے اسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔ اسی لمحے آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ نمودار ہوا اور پھر ایک مانوس، رعب دار مگر سکون بخش آواز فضا میں گونج اٹھی۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''

جوں جوں وہ آواز بلند ہوتی گئی، کھائی لرزنے لگی۔

سیاہ طاقتوں کی گرفت کمزور ہونے لگی۔سیاہی چیختی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی۔ولی نے شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔

''آہ...!''اس کے منہ سے درد بھری ایک سسکی نکلی۔اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

تیز سفید روشنی نے اس کی بینائی کو چند لمحوں کے لیے دھندلا دیا۔

چھت...

سفید چھت...

دواؤں کی تیز بو...اور مسلسل سنائی دیتی مشین کی آواز۔اس نے گردن ہلانے کی کوشش کی تو پورا جسم درد سے کراہ اٹھا۔

اس کی پیشانی، بازو، کندھا، پسلیاں، حتیٰ کہ ٹانگوں پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔دائیں ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی اور سینے پر مانیٹر کی تاریں جڑی ہوئی تھیں۔

تب اسے یاد آیا...

تیز رفتار بائیک...

سڑک...

ہیڈ لائٹس...

خون...

اور پھر مکمل اندھیرا۔

اس نے بمشکل آنکھیں ادھر اُدھر گھمائیں۔

وہ ہسپتال کے ایک کمرے میں تھا...

اور زندگی نے اُسے دوسرا موقع دے دیا تھا۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

حنین کی جیسے ہی آنکھیں کھلیں،اُس نے خود کو ہسپتال کے ایک کمرے میں سفید چادر سے ڈھکے بیڈ پر لیٹا پایا۔

اس کی نگاہیں دھندلا رہی تھیں۔ہر چیز دھوئیں میں لپٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔آہستہ آہستہ منظر واضح ہونے لگا۔اس نے الجھے ہوئے ذہن پر زور ڈالا کہ وہ یہاں کیسے پہنچی؟کب آئی؟آخر ہوا کیا تھا؟

اچانک اس کے ذہن میں ایک منظر پوری شدت سے ابھرا۔

سیاہ رنگ کی ایک اسپورٹس بائیک...اس پر سوار دو لڑکے...اور پھر اُن کا خوفناک رفتار سے اُن کی گاڑی کی طرف بڑھنا...

اُس نے آگے یاد کرنے کی کوشش کی تو جیسے کسی نے اس کے دماغ میں ہتھوڑا دے مارا ہو۔وہ ایک جھٹکے سے سیدھی اٹھ بیٹھی۔

''ممی۔''یہ لفظ بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

''بابا۔''دوسرا لفظ بھی اتنی ہی بے بسی سے ادا ہوا۔اس کی آواز بری طرح بھرا گئی تھی،جیسے برسوں سے اس نے بولنے کی کوشش ہی نہ کی ہو۔

اُس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا۔دل پسلیوں سے ٹکرانے لگا اور اگلے ہی لمحے وہ گھبراہٹ میں چیخنے لگی۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک نرس تیزی سے اندر داخل ہوئی۔وہ فوراً اس کے قریب آئی اور اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

''میری ممی کہاں ہیں؟میرے بابا کہاں ہیں؟'' وہ دیوانہ وار اس نرس سے پوچھنے لگی تھی۔

''وہ سب یہیں ہیں۔آپ آرام کریں۔'' نرس نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''مجھے اپنے ممی بابا سے ملنا ہے،مجھے ابھی ان سے ملنا ہے۔'' وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

نرس نے اُسے زبردستی بے ہوشی کا انجیکشن لگایا اور فوراً باہر نکل گئی۔

کچھ گھنٹوں بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور یزمان کے ساتھ فہیم بھی اندر داخل ہوا۔جب وہ آئے تب تک وہ دوطارہ ہوش میں آچکی تھی۔اپنوں کو سامنے دیکھتے ہی حنین چند لمحوں کے لیے پرسکون ہوئی۔دل کو جیسے سہارا ملا کہ شاید سب خیریت سے ہوں۔

یزمان دروازے کے قریب ہی ساکت کھڑی تھی۔وہ بے یقینی سے حنین کو دیکھ رہی تھی۔اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''یز۔۔۔یزمان۔'' حنین نے بے چینی سے اسے پکارا۔

مگر وہ خاموش رہی،بس اسے دیکھتی رہی۔

''یزمان تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟'' حنین نے دوبارہ کہا۔

''تمہیں میں یاد ہوں؟'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہنے لگے تھے جنہیں وہ بار بار ہاتھ کی پشت سے صاف کرنے کی

ناکام کوشش کر رہی تھی۔

''میں تمہیں کیوں بھولوں گی؟'' حنین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟'' یزمان نے بے تابی سے پوچھا۔

''یزمان تم رو کیوں رہی ہو؟'' حنین کی الجھن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

''یزمان! ممی بابا کہاں ہیں۔'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''ہانی! تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' یزمان نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

فہیم خاموشی سے اُن کے برابر کھڑا تھا۔اس کی گود میں تقریباً ایک سال کی ننھی سی بچی تھی،جو حیرت سے کبھی حنین کو دیکھتی اور کبھی یزمان کو۔

''یزمان میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ ممی اور بابا کہاں ہیں؟'' اس کی آواز اس بار بلند ہو گئی۔

''حنین تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔'' یزمان اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں مجھے یاد ہے،آج دوپہر کو ہی ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔''

''تمہارے سر پر چوٹ آئی تھی ہانی۔''

''مجھے یاد ہے یزمان! آج ہی لاہور کی سڑک پر ہمارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔'' اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ معاملہ اتنا سادہ نہیں جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''ہم اسلام آباد میں ہیں ہانی۔'' یہ کہتے ہوئے یزمان کی آواز ٹوٹ گئی۔

''مگر ہم تو لاہور تھے۔'' حنین نے بے یقینی سے کہا۔

''ممی اور بابا کہاں ہیں؟مجھے ان سے ابھی ملنا ہے۔''

''جسے تم آج سمجھ رہی ہو وہ آج نہیں تھا،وہ تین سال پہلے تھا۔تم کوما میں تھی۔'' یہ الفاظ سنتے ہی حنین پر جیسے وقت تھم گیا۔

اس کا پورا وجود پتھر کا ہو کر رہ گیا۔ زبان جیسے تالوں سے چپک گئی۔ نہ سانس پوری آ رہی تھی، نہ آواز نکل رہی تھی۔ تبھی اس کی نظر دوبارہ یزمان پر گئی۔

اب اسے پہلی بار احساس ہوا کہ یزمان پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وقت کے کئی موسم گزر چکے تھے۔

حنین نے بے اختیار اپنے جسم کی طرف دیکھا۔ کہیں کوئی تازہ زخم نہیں تھا۔ کوئی پٹی نہیں... کوئی

خون نہیں...

کچھ دیر پہلے تک تو اسے یاد تھا کہ وہ شدید حادثے کے بعد اپنے ہی خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ مگر اب... اس کے جسم پر اس حادثے کا ایک بھی نشان باقی نہیں تھا۔

وہ لرزتی ہوئی نگاہوں سے یزمان کو دیکھنے لگی۔

یزمان مزید ضبط نہ کر سکی۔ وہ آگے بڑھی اور حنین کو اپنے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بیٹیوں کے دل بہت نازک ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا دکھ وہ زیادہ دیر اپنے اندر قید نہیں رکھ سکتیں۔

''یزمان!'' حنین نے اسے پکارنے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹوں سے اس کا نام بھی پوری طرح ادا نہ ہو سکا۔

فہیم خاموشی سے بچی کو گود میں اٹھائے کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے سب سے پہلے گھر فون کیا، پھر ریان صاحب کو اطلاع دی کہ حنین کو ہوش آ گیا ہے اور پھر آخر میں اس نے محمد کو کال کی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ دوبارہ کھلا۔

مسز ریان اور مسز ہمایوں اندر داخل ہوئیں۔

جونہی اُن کی نگاہ حنین پر پڑی، دونوں کے قدم خود بخود اس کی طرف بڑھ گئے۔

مسز ریان نے خاموشی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

حنین نے نظریں اٹھا کر اُنہیں دیکھا۔ دونوں عورتیں خاموش کھڑی تھیں، مگر اُن کی آنکھوں میں برسوں کا جمع ہوا درد صاف جھلک رہا تھا۔

''آنٹی یہ کچھ بتاتی کیوں نہیں۔'' حنین نے مسز ریان اور مسز ہمایوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مگر وہ دونوں بھی جواب دینے کے بجائے بس اسے دیکھتی رہ گئیں۔

کمرے کے باہر ریان صاحب اور ہمایوں صاحب خاموش کھڑے تھے۔

اُن کے ساتھ ابراہیم انصر بھی موجود تھا، جو دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے گہری نظروں سے حنین کو دیکھ رہا تھا۔

تین برس بعد ہوش میں آنے والی اُس لڑکی کو... جس کی دنیا مکمل طور پر بدل چکی تھی۔

★。゜ ✦ ゜。★

اس وقت میں واپس چلتے ہیں جب یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

اس نے بمشکل اپنی آنکھیں ادھر اُدھر گھمائیں۔ وہ ہسپتال کے ایک کمرے میں تھا... زندگی نے اُسے ایک اور موقع دے دیا تھا۔

اُس نے آنکھیں بند کر کے اُس خوفناک خواب کو یاد کرنے کی کوشش کی جس کی دہشت سے وہ جاگا تھا۔

وہ گہری، سیاہ کھائی...اُس کے سامنے دھڑکتا ہوا ایک سیاہ دل...اور اُس دل پر بنا صرف ایک سفید نقطہ...یہ سب کچھ اب بھی اس کے ذہن میں اتنا ہی واضح تھا جیسے حقیقت ہو۔ پھر اُسے محمد کی کہی ہوئی بات یاد آئی۔

''اگر تم خدا کی طرف ایک قدم بڑھاؤ گے تو وہ تمہاری طرف دس قدم بڑھائے گا۔''

یہ جملہ ذہن میں ابھرا تو اس کی کنپٹیوں میں دوبارہ درد کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''

وہی پراسرار، بھاری آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجی۔

یہ زندگی کا پہلا لمحہ تھا جب اُس نے سنجیدگی سے خدا کے بارے میں سوچا۔ پہلی بار اُس اندھیرے نے اُسے خوفزدہ کیا تھا۔ پہلی بار اسے شدت سے محسوس ہوا تھا کہ شاید واقعی خدا نے اُسے دوسرا موقع دیا ہے۔

''کیا زندگی اتنی بے یقینی ہے؟'' یہ سوال بے اختیار اس کے دل میں ابھرا۔

آج پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ جسے وہ زندگی سمجھتا آیا تھا، وہ دراصل ایک فریب تھا۔

کیا صرف اچھا کھانا، اچھا پہننا، دولت، طاقت اور عیاشی ہی زندگی تھی؟

پہلی بار اسے ماننا پڑا کہ وہ غلط تھا...اور محمد صحیح تھا۔ ''محمد!'' اچانک وہ چونک اٹھا۔

''محمد کہاں ہے؟'' اس نے خود ہی اپنے آپ سے سوال کیا۔

اگلے ہی لمحے اس نے بے دردی سے اپنے جسم پر لگی ڈرپ اور نالیاں کھینچ کر الگ کر دیں اور بیڈ سے اترنے کی کوشش کی۔

شدید درد کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار آہ نکلی، مگر اس وقت اسے اپنے درد کی نہیں، صرف محمد کی فکر تھی۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے پہلے دیوار تک پہنچا، پھر دیوار کا سہارا لیتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ پورا کاریڈور سنسان پڑا تھا۔

کھڑکی سے باہر جھانکا تو رات اپنی پوری تاریکی کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔

وہ دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ساتھ والے کمرے کے دروازے تک پہنچا اور دروازے پر لگے شیشے سے اندر جھانکنے لگا۔

اُسے وہاں کھڑا دیکھتے ہی پیچھے سے ایک نرس دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ مگر ولی کی نظریں تو اندر بیڈ پر لیٹے اُس وجود پر جم چکی تھیں۔ ایک ہی لمحے میں اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر دیکھتا رہ گیا۔

''سر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' نرس نے فوراً آ کر اسے بازو سے تھاما۔

''یہ یہاں کیسے آئی؟'' ولی نے بے یقینی سے نرس کی طرف گردن موڑ کر دیکھا۔

''سر آپ پلیز اندر چلیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نرس نے اسے بازو سے پکڑ کر لے جانے کی کوشش کی۔

''نرس! میں پوچھ رہا ہوں کہ یہ لڑکی اس حالت میں کیسے پہنچی؟'' اس نے اپنا بازو چھڑواتے ہوئے پوچھا۔

''سر آپ کو آرام کی ضرورت ہے، آپ پلیز اپنے روم میں چلیے۔'' نرس اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔

''میں جو پوچھ رہا ہوں تم اس کا جواب کیوں نہیں دے رہی۔'' اس کی آواز ذرا بلند ہوئی۔

جیسے ہی وہ چیخا، اس کے سر میں دوبارہ ناقابلِ برداشت درد اٹھا۔

کنپٹیوں کی رگیں یوں ابھریں جیسے ابھی پھٹ جائیں گی۔

وہ اس اذیت کو مزید برداشت نہ کر سکا اور اگلے ہی لمحے فرش پر گر پڑا۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو وہ پھر اپنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

وہی نرس اس کے ہاتھ میں دوبارہ ڈرپ لگا رہی تھی۔

وہ غصے میں کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی مگر ولی کی سماعت جیسے اس وقت صرف چند مخصوص آوازیں سننے کے قابل تھی۔

''میرا۔۔۔بھائی کہاں ہے؟'' اس نے اٹکتے ہوئے نرس سے پوچھا۔

نرس اس کی بات ان سنی کر دی۔

''نرس! میرا بھائی کدھر ہے؟'' اس نے اسے پھر سے پکارا۔

''عجیب انسان ہے، کبھی لڑکی کا پوچھتا ہے کہ وہ وہاں کیسے آئی اور کبھی اپنے بھائی کا پوچھتا ہے۔'' نرس غصے میں بڑبڑانے لگی۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں۔'' ولی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''مجھے نہیں معلوم اور اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور اب وہ کوما میں ہے۔'' نرس نے ایک ہی سانس میں اس کو جواب دے دیا۔

یہ الفاظ سنتے ہی ولی جیسے پتھر کا ہو گیا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اتنی ساری قیامتیں ایک ساتھ اس کی زندگی میں کیسے آ گری تھیں۔

''میرا بھائی۔۔۔زندہ ہے؟'' ولی نے پھر سے اٹکتے اٹکتے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' نرس نے اس بار نسبتاً نرم لہجے میں کہا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا بھائی مر چکا ہے... مگر اس نے نہیں بتایا۔

اگرچہ ولی خود بھی جانتا تھا کہ محمد اب اس دنیا میں نہیں رہا۔اُسے سب یاد تھا۔ محمد کی آخری سانس...اُس کا اپنے ہاتھوں میں دم توڑنا...اور اپنی آنکھوں کے سامنے اُس کی زندگی کا چراغ بجھ جانا...

''حنین۔۔۔حنین کا ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟'' ولی نے اب کی بار دھیمی آواز میں پوچھا۔

''کیا کہا تم نے؟'' نرس ناسمجھی سے اُسے دیکھنے لگی۔

''تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟''

''کزن ہے وہ میری۔'' ولی نے بے اختیار کہا۔

یہ سنتے ہی نرس بنا کچھ کہے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اور فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

ولی نے اسے نام سمجھی سے جاتے دیکھا اور پھر خاموشی سے چھت کو دیکھنے لگا۔

''میری ایک خواہش ہے۔'' محمد کی آخری خواہش اس کے ذہن میں گونجی۔

''کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ چاہ کر بھی اُنہیں روک نہیں پایا۔

''ولی کو اگر کسی نے ہاتھ بھی لگایا تو منہ توڑ دوں گا اس کا۔'' محمد کی آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجی۔

''محمد! میری غلطی کی سزا تمہیں کیوں ملی۔'' وہ ہچکیوں کو روکتے ہوئے زیرِ لب بولا۔

''تم ایک انتہائی بیوقوف انسان ہو ولی!''اسے محمد کی ہنستے ہوئے کہی ہوئی بات یاد آگئی۔

''اس جیل سے ہم ہمیشہ کے لیے چار سال بعد ہی نکلیں گے۔''وہ پہلا دن...جب وہ کمپلیکس میں داخل ہوئے تھے...

''مگر تم نے تو ایک مہینہ بھی نہیں گزارا وہاں۔'' ولی زیرِلب بڑبڑایا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔سامنے صرف سفید دیواریں تھیں۔آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے باعث سب کچھ دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ دل ہی دل میں یہی چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وقت پلٹ جائے...اور وہ محمد کو بچالے...مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

''ایک سیلز مین کو مار کر اتنا خوش کون ہوتا ہے؟''محمد کی ہنستی ہوئی آواز پھر سنائی دی۔

''تم بھائی ہو میرے اور تمہارے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔''

''تم نے تو سچ میں ہی جان دے دی۔'' ولی نے آہستہ سے کہا، جیسے محمد ابھی بھی اسے سن رہا ہو۔

''تم مسلمان ہو جاؤ۔''وہی آخری جملہ ایک مرتبہ پھر اس کے کانوں میں گونجا۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا۔نرس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی اندر داخل ہوا۔دروازہ

کھلنے کی آواز پر ولی نے نظریں ان کی طرف اٹھائیں۔

''طبیعت کیسی ہے اب؟'' ڈاکٹر نے آکر دھیرے سے اس سے پوچھا۔

''پہلے سے بہتر ہوں۔'' اس نے بھی انسانوں کی طرح دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''تم نے کہا تم اس لڑکی کو جانتے ہو، وہ سچ میں تمہاری کزن ہے؟'' ڈاکٹر بنا دیری کے سیدھا مدعے پر آیا۔

''ہاں جی۔'' ولی نے مختصر سا جواب دیا۔

''تمہیں معلوم ہے وہ یہاں تک اس حالت میں کیسے پہنچے؟'' ڈاکٹر ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''نہیں۔''ولی نے نفی میں گردن ہلائی۔

''جس جگہ پر تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا عین اسی وقت اور اسی جگہ اس لڑکی کا بھی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔اس کے ساتھ گاڑی میں اس کے پیرنٹس بھی موجود تھے جواب نہیں رہے۔''ڈاکٹر اتنا کہہ کر ولی کو دیکھنے لگا۔

ولی خاموشی سے سب سنتا رہا۔اس کے چہرے پر کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر ڈاکٹر کو لمحہ بھر کو لگا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

''کیا تم سن رہے ہو؟'' ڈاکٹر نے ولی کو ہلایا۔

''جی میں سن رہا ہوں۔''ولی نے مختصر جواب دیا۔

''تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان کی پیرنٹس وہی موقع پر وفات پا گئے تھے جبکہ وہ لڑکی جس کی تم حنین کے نام سے شناخت کر رہے ہو، سر پر گہری چوٹ آنے کی وجہ سے وہ کوما میں ہے۔''وہ ولی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''اور میرا بھائی۔'' ولی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

وہ جانتے ہوئے بھی بار بار یہی سوال کر رہا تھا۔شاید دل کے کسی کونے میں امید کی ایک ننھی سی

چنگاری ابھی تک بجھی نہیں تھی۔

شاید وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایک بار کہہ دے...محمد زندہ ہے۔

''آئی ایم سوری! جب تک اسے بھی ہسپتال لایا گیا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔'' ڈاکٹر نے دھیرے سے کہا۔
یہ سنتے ہی ولی کے دل میں بچی ہوئی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کی ایک غلطی نے تین زندگیاں چھین لی تھیں۔
اور ایک زندگی کو موت اور زندگی کے درمیان معلق چھوڑ دیا تھا۔اب وہ یزمان، حنین اور ارقم سے کیسے معافی مانگے گا؟اپنے والدین کے سامنے کیسے جائے گا؟
وہ اپنے ہی گھر کے تین افراد کا قاتل بن چکا تھا۔اور جس لڑکی کے ساتھ وہ پوری زندگی گزارنے کے خواب دیکھتا تھا۔وہ اب اس کی وجہ سے کوما میں پڑی تھی۔
''تم ہمیں اپنے گھر سے کسی کا نمبر دو تاکہ اُنہیں اس سب کی خبر دے سکیں۔'' ڈاکٹر نے اسے کندھے سے ہلایا تو وہ خیالوں سے باہر آیا۔
''جی لکھیں۔'' وہ ابراہیم صاحب کا نمبر انہیں نوٹ کروانے لگا۔
ڈاکٹر نے نمبر نوٹ کیا، پھر ایک نظر ولی پر ڈالی اور خاموشی سے نرس کے ساتھ کمرے
سے باہر نکل گیا۔
دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ولی بے حس نظروں سے چھت کو گھورتا رہا۔
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چند گھنٹوں میں اس کی پوری زندگی اُس سے چھین لی گئی ہو۔جس زندگی پر وہ کل تک ناز کرتا تھا، آج وہی زندگی اسے اپنے وجود پر بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔
قدرت نے آخر کیوں اسے زندہ چھوڑ دیا تھا؟کیا یہ اس کی سزا تھی جو اس نے بھگتنی تھی یا پھر کچھ اور؟اس نے آہستہ سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
محمد کی مسکراتی ہوئی صورت ایک بار پھر اس کے ذہن میں ابھری۔
''تم مسلمان ہو جاؤ۔''
یہ الفاظ ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجے۔
اس بار اُس نے اُنہیں جھٹکنے کی کوشش نہیں کی۔اس کے بند پلکوں کے کناروں سے آنسو خاموشی سے بہہ نکلے۔

صدیوں سے راہ تکتی ہوئی گھاٹیوں میں تم
اک لمحہ آ کے ہنس گئے میں ڈھونڈھتا پھرا

راتیں ترائیوں کی تہوں میں لڑھک گئیں
دن دلدلوں میں دھنس گئے میں ڈھونڈھتا پھرا

راہیں دھوئیں سے بھر گئیں میں منتظر رہا
قرنوں کے رخ جھلس گئے میں ڈھونڈھتا پھرا

تم پھر نہ آسکو گے بتانا تو تھا مجھے
تم دور جا کے بس گئے میں ڈھونڈھتا پھرا

★。° ✦ °。★

حادثے کی خبر سنتے ہی اگلے روز ریان صاحب اور مسز ریان بھی پاکستان پہنچ گئے تھے۔ تمام قانونی کارروائی مکمل ہونے کے بعد محمد کی میت سمیت باقی دو میت بھی اسلام آباد روانہ کر دی گئی تھیں۔

حادثے کے بعد جب بھی کسی نے ولی سے اس کا نام پوچھا، اُس نے خود کو محمد ہی بتایا۔

وہ جانتا تھا کہ اس لمحے ولی کے زندہ رہنے سے کہیں زیادہ ضروری محمد کا زندہ رہنا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی شناخت بدل لی تھی اور سب نے اُس کی بات پر یقین بھی کر لیا تھا۔

آخر سب جانتے تھے کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ مگر کسی کو کیا خبر تھی کہ سچ بولنے والا محمد تو اس دنیا سے جا چکا تھا اور اُس کی جگہ ایک ایسا شخص زندہ تھا جو پہلی بار اپنی پوری زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بول رہا تھا۔

جس دن محمد کو قبر میں اتارا گیا، اسی دن سب کی نظروں میں ولی کی زندگی کا قصہ تمام ہو گیا تھا اور محمد، مر کر بھی ایک بار پھر زندہ ہو گیا تھا۔

محمد کو دنیا سے رخصت ہوئے پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

اس ایک ہفتے میں ولی نے کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس ہولناک حادثے کا اصل ذمہ دار وہ خود تھا۔ وہ مزید بوجھ اپنے سینے پر اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ تین قیمتی جانوں کا خون پہلے ہی اُس کی جان پر ایسا قرض بن چکا تھا جسے وہ شاید زندگی بھر ادا نہیں کر سکتا تھا اور ایک انسان کو وہ زندگی اور موت کے درمیان کھڑا کر چکا تھا۔

''مجھے واپس جانا ہو گا، مما۔'' وہ اس وقت اپنی ماں کے پاس بیٹھا آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

مسز ریان کی نم آنکھیں فوراً اُس پر جم گئیں۔ وہ ابھی بھی پٹیوں کی زد میں تھا۔ سر، بازو اور پاؤں پر ابھی بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے کچھ زخم کافی حد تک بھر چکے تھے اور باقی کے آنے والے وقت میں بھر جانے تھے مگر... مگر وہ ایک زخم جو اس کی روح پر لگا تھا وہ کبھی بھی نہیں بھرنے والا تھا۔

''ولی کو تو خدا نے لے لیا اور اب تم بھی ہمیں چھوڑ کر جانے کی باتیں کر رہے ہو؟'' ان کی آواز میں شکوے سے زیادہ خوف تھا۔

''مما... پلیز۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''نہیں، محمد! میں تمہیں ہرگز جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔''

''میں وہاں ایڈمیشن لے چکا ہوں، مما۔'' اس نے آخری دلیل دینے کی کوشش کی۔

''ایڈمیشن یہاں بھی ہو سکتا ہے۔''

''مگر... میں یہاں نہیں رہ سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے اُس کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ پھر پہلی بار ریان صاحب بولے۔

''جانے دو بچے کو... اگر وہ جانا چاہتا ہے تو۔''

''آپ بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں؟''

''مما... میں ہر ویک اینڈ پر واپس آجایا کروں گا۔ وعدہ۔''

وہ اُنہیں تسلی دینا چاہتا تھا، مگر جانتا تھا کہ بعض زخم وعدوں سے نہیں بھرتے۔

''محمد... آخر تم یہاں رہنا کیوں نہیں چاہتے؟'' ریان صاحب نے گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ ولی کے ہونٹ لرز گئے۔

''کیونکہ میں محمد کا قاتل ہوں... اور انکل آنٹی کا بھی۔ ہر بار آپ سب کو اُن کے لیے

روتا دیکھوں گا تو خود سے نظریں نہیں ملا سکوں گا...'' یہ الفاظ صرف اُس کے دل میں گونجے۔ زبان تک نہ آسکے۔

''بابا... مجھے بس یہاں سے جانا ہے۔''

وہ اس گھر میں آخر کیسے رہتا؟ ہر دیوار پر محمد کی ہنسی کی بازگشت تھی۔ ہر کمرے میں اُس کی یاد سانس لیتی محسوس ہوتی تھی۔

محمد کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایسا لگتا جیسے ابھی دروازہ کھلے گا اور وہ حسبِ معمول مسکراتا ہوا باہر آجائے گا۔ مگر ہر بار دروازہ بند رہتا... اور حقیقت اُس کے سینے میں ایک اور خنجر اتار دیتی۔

اسے اپنے والدین کی آنکھوں میں ہر روز وہ خالی پن دیکھنا پڑتا تھا جو صرف اولاد کے بچھڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ جانتا تھا... یہ خالی پن اسی نے پیدا کیا تھا۔

یزمان اور ارقم جب بھی اس کے سامنے آتے، اُس کی نظریں خود بخود جھک جاتیں۔ وہ اُن کے سامنے سر تک اٹھانے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا۔ وہ اُن کے والدین کا قاتل تھا۔ بھلا وہ کس حق سے اُن کے سامنے سر اٹھا کر کھڑا ہوتا؟

اور پھر... اُس کے دل میں ہر لمحہ ایک اور خوف بھی پل رہا تھا۔ اگر کبھی یہ راز کھل گیا کہ وہ محمد نہیں بلکہ ولی ہے... تو اُس جھوٹ کا کیا ہوگا جو اُس نے صرف اپنے والدین کو زندہ رکھنے کے لیے بولا تھا؟

یہ گھر اب اُس کے لیے پناہ نہیں، سزا بن چکا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ اُس کی اذیت میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا... اگر اسے سانس لینا ہے تو اسے یہاں سے جانا ہوگا۔

شاید فاصلے درد کو ختم نہ کر سکیں... مگر شاید اسے برداشت کرنے کے قابل ضرور بنا دیں۔

''جانے دو بچے کو...''

ریان صاحب نے آہستہ سے کہا۔

''شاید اس گھر کا ہر کونا اسے ولی کی یاد دلاتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئے۔

مسز ریان نے ایک ناراض، شکوہ بھری نظر محمد پر ڈالی اور پھر وہ بھی اُن کے پیچھے چل دیں۔ کمرے میں اب صرف خاموشی باقی رہ گئی تھی۔

ولی کافی دیر تک جھکی ہوئی گردن کے ساتھ اسی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ چاہ کر بھی وقت کو پیچھے نہیں لے جا سکتا تھا۔ نہ محمد واپس آسکتا تھا... نہ ارحم اور مسز ارحم۔

اس نے دو گھروں کی خوشیاں چھین لی تھیں۔ اب شاید اس کا سکون بھی اُس سے ہمیشہ کے لیے چھن چکا تھا۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں

جو کسی کے کام نہ آسکے، میں وہ ایک مُشتِ غُبار ہوں

★｡ ° ✦ ° ｡★

وہ اگلے ہی دن کمپلیکس واپس آ گیا تھا۔ کمپلیکس میں قدم رکھتے ہی ماضی کی ایک پوری دنیا اس کے سامنے زندہ ہو گئی۔ وہی راستے، وہی عمارتیں، وہی فضا... اور ان سب کے درمیان محمد کی مسکراتی ہوئی صورت۔

''اس کمپلیکس سے ہم چار سال بعد ہی نکلیں گے۔'' محمد کا کہا ہوا جملہ ایک تیز ہوا کے جھونکے کی طرح آ کر اس کے دل سے ٹکرایا۔

''تمہارا مطلب ہے اس جیل سے ہم اب چار سال بعد ہی باہر نکلیں گے؟'' اسے اپنا وہ جواب بھی لفظ بہ لفظ یاد آ گیا۔

وہ ابھی مین گیٹ پر ہی کھڑا تھا، مگر اس کے ذہن کے پردے پر ایک کے بعد ایک پرانی یادیں ابھر رہی تھیں، ایسی یادیں جو ہر بار اس کی روح کو اندر تک زخمی کر جاتی تھیں۔

''زیادہ اوور ایکٹنگ مت کرو۔'' اسے یاد آیا کہ یہ جملہ کہتے ہوئے محمد نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت بھی لگائی تھی۔

اس کے لبوں پر بے اختیار ایک مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

''تمہاری اینٹری ہو گئی ہے، تم جا سکتے ہو۔'' گارڈ کی آواز نے اسے اچانک خیالوں کی دنیا سے باہر نکال دیا۔

''میرا کارڈ۔'' اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

''یہ لو۔'' گارڈ نے اس کی طرف محمد کا کارڈ بڑھا دیا۔

وہ چند لمحے اس کارڈ کو زخمی تاثرات سے دیکھتا رہا، پھر خاموشی سے اسے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھا اور ہاسٹلز کی طرف بڑھ گیا۔

وہ جا چکا تھا... اب وہ کبھی واپس آنے والا نہیں تھا۔ وہ تو صرف جانے کے لیے آیا تھا... اور جاتے جاتے اپنی تمام یادیں ولی کے حوالے کر گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ کندھے پر بیگ تھا اور ہاتھ میں کمرے کی چابی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے والے بیڈ پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔

''تم کون ہو؟'' ولی نے دروازے ہی پر کھڑے کھڑے پوچھا۔

اس نے سر اٹھا کر ولی کی طرف دیکھا اور فوراً اپنے سامنے رکھا رجسٹر بند کر دیا۔

''تمہارا نیا روم میٹ ہوں۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

ولی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ سانولی رنگت، سادہ سا حلیہ اور عام سے کپڑے۔

وہ غالباً کسی متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ولی نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر خاموشی سے اپنے بیڈ پر جا بیٹھا اور شوز اتارنے لگا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟'' ولی نے شوز اتارتے ہوئے پوچھا۔

''افضال الیاس۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''اور تمہارا؟'' اس نے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، جواب اپنا سامان کپ بورڈ میں رکھ رہا تھا۔

''ول۔۔۔ محمد، محمد نام ہے میرا۔'' اپنا نام بتاتے ہوئے ولی کے چہرے پر کئی سایے آ کر گزر گئے۔

''کونسا سیمیسٹر چل رہا ہے؟'' ولی سامان رکھ کر اس کی طرف مڑا تو وہ دوبارہ رجسٹر کھول کر بیٹھ چکا تھا۔

''تیسرا۔'' وہ ہاتھ میں سرخ پین تھامے رجسٹر پر ڈاٹس لگا رہا تھا۔

''یعنی تم میرے سینئر ہوئے؟''ولی نے ایک ابرو اٹھا کر پوچھا۔

''سینئر اور جونئر کچھ نہیں ہوتا۔ہم سب برابر ہی ہیں۔''افضال نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ولی اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا۔

''تمہارے بھائی کا بہت افسوس ہوا مجھے۔''وہ رجسٹر پر نظریں جمائے بولا۔

ولی کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہی زخمی تاثرات ابھر آئے۔وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔چند لمحوں کے لیے کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

پھر ولی خاموشی سے اپنے بیڈ پر جا بیٹھا،دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

''میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔''محمد کی آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونج اٹھی۔

دوسری طرف افضال بھی خاموشی سے اپنے رجسٹر پر نہایت باریکی سے کوئی کام کر رہا تھا۔غالباً وہ کسی بہت بڑی جگہ کا نقشہ بنا رہا تھا،جسے اس نے خود تیار کیا تھا۔

کچھ دیر بعد فضا میں مغرب کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر!''

مؤذن نہایت سریلی آواز میں اللہ کی کبریائی بیان کر رہا تھا۔

کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی اور کھڑکی سے آتی اذان کی آواز پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔

''اشھدان اللہ الہ الا اللہ۔''مؤذن کی آواز ولی کے کانوں میں پڑی۔

آج پہلی مرتبہ وہ اتنی خاموشی اور اتنی توجہ سے اذان سن رہا تھا۔

''اس لائن کا مطلب کیا ہے؟'' ویسے ہی بیٹھے بیٹھے دھیرے سے بڑبڑایا۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

افضال،جو اپنا تمام کام چھوڑ کر پوری توجہ سے اذان سن رہا تھا،اس نے جواب دیا۔

''اشھدان محمد رسول اللہ۔''افضال نے مؤذن کے ساتھ زیرِ لب یہ الفاظ دہرائے۔

''حی علی الصلوۃ۔''مؤذن کی آواز ایک مرتبہ پھر فضا میں گونجی۔

ایک عجیب سا سکون تھا،جو اذان کے ہر لفظ کے ساتھ ولی کے اندر اترتا جا رہا تھا۔وہ خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے انہی الفاظ کو سنتا رہا۔

''حی علی الفلاح۔''

''ان الفاظوں کا کیا مطلب ہے؟''وہ پھر دھیرے سے بڑبڑایا۔

''آؤ کامیابی کی طرف۔''افضال نے نہایت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر۔لا الہ الا اللہ۔''مؤذن آخری الفاظ ادا کر کے خاموش ہو گیا۔

افضال اپنے بیڈ سے اترا، قمیض کی کف فولڈ کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''تم نہیں آرہے؟''اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر تھا جب اس نے مڑ کر ولی سے پوچھا۔

وہ بدستور دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''کہاں؟''ولی نے آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''کامیابی کی طرف؟''اس نے ویسے ہی کھڑے کھڑے جواب دیا۔

یہ سنتے ہی ولی چند لمحوں کے لیے سکتے میں آ گیا۔

''اگر یہ کامیابی ہے تو پھر جن کامیابیوں کے پیچھے ہم اس دنیا میں بھاگتے ہیں وہ کیا ہیں؟ جس پیسے کو ہم کامیابی سمجھتے ہیں کیا وہ حقیقت میں کامیابی نہیں ہے؟ جس لگژرے لائف کو ہم اپنی کامیابی مانتے ہیں وہ حقیقت میں کیا ہے؟''

اچانک اس کے ذہن میں بے شمار سوالات جنم لینے لگے۔

''میں نماز نہیں پڑھتا۔''ولی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''کیوں؟''

''میرا من نہیں کرتا۔''ولی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''کبھی کسی نے تمہارا کوئی میسج دیکھ کر یا سن کر اگنور کیا ہے؟''افضال نے پوچھا۔

''ہاں۔''ولی نے مختصر جواب دیا۔

''تو پھر کیسا محسوس ہوتا ہے؟''

''بہت بُرا فیل ہوتا ہے۔''

''تمہیں بُرا فیل نہیں ہونا چاہیے، ہو سکتا ہے اس کا بھی جواب دینے کا من نہ کر رہا ہو۔''اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں ایک بار پھر وہی خاموشی اتر آئی۔

ولی سوچنے لگا کہ آخر اس نے یہ مثال کیوں دی؟ اس نے میسج کو نماز سے کیوں جوڑا؟ کچھ دیر غور کرنے کے بعد اسے بات سمجھ آ گئی۔

اذان بھی تو ایک پیغام ہے... ایک ایسا پیغام جو براہِ راست خدا کی طرف سے آتا ہے اور وہ برسوں سے اس پیغام کو سنے جا رہا تھا، مگر ہر بار اسے نظر انداز کر دیتا تھا۔

جب ایک عام انسان کے میسج کو نظر انداز کرنے پر اتنا بُرا محسوس ہوتا ہے، تو پھر جس رب کا پیغام وہ برسوں سے مسلسل نظر انداز کرتا آیا تھا... اسے کیسا محسوس ہوتا ہو گا؟

اس نے نظریں اٹھا کر بند دروازے کی طرف دیکھا، جس سے چند لمحے پہلے افضال باہر گیا تھا۔ وہ کتنی آسانی سے ایک چھوٹی سی مثال دے کر نماز کی اہمیت اس کے دل میں اتار گیا تھا۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''

اسے خواب میں سنائی دینے والی وہ پراسرار آواز ایک بار پھر یاد آ گئی۔ وہ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

پھر بیٹھے بیٹھے ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگائے گہری نیند میں چلا گیا۔

★。° ✦ °。★

افضال جب کمرے میں واپس آیا تو ولی کو اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے سویا ہوا پایا۔اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی، سانسیں بے ترتیب تھیں اور چہرے پر ایسی تھکن نقش تھی جیسے کئی برسوں کا بوجھ ایک ہی رات میں اس کے کندھوں پر آن پڑا ہو۔

افضال آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔اس نے احتیاط سے اس کے کندھوں کو سہارا دیا، اسے سیدھا لٹا کر سر کے نیچے تکیہ رکھا اور گھٹنوں تک چادر پھیلا دی۔اس دوران ولی بے خبر سویا رہا، جیسے نیند نہیں بلکہ بے ہوشی نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔

افضال چند لمحے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

ولی کے چہرے پر زمانے بھر کی تھکن اتر آئی تھی۔جوان بھائی کی جدائی کا دکھ کیا ہوتا ہے، افضال نہیں جانتا تھا... مگر اس کے سامنے لیٹا شخص اس اذیت کے ہر رنگ سے گزر رہا تھا۔ایسا دکھ جس میں انسان کی آنکھیں تو بند ہو جاتی ہیں، مگر اندر کا شور سونے نہیں دیتا۔

جب افضال نے اس کے بازو کو چھوا تھا تو اسے محسوس ہوا تھا جیسے اس کا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا۔

اس نے دوبارہ ہاتھ کی پشت ولی کی پیشانی پر رکھی۔اس بار کوئی شک باقی نہ رہا۔اسے بخار تھا۔

وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکلا اور سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا۔چلتے چلتے وہ ذیشان صاحب کے ہاؤس کے باہر آ کر رک گیا۔دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے وہ چند لمحے تذبذب میں مبتلا رہا۔

''اس وقت پریشان کرنا ٹھیک ہو گا... یا نہیں؟''

کچھ دیر سوچنے کے بعد آخر کار اس نے ہلکی سی دستک دے ہی دی۔

تقریباً دو منٹ بعد دروازہ کھلا۔

سامنے ذیشان صاحب کھڑے تھے۔ان کے ہاتھ میں باریک سا برش تھا جس کے سروں پر سنہری رنگ چمک رہا تھا۔ان کی انگلیوں پر بھی رنگ کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی۔معلوم ہوتا تھا وہ ابھی تک اپنے فن میں محو تھے اور نیند ان کی دہلیز تک بھی نہیں پہنچی تھی۔

''آؤ افضال!'' انہوں نے اسے اندر بلایا۔

افضال خاموشی سے اندر داخل ہو گیا۔

ہاؤس کا نقشہ ہمیشہ کی طرح سادہ مگر دلکش تھا۔مرکزی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔اس کے درمیان پتھروں سے بنا ایک باریک راستہ سیدھا ہال تک جاتا تھا۔ہال کے ساتھ ایک کمرہ اور اس سے متصل ایک چھوٹا سا اسٹور روم تھا جہاں خطاطی کا سارا سامان نہایت ترتیب سے رکھا رہتا تھا۔

قاری ذیشان عزیز ایک جدید طرز کے خطاط، قاری اور قرآنِ مجید کے لکھاری تھے۔وہ ان تینوں میدانوں میں اپنی الگ پہچان رکھتے تھے۔برسوں کی محنت سے وہ اپنے ہاتھوں سے کئی مصاحف تحریر کر چکے تھے، جن میں سے ایک قرآن مسلم ہینڈز اور قاری ذیشان عزیز کی جانب سے پاکستان کے صدر عارف علوی صاحب کو بطور تحفہ بھی پیش کیا جا چکا تھا۔

''سر! محمد کو بہت تیز بخار ہے۔'' افضال بنا تمہید کے اصل بات پر آ گیا۔

ذیشان صاحب دوبارہ کارپٹ پر بیٹھ چکے تھے اور برش کے نرم اسٹروکس سے کینوس پر رنگ بکھیر رہے تھے۔انہوں نے کام سے نظریں اٹھا کر افضال کو دیکھا۔

''میں آپ سے میڈیسن لینے آیا تھا کیونکہ ڈسپینسری آج بند تھی۔''

اب انہیں پوری بات سمجھ آگئی۔

''تم یہیں بیٹھو میں آتا ہوں۔''وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلے گئے۔

چند لمحوں بعد واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ گرم دودھ کے گلاس سے ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی،ساتھ چند بسکٹس اور بخار کی دوائیں رکھی تھیں۔

''یہ لو!''انہوں نے ٹرے افضال کے حوالے کی اور دوبارہ اپنے کینوس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''شکریہ سر۔''ذیشان صاحب نے صرف سر کے ہلکے سے خم سے اس کا شکریہ قبول کیا۔

''وہ کب سے بیمار ہے کیونکہ وہ آج ایک بھی نماز میں نظر نہیں آیا؟''

افضال جو ہال کے دہانے تک پہنچ چکا تھا،وہیں رک گیا۔

''معلوم نہیں سر! مجھے تو ابھی محسوس ہوا تھا کہ وہ بیمار ہے اور۔''وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

''اور؟''

''اور یہ کہ جب میں نے نماز کا کہا تو وہ کہنے لگا اس کا من نہیں ہے۔''

ذیشان صاحب چند لمحے خاموش رہے۔

ان کی نظریں افضال پر تھیں مگر جیسے سوچیں کسی اور سمت جا پہنچی ہوں۔وہ صرف بخار کی بات نہیں سمجھ رہے تھے... وہ اس بخار سے کہیں زیادہ خطرناک بیماری کو پہچان چکے تھے،جو انسان کے جسم میں نہیں،دل میں ہوتی ہے۔

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔''انہوں نے مختصر سا کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

افضال خدا حافظ کہتا باہر نکل آیا۔کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو ولی اسی طرح بے سدھ لیٹا ہوا تھا۔

''محمد!''اس نے نرمی سے اسے جگانے کی کوشش کی۔

''محمد اٹھو۔''اس بار اس نے اس کے کندھے کو ہلایا۔کوئی جواب نہ آیا۔

''محمد اٹھو میڈیسن لو۔''اس نے نسبتاً زور سے اسے جھنجھوڑا۔

ولی ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

سانس تیز چلنے لگی تھیں،چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔اس نے پہلے انگلیوں سے اپنی آنکھیں ملیں،پھر ماتھے پر شکنیں ڈالتے ہوئے چند لمحے خالی نظروں سے افضال کو دیکھتا رہا،جیسے ابھی تک خواب اور حقیقت میں فرق نہ کر پا رہا ہو۔

''یہ لو! دودھ پیو اور میڈیسن کھالو۔''افضال نے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

ولی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔نیند کے اچانک ٹوٹنے پر ایک لمحے کو اس کے اندر غصے کی لہر اٹھی،مگر اگلے ہی لمحے اس نے ہونٹ بھینچ کر اسے اپنے اندر دفن کر دیا۔

''یہ۔۔۔یہ سب کس لیے؟''بخار کے باعث اس کی آواز بھاری اور ٹوٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''تمہیں بہت تیز بخار ہے۔''افضال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی پیشانی سے لگا دیا۔

تب ولی کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس کا پورا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ بازو سیسے کی طرح بھاری تھے، ہڈیاں درد سے چیخ رہی تھیں اور سر میں یوں درد تھا جیسے اندر کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہو۔

اس نے ایک نظر افضال کو دیکھا، پھر ٹرے کی طرف۔

''یہ سب کس نے بھیجا ہے؟''

''سر ذیشان نے۔''افضال نے مختصر جواب دیا اور اپنے بیڈ کی چادر درست کرنے لگا۔

ولی خاموشی سے اٹھا اور اٹیچ باتھ روم میں چلا گیا۔

واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹھنڈا پانی بھر کر کئی بار چہرے پر مارا۔ پانی کے قطرے اس کے چہرے سے پھسلتے ہوئے گردن تک بہنے لگے، مگر اندر جلتی آگ ذرا بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔

جب وہ واپس آیا تو افضال اپنے بیڈ پر لیٹ چکا تھا۔ ولی خاموشی سے اپنے بیڈ پر بیٹھا، دودھ کے ساتھ چند بسکٹس کھائے، دوائی لی اور لیٹ گیا۔

لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک... ٹک... سنائی دے رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ دوبارہ اٹھ بیٹھا۔ کپ بورڈ کھول کر اس نے ایک پتے سے سلیپنگ پل نکالی، پانی کے ساتھ نگلی اور پھر واپس بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد دوا نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

محمد کے ساتھ اس رات ہونے والی بحث کے بعد سے سکون اس کی زندگی سے جیسے رخصت ہو گیا تھا۔ وہ راتوں کو جاگتا رہتا، کروٹیں بدلتا رہتا اور آخر کار انہی گولیوں کا سہارا لیتا۔ اسے اب یقین ہونے لگا تھا کہ شاید ان گولیوں کے بغیر سونا اس کے لیے تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو بخار خاصا اتر چکا تھا۔ اس نے سامنے افضال کے خالی بیڈ پر نظر ڈالی۔ وہ شاید یونیورسٹی جا چکا تھا۔

کلائی پر بندھی گھڑی نو بجنے کا اشارہ دے رہی تھی۔ ولی نے زیادہ دیر ضائع نہ کی۔ وہ اٹھا، فریش ہوا اور کچھ ہی دیر بعد یونیورسٹی کی کلاس میں بیٹھا تھا۔

کلاس میں اس وقت اسلامک اسٹڈیز کا لیکچر جاری تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آج پہلی بار ولی کی نظریں پوری توجہ سے لیکچرار پر جمی ہوئی تھیں۔

لیکچر دینے والے قاری ذیشان عزیز تھے۔ وہ کلاس کے سامنے خاموش و قار کے ساتھ کھڑے تھے۔

''انسان جب کسی اپنے کو کھو دیتا ہے تو اکثر اللہ سے بھی دور ہونے لگتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ شاید اللہ نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اللہ سے دور ہو کر دکھ کبھی کم نہیں ہوتا، بلکہ انسان تنہا ہو جاتا ہے۔''کلاس پر مکمل سکوت طاری تھا۔

''ہم اللہ کو اس وقت تک اپنا مانتے رہتے ہیں جب تک ہماری مرضی پوری ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بندگی کا اصل امتحان وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں ہماری مرضی ختم اور اللہ کی مرضی شروع ہوتی ہے۔''ولی کی جھکی ہوئی نظریں بے اختیار اٹھیں۔

''اگر دنیا کا ہر سہارا چھن جائے تو بھی ایک سہارا باقی رہتا ہے... اللہ۔ اور جس کے پاس اللہ رہ جائے، حقیقت میں اس سے کچھ بھی نہیں چھنتا۔''یہ جملہ نہ جانے کیوں سیدھا ولی کے دل میں اتر گیا۔

''کبھی کبھی اللہ انسان سے وہ چیز لے لیتا ہے جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹ آئے۔ آزمائش سزا نہیں ہوتی، اکثر وہ واپسی کا راستہ ہوتی ہے۔'' ولی کی انگلیاں کرسی پر بے اختیار سمٹ گئیں۔

کچھ دیر بعد جب لیکچر ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو طلبہ آہستہ آہستہ کلاس سے باہر نکلنے لگے۔ کرسیوں کے سرکنے اور قدموں کی آہٹوں کے درمیان ولی بھی خاموشی سے اپنا بیگ اٹھائے دروازے کی طرف بڑھا، مگر جیسے ہی وہ کلاس روم کے دہانے پر پہنچا، اس کے قدم خود بخود رک گئے۔

ذیشان صاحب ابھی بھی کلاس میں ہی موجود اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔

ولی چند لمحے خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

''اُس سب کے لیے شکریہ۔'' یہ گزشتہ رات کے لیے ادا کیا جانے والا شکریہ تھا۔

ذیشان صاحب نے صرف سر کے ہلکے سے خم سے اس کا شکریہ قبول کیا۔

''تمہارے بھائی کا سن کر افسوس ہوا، میری طرف تعزیت قبول کریں۔'' اُنہوں نے ولی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ولی نے ان کی تعزیت کو سر کے ہلکے خم سے قبول کیا اور سر جھکا لیا۔

''طبیعت کیسی ہے اب؟'' انہوں نے پوچھا۔

''پہلے سے بہتر ہوں۔'' ولی نے سر جھکائے ہی کہا۔

ذیشان صاحب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری انہوں نے کچھ اور نہیں کہا، بس خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔

وہ بہت کم بولتے تھے... مگر جب بولتے تھے تو لفظ ختم ہونے کے بعد بھی ان کی بات دیر تک انسان کے اندر گونجتی رہتی تھی۔

ولی کافی دیر تک ان کی جاتی ہوئی پشت کو دیکھتا رہا۔

اسے خود پر حیرت ہوئی۔

آج پہلی بار اس نے دل سے کسی کا شکریہ ادا کیا تھا... اور عجیب بات یہ تھی کہ اس کے بعد اسے اپنے اندر ہلکا پن محسوس ہو رہا تھا۔

وہ انہی خیالوں میں چلتا ہوا یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔ دور ایک کونے میں رکھا پتھر کا بینچ تقریباً خالی تھا۔ وہ جا کر اس پر بیٹھ گیا۔ ہلکی ہوا درختوں کی شاخوں کو جنبش دے رہی تھی۔

اس کے جسم کے زخم اب کافی حد تک بھر چکے تھے، مگر بازوؤں اور چہرے پر باقی رہ جانے والے نشانات ہر صبح اسے وہ حادثہ یاد دلا دیتے تھے... اور ان نشانات کو دیکھ کر اس کے دل کا زخم پھر سے ہرا ہو جاتا تھا۔

وہ خاموشی سے سامنے پھیلے سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک کسی نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے گردن موڑی۔ افضال اس کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''کن خیالوں میں گم ہو؟'' وہ اس کے برابر آ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔

''خیالوں میں تو نہیں کھویا ہوا تھا۔'' ولی نے دھیرے سے جواب دیا۔

''مگر مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے بہت گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔''

''میں کچھ دیر ایسے ہی بیٹھنا چاہتا تھا۔'' ولی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''وہ دراصل صبح روم کی چابی روم میں ہی رہ گئی تھی، تو میں نے سوچا تم سے لے لوں۔''

''یہ لو۔''ولی نے جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔

افضال نے چابی پکڑی اور کھڑا ہو گیا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ ولی اس وقت تنہائی چاہتا ہے،اس لیے خاموشی سے واپس مڑنے لگا۔

''بات سنو!''ولی کی آواز پر وہ رک گیا۔

''مسلمان ہونے کے لیے کیا کرنا پڑتا ہے؟''افضال آہستہ سے پلٹا۔اس کی آنکھوں میں حیرت ضرور تھی،مگر اس نے اس حیرت کو سوال نہیں بننے دیا۔

''تمہیں مسلمان ہونا ہے؟''

''پتہ نہیں۔''ولی نے بے بسی سے کندھے ہلائے۔

''کیا تم ابھی مسلمان نہیں ہو؟''افضال دوبارہ چل کر اس کے قریب آ گیا۔

''معلوم نہیں۔''

''تمہیں کیوں لگا کہ تمہیں مسلمان ہونے کی ضرورت ہے؟''وہ دوبارہ بینچ پر بیٹھ گیا۔

ولی نے نظریں جھکالیں۔

''میرے بھائی نے کہا تھا کہ اس کی خواہش ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔''آخری لفظوں کے ساتھ اس کی آواز لرز گئی۔

وہ اپنی آنکھوں میں اترنے والی نمی کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''یعنی وہ سمجھتا تھا کہ تم مسلمان نہیں ہو؟''

''شاید۔''

افضال چند لمحے خاموش رہا،پھر نرمی سے بولا،

''تم ایک خدا کو مانتے ہو؟''

''پہلے نہیں مانتا تھا۔''ولی نے نفی میں سر ہلایا۔

افضال نے گہرا سانس لیا۔

''محمد... اگر تم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہو تو تمہیں نیا مسلمان بننے کی ضرورت نہیں،تمہیں صرف واپس اپنے رب کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔''

ولی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا میں مسلمان ہو سکتا ہوں؟''اس کی آواز میں امید سے زیادہ خوف تھا۔

''کیوں؟تم کیوں نہیں مسلمان ہو سکتے؟''

''کیونکہ میں ہمیشہ سے خدا کا انکار کرتا آیا ہوں۔''الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی گردن مزید جھک گئی۔

''میں وہ باغی انسان ہوں جس نے اپنے ہی خدا سے بغاوت کی۔''اس کی آواز ٹوٹ گئی۔

افضال نے خاموشی سے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پر نہ ملامت تھی،نہ حیرت،نہ نفرت صرف شفقت تھی۔

''مگر خدا تو آج بھی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''اس نے دھیرے سے کہا۔

ولی نے بے اختیار سر اٹھایا۔

اسے لگا تھا افضال شاید اب اس سے دور ہو جائے گا... مگر وہ تو پہلے سے بھی زیادہ سکون کے ساتھ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

اس نے نہ اسے جج کیا...نہ ماضی کا طعنہ دیا...وہ صرف اسے امید دے رہا تھا۔

''تم ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہو نا؟''ولی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر واپس پلٹ جاؤ خدا کی طرف جہاں تم نے اسے چھوڑا تھا۔''

ولی کی پلکوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر اس کی جھولی میں آ گرا۔

''کیا وہ آج بھی وہیں ہو گا جہاں میں نے اسے کھویا تھا؟''اس نے بمشکل پوچھا۔

افضال کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔

''ظاہر ہے۔وہ تو آج بھی وہیں ہے جہاں تم اسے چھوڑ کر آگے نکل آئے تھے۔وہ تو آج بھی تمہارے لوٹ آنے کی امید میں ہے۔واپس پلٹ جاؤ اور اس سے معافی مانگ لو بس۔''

ولی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''بس؟''اس کی آنکھوں میں ناقابل یقین حیرت تھی۔

''ہاں بس۔''

''وہ یہ نہیں پوچھے گا میں اتنا عرصہ کہاں رہا؟ کن جگہوں پر جاتا رہا؟ کن کن برائیوں میں ملوث رہا؟ کب کب اس کی نافرمانی کی؟''

افضال نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

''محمد! یقین کرو وہ تم سے ایک سوال بھی نہیں کرے گا۔وہ تمہیں فوراً معاف کر کے اپنا لے گا۔وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی دھتکارتا نہیں ہے۔''اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ

رکھا۔

''تمہیں معلوم بھی ہے میں نے آج تک کتنے گناہ کیے ہیں۔''ولی کی آواز اب سرگوشی سے بھی مدھم تھی۔

''محمد! وہ خدا ہے۔وہ کبھی بھی تمہارے گناہوں کو تمہاری توبہ کے وقت تمہارے منہ پر نہیں

مارے گا۔''

''کیا وہ اتنی آسانی سے سب کچھ معاف کر دے گا؟''

''اللہ معاف کر دیتا ہے محمد! تمہارے گناہ اگر آسمان کو چھونے لگیں اور پوری دھرتی پر پھیلے ہوئے ہوں اور تم اس حالت میں بھی اگر اس سے سچے دل سے توبہ کرو گے تو وہ تمہارے سارے گناہ فوراً معاف کر دے گا۔''

ولی خاموش ہو گیا۔

افضال کی آواز میں ایسا یقین تھا جیسے وہ کسی دیکھی ہوئی حقیقت کی خبر دے رہا ہو۔ولی کے اندر برسوں سے جمی ہوئی مایوسی کی دیوار میں پہلی بار ایک باریک سی دراڑ پڑی۔

اگر واقعی... صرف واپس لوٹ آنے سے سب کچھ بدل سکتا تھا... تو پھر وہ اتنے برس اپنے رب سے دور کیوں بھاگتا رہا؟ کیا واقعی اس کا رب آج بھی اسی طرح اس کا انتظار کر رہا تھا؟ اگر ایسا تھا... تو وہ اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں چلتا ہوں۔'' افضال اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

چند قدم چلنے کے بعد ہی ولی نے اسے دوبارہ پکارا۔

''سنو!''

افضال پلٹا۔

ولی نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

''شکریہ!'' آج دوسری بار اس نے دل کی گہرائی سے کسی کا شکریہ ادا کیا تھا۔

افضال نے پہلے ولی کو دیکھا، پھر آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں، جیسے خاموشی سے ساری تعریف اپنے رب کی طرف لوٹا رہا ہو۔

پھر اس نے دو انگلیاں کنپٹی تک لے جا کر ہلکے سے ماتھے کو چھوا اور انہیں اس سے جدا کیا۔

''پھر ملتے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہاں سے چل دیا۔

ولی کافی دیر تک اسی بینچ پر خاموشی سے بیٹھا رہا۔

★｡˚ ✦ ˚｡★

یہ عصر کے بعد کا وقت تھا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی سمت جھک رہا تھا اور اس کی سنہری کرنیں کمپلیکس کی عمارتوں پر بکھر کر ایک عجیب سی اداس خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔ میدان میں زندگی اپنے پورے شور کے ساتھ رواں تھی۔ کمپلیکس کے تقریباً تمام لڑکے مختلف کھیلوں میں مصروف تھے۔ کہیں کرکٹ کی گیند بلے سے ٹکرا کر بلند آواز پیدا کر رہی تھی، کہیں فٹ بال کے پیچھے دوڑتے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی اور کہیں والی بال کے نیٹ کے اِدھر اُدھر خوشی سے گونجتی آوازیں ماحول کو زندہ کیے ہوئے تھیں۔

کمپلیکس میں ہر کام کا ایک مقررہ وقت تھا۔ کب جاگنا ہے، کب ناشتہ کرنا ہے، کب پڑھنا ہے، کب آرام کرنا ہے، کب کھیلنا ہے اور کب سونا ہے، ہر چیز ایک باقاعدہ نظم کے تحت انجام دی جاتی تھی۔ عصر کے بعد کا وقت کھیل کود کے لیے مخصوص تھا، اسی لیے ہر طرف نوجوانوں کی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔

مگر اس تمام رونق کے برعکس، ولی اپنے کمرے میں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ باہر کی دنیا میں شور تھا، لیکن اس کے اندر ایک ایسی خاموش جنگ برپا تھی جس کی آواز صرف وہی سن سکتا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے دنیا کے سارے رنگ اپنی چمک کھو چکے ہوں۔ کچھ تھا جو آہستہ آہستہ اس کے اندر بدل رہا تھا، مگر وہ خود بھی اس تبدیلی کو پوری طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ کچھ ہی دیر پہلے گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا تھا۔ سانس تیز چل رہی تھی اور ماتھے پر پسینے کے باریک قطرے نمودار ہو چکے تھے۔ اس نے خواب میں پھر وہی آواز سنی تھی۔ ایک ایسی آواز جو نہایت پُرسکون تھی، مگر اس کے دل میں عجیب سی ہلچل مچا دیتی تھی۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''

ہر مرتبہ یہی الفاظ سن کر وہ چونک کر اٹھ بیٹھتا تھا، جیسے کسی نے اسے گہری نیند سے جھنجھوڑ کر جگا دیا ہو۔

وہ آہستہ سے بستر سے اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ واش بیسن کا نل کھول کر اس نے ٹھنڈے پانی کے کئی چھینٹے اپنے چہرے پر مارے۔ ٹھنڈے پانی نے چہرے کی حدت تو کم کر دی، مگر دل کی بے چینی ویسے ہی باقی رہی۔ کچھ دیر وہ دونوں ہاتھ واش بیسن پر رکھے سر جھکائے کھڑا رہا، جیسے اپنے ہی وجود سے کوئی جواب مانگ رہا ہو۔ پھر ایک لمبی سانس لے کر باہر نکل آیا۔

اس نے انگلیوں سے بکھرے ہوئے بال درست کیے، ہلکی سی نظریں آئینے پر ڈالیں اور کمرے سے نکل کر ہاسٹل کی عمارت سے باہر آ گیا۔

باہر کی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی، مگر اس کے اندر کا اضطراب ذرا بھی کم نہ ہوا۔ وہ خاموش قدموں سے چلتا رہا، یہاں تک کہ ذیشان صاحب کے ہاؤس کے سامنے جا کر رک گیا۔ چند لمحے وہ دروازے کو خاموشی سے دیکھتا رہا، جیسے فیصلہ کرنے میں تذبذب محسوس کر رہا ہو۔ آخر کار اس نے ہمت کر کے دروازے پر دستک دے دی۔

ایک ہلکی سی کلک کی آواز آئی اور دروازہ ان لاک ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے ذیشان صاحب دروازے پر نمودار ہوئے۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' ولی نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

ذیشان صاحب مسکرا کر ذرا ایک طرف ہٹ گئے۔ ان کا خاموش انداز ہی اجازت کے لیے کافی تھا۔

کچھ دیر بعد دونوں روم میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ کمرے میں ہلکی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر کھیلتے لڑکوں کی مدھم آوازیں اب بھی اندر تک آ رہی تھیں، مگر یہاں ماحول سنجیدہ تھا۔

''کیسے آنا ہوا محمد؟'' انہوں نے ولی سے پوچھا۔

ولی چند لمحے خاموش بیٹھا لب کاٹتا رہا۔ وہ جیسے اپنے منتشر خیالات کو الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' ولی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''ہاں جی بولیں میں سن رہا ہوں۔'' ذیشان صاحب ذرا آگے کو ہو بیٹھے۔

''سر! وہ۔۔۔ اس دن۔۔۔ اس دن حادثے میں مرنے والا ولی نہیں بلکہ۔۔۔ بلکہ محمد تھا۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہی ولی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پہلی بار خود بھی اس حقیقت کو پوری طرح قبول کر رہا ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ اس حادثے میں صرف محمد ہی نہیں مرا تھا، اس دن پرانا ولی بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

وہ اب وہی لڑکا نہیں رہا تھا جو اس حادثے سے پہلے تھا۔ اس حادثے نے اس کے وجود، اس کی سوچ اور اس کے دل کے اندر کچھ ایسا توڑ دیا تھا جو دوبارہ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔

ولی کے سچ بتانے پر ذیشان صاحب گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''تو تم کہہ رہے ہو اس حادثے میں فوت ہونے والا ولی محمد نہیں بلکہ محمد علی تھا؟'' ذیشان صاحب نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''جی سر۔'' ولی نے یہ کہتے ہی سر جھکا لیا۔

''تم نے پھر سب کو یہ کیوں کہا کہ اس دن فوت ہونے والا ولی تھا؟''

''میرے والدین محمد سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، اگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس حادثے میں محمد کی موت ہو گئی ہے تو وہ یہ غم کبھی برداشت نہ کر پاتے۔''

''تو کیا انہوں نے تمہاری موت کا غم برداشت کر لیا؟'' ذیشان صاحب نے گہری نظروں سے ولی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ سوال سنتے ہی ولی کے پاس کوئی جواب نہ رہا۔اس کی نظریں جھک گئیں۔اسے پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ وہ بھی تو انہی کا بیٹا تھا۔اگر وہ محمد کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے تو اس کی موت کا صدمہ کیسے سہہ سکتے تھے؟

''شاید میں نے غلطی کر لی۔'' ولی کے چہرے پر شرمندگی نمایاں تھی۔

''تو کیا تم اب محمد بن کر اپنے والدین کو ویسے ٹریٹ کر پاؤ گے جیسے محمد کیا کرتا تھا؟'' انہوں نے ولی سے پوچھا۔

''شاید نہیں۔'' ولی کے بے بسی سے کندھے ڈھلک گئے۔

''پھر تمہیں اپنے والدین کو سچ بتا دینا چاہیے۔'' ذیشان صاحب نے مشورہ دیا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے دوٹوک کہا۔

ذیشان صاحب خاموشی سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

چند لمحوں تک کمرے میں مکمل سکوت چھایا رہا۔دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

''سر! مجھے آپ سے ایک اور بات شئیر کرنی ہے۔''ولی نے اس خاموشی کو توڑا۔

''جی بولیں۔'' ذیشان صاحب پھر سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''پچھلے کافی عرصے سے مجھے ایک خواب آتا ہے اور اس میں مجھ سے کوئی کہتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چلوں۔''

وہ ایک لمحے کے لیے رکا، جیسے الفاظ خود اس کے لیے بھی اجنبی ہوں۔

''پھر وہ خواب وہیں ختم ہو جاتا ہے اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔''

اس کی آنکھوں میں الجھن، خوف اور امید تینوں ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔

ذیشان صاحب خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔پہلے انہوں نے ولی کی طرف دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں، جیسے وہ اس کی بات کو اپنے دل میں تول رہے ہوں۔

''تم اس پروردگار کی طرف لوٹ جاؤ ولی! وہ تمہیں اپنی طرف لوٹ آنے کا کہہ رہا ہے۔''

کافی دیر کی خاموشی کے بعد جب وہ بولے تو ان کی آواز میں نمی صاف محسوس ۔

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' ولی نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا۔

''کچھ لوگ ہوتے ہیں جو خود ہدایت چاہتے ہیں اور پھر اُنہیں ہدایت عطا کر دی جاتی ہے۔'' ان کا سر جھکا ہوا تھا۔

''مگر ان کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جنہیں اللہ خود اندھیروں سے کھینچ کر نکالتا ہے اور انہیں روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔'' انہوں نے نظریں اُٹھا کر ولی کی طرف دیکھا۔

''یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ نے خاص اپنے لیے بنایا ہوتا ہے۔'' وہ ولی کو حسرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں خدا کا خاص بندہ ہوں؟'' ولی نے حیرت سے اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تمہیں ایسا محسوس نہیں ہوا؟''ذیشان صاحب نے واپس اس سے سوال کر لیا۔

ولی ٹکر ٹکر ان کے چہرے کو تکنے لگا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے؟

''جب اللہ کے بندے اللہ کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتے ہیں تو پھر اللہ انہیں دنیا ہی کے ہاتھوں توڑتا ہے اور پھر اپنے پاس بلا کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ کون تمہارا میرے سوا؟''

''مگر سر میں بہت گنہگار ہوں۔'' اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''کتنے گنہگار ہو؟'' ذیشان صاحب نے اس سے پوچھا۔

''ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جو ولی نے نہ کیا ہو سر۔ میں اتنا گنہگار ہوں کہ میرے گناہوں کا کوئی حساب نہیں لگا سکتا۔ میں کیسے اس خدا کی طرف لوٹ جاؤں؟'' کیا عجیب بے بسی تھی جو اس وقت ولی پر حاوی تھی۔

''سچے دل سے توبہ کر لو وہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''

''کیا وہ سچ مچ میرے اتنے گناہوں کو بخش دے گا۔'' اس نے اپنے ہاتھوں کی بند مٹھیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں اللہ سے توبہ کر لینی چاہیے۔'' ذیشان صاحب نے اتنا کہا جب مغرب کی اذان فضا میں گونجنے لگی۔

''سر!'' ولی نے انہیں دھیرے سے پکارا۔

''ہوں؟'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اللہ کون ہے اور کیا ہے؟ کیا اس کا جسم ہے؟ کیا وہ کوئی روح ہے؟ کیا اس کا سایہ بھی ہے؟'' ولی نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا جو قمیض کے کف لنکس اتار رہے تھے۔

''یہ بات تم خود اللہ سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟'' ذیشان صاحب اس کی طرف جھکے اور بہت ہی دھیمی آواز میں کہا۔

ذیشان صاحب اتنا تو سمجھ ہی چکے تھے کہ وہ کوئی عام لڑکا نہیں تھا۔ وہ ان خاص بندوں میں سے تھا جنہیں اللہ خود چنتا ہے۔ وہ ان خاص لوگوں میں سے تھا جنہیں اللہ نے خاص اپنے لیے بنایا ہوتا ہے تبھی تو وہ بھری جوانی میں آج اس موڑ پر آن کھڑا ہے۔

ولی نے ناسمجھی سے ان کی پشت کو دیکھا تھا جو وضو کے لیے جانے لگے تھی۔

''میں کیسے پوچھوں؟'' ولی زیرِ لب بڑبڑایا۔

ذیشان صاحب وضو کے لیے جا چکے تھے، ولی بھی چپ چاپ اٹھ کر وہاں سے باہر نکل آیا تھا۔

اس نے سڑک پر کھڑے ہو کر سر اوپر کی طرف کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا

''Who are You?''

کچھ دیر وہ یونہی آسمان کو دیکھتا رہا۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔

آسمان ویسے ہی خاموش رہا۔ آخر وہ سر جھٹک کر اپنے ہاسٹل کی طرف بڑھ گیا۔

★｡ ° ✦ ° ｡★

مغرب کی نماز کے بعد جب افضال کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظر ولی پر پڑی، جو کھڑکی کے پاس خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور نظریں کھڑکی سے باہر پھیلے ہوئے سیاہ آسمان پر جمی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ تاریکی کے اُس پار کسی کو تلاش کر رہا ہو، کسی ایسے وجود کو جو نظر تو نہ آتا ہو، مگر دل اسے ہر لمحہ ڈھونڈتا رہتا ہو۔

افضال خاموشی سے اندر آیا اور سیدھا الماری کے پاس جا کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''تم آسمان پر کسے ڈھونڈ رہے ہو؟'' افضال الماری میں ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''محمد کو۔'' ولی نے بنامڑے جواب دیا۔

افضال چند لمحے خاموش رہا۔اس نے ہاتھ روک کر ولی کی پشت کو دیکھا، پھر دوبارہ

سامان الٹ پلٹ کرنے لگا۔

''اس کے علاوہ؟'' تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

''محمد کے خدا کو۔'' اس نے پھر سے بنامڑے جواب دیا۔

افضال اس کا جواب سن کر ہلکا سا مسکرا دیا۔

''وہ تمہارا بھی خدا ہے۔'' افضال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ الماری میں موجود تقریباً ہر چیز دیکھ چکا تھا، مگر مطلوبہ چیز ابھی تک نہیں ملی تھی۔

''پھر وہ مجھے نظر کیوں نہیں آتا؟'' ولی نے دائیں جانب سر موڑا تو اس کے چہرے کا آدھا حصہ مدھم روشنی میں نمایاں ہو گیا۔

''اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

اب وہ الماری بند کر چکا تھا۔

''وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرتا۔''

افضال اس کی بات پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''اس کے بات کرنے کا انداز بڑا انوکھا ہے۔''

آخر کار اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا باکس تھا۔

ولی اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔وہ اب کھڑکی سے ہٹ کر اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

''میں شہر جا رہا ہوں۔'' اس نے ویسے ہی کھڑے کھڑے کہا۔اچانک اس نے بات کا رخ بدل دیا تھا۔

افضال نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''رات دیر تک واپس آ جاؤں گا۔'' ولی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''مجھے بھی شہر ایک کام ہے۔'' افضال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''تم میرے ساتھ آ سکتے ہو۔'' ولی نے اس سے کہا۔

''تھینک یو۔'' افضال کے چہرے پر خوشی کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔

''چلیں؟'' کچھ دیر بعد ولی شوز پہن رہا تھا جب افضال نے اس سے پوچھا۔

''ہاں جی چلو۔'' ولی ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ ہی دیر بعد دونوں کمپلیکس سے روانہ ہو چکے تھے۔افضال کو شہر سے اپنے لیے کچھ سامان خریدنا تھا، جبکہ ولی کا رخ اُس ہسپتال کی طرف تھا جہاں حنین ابھی تک زیرِ علاج تھی۔

ولی نے پہلے افضال کو اس کی منزل پر اتارا، پھر گاڑی موڑ کر ہسپتال کی طرف چل دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ہسپتال کی لمبی، خاموش راہداریوں سے گزرتا ہوا حنین کے کمرے کے دروازے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ قدم یکدم رک گئے۔ اس نے بے اختیار گردن موڑ کر ساتھ والے کمرے کی طرف دیکھا، وہی کمرہ جہاں چند روز پہلے وہ خود داخل تھا۔

اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا، جہاں اب چوٹ کا کوئی تازہ نشان باقی نہیں رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے دائیں بازو پر پھسلا۔ وہاں جلد ابھری ہوئی محسوس ہوئی۔ زخم پر جمنے والی پپڑی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ جسم کا زخم بھرنے لگا تھا۔

مگر دل کا زخم...؟

وہ زخم جو شاید پوری زندگی تازہ رہنے والا تھا۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے دروازے کو دیکھتا رہا، پھر ہینڈل گھما کر اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں وہی خاموشی آج بھی ویسے ہی موجود تھی جیسے اس دن تھی۔ صرف مشینوں کی مسلسل چلتی ہوئی آوازیں اس سکوت کو توڑ رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا حنین کے بیڈ کے قریب آیا اور خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ چند لمحے وہ وہیں کھڑا رہا، پھر ایک اسٹول کھینچ کر بیڈ کے پاس رکھا اور اس پر بیٹھ گیا۔

آج اس نے سادہ جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی، بالکل ویسی جیسی محمد پہنا کرتا تھا۔ وہ اب پہلے والا ولی نہیں لگتا تھا، جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی جینز پہننے کا عادی تھا۔ جس دن اس نے خود کو محمد ظاہر کیا تھا، اسی دن سے اس نے اپنے ظاہری حلیے کو بھی بدل دیا تھا، جیسے لباس بدل لینے سے شاید ماضی بھی بدل جائے۔

وہ دیر تک خاموش بیٹھا صرف حنین کو دیکھتا رہا۔

اس کی سانسیں مشین کے ذریعے مانیٹر ہو رہی تھیں۔ مختلف نالیاں اس کے جسم سے جڑی ہوئی تھیں اور مشین کی اسکرین پر اوپر نیچے جاتی سبز لکیریں اس کے دل کی دھڑکن کا پتا دے رہی تھیں۔ پورا کمرہ دوا کی ہلکی سی بو اور خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

"حنین! مجھے معلوم ہے میں نے تم سے ایک پل میں تمہاری ساری خوشیاں چھین لیں۔"

ولی کا ہاتھ بیڈ کے کنارے پر ٹکا ہوا تھا۔

"مگر میرا یقین کرو حنین، میں نے وہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا۔ مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا۔"

وہ نہیں جانتا تھا کہ حنین اسے سن بھی سکتی ہے یا نہیں، مگر جیسے برسوں سے دل میں دبے ہوئے لفظ آج خود بخود اس کی زبان پر آ رہے تھے۔

"میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں حنین، مجھے معاف کر دو۔ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے تمہاری زندگی بھی برباد کر دی اور اپنی بھی برباد کر لی۔"

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا وقت ضرور آتا ہے جب وہ بے بس ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہتا۔ وہ وقت مجھ پر آ چکا ہے، میرے ہاتھ میں اب کچھ بھی نہیں رہا۔ مگر میرے ہاتھوں نے جو کیا اس کا انجام بہت بھیانک رہا ہے۔"

اس کی آواز ہر گزرتے لفظ کے ساتھ بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔

"کاش کہ تم آج مجھے بے بسی کے ہاتھوں ٹوٹتا دیکھ سکتی، ولی کو زندگی نے اس طرح سے سبق سکھایا ہے جو وہ مر کر بھی نہیں بھولے گا۔"

اس کی آواز بھرّا گئی۔

حنین پہلے کی طرح بے حس و حرکت لیٹی تھی۔اس کی سانسیں تو چل رہی تھیں، مگر اس کے لب خاموش تھے۔نہ اس کی پلک ہلی، نہ چہرے پر کوئی جنبش آئی۔

''حنین! میرا یقین کرو میں پچھلے کتنے ہی دنوں سے تکلیف میں ہوں۔اور ویسے بھی یہ تکلیفیں میرے ہی ہاتھوں کمائی گئی ہیں، میں ان تکلیفوں کا حقدار بھی ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ میں اب کبھی تمہاری آواز سن بھی پاؤں گا یا نہیں، ہو سکتا ہے جب تم ہوش میں آؤ اور تمہیں حقیقت کا علم ہو جائے تو تب تم مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرو۔ مگر ایک حقیقت جو میں آج بتانا چاہتا ہوں۔ایک ایسا سچ جو نا جانے کتنے عرصے سے میرے دل میں پنپ رہا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے، سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''میں ولی محمد اپنے پورے ہوش و ہواس میں یہ اعتراف کرتا ہوں، میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ کیا تم حنین خان آفریدی مجھ سے شادی کرو گی؟'' یہ کہتے ہوئے ولی نے دھیرے سے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

اس کی نظریں حنین کے چہرے پر جم گئیں۔وہ کئی لمحوں تک خاموش بیٹھا اس امید میں اسے دیکھتا رہا کہ شاید اس کے لب ذرا سے ہلیں، شاید پلکیں لرز جائیں، شاید کوئی اشارہ ہی مل جائے۔

مگر وہاں صرف خاموشی تھی، نا لب ہلے، نہ پلکیں لرزی نہ ہی اُسے اس کا جواب مل پایا۔

''میں بھی کتنا پاگل ہوں، بھلا کوئی لڑکی اپنے والدین کے قاتل سے کیوں ہی شادی کرے گی؟'' کچھ دیر بعد وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ہاتھ کی پشت سے آنکھیں پونچھیں، ایک آخری نظر حنین پر ڈالی اور خاموش قدموں سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

ہسپتال کی لمبی راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ باہر آ گیا۔رات پوری طرح اتر چکی تھی۔ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔بے شمار ستارے خاموشی سے اپنی جگہ موجود تھے۔

وہ انہیں دیر تک دیکھتا رہا، پھر زیرِ لب نہ جانے کس سے کیا کہنے لگا۔شاید وہ اسی خدا سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جسے وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔

''میں تم سے پیار کرتا ہوں۔''

**مگر جو کہہ رہا ہوں میں**

**بہت ممکن ہے پورے سچ کی آنچ اس سے نہ گزری ہو**

**مرے ہونٹوں پہ جو لفظِ محبّت ہے**

**بہت ممکن ہے وہ میری ضرورت ہو**

**محبت اور ضرورت**

**اپنی اپنی سرحدوں میں قید ہیں**

**دونوں کی دنیائیں الگ ہیں**

**میں اک دنیا میں ہوں**

اور دوسری دنیا کے خواب

آتے ہیں آنکھوں میں

ادھوری چاہتیں میری

ادھوری داستاں میری

مرے جذبے ادھورے ہیں

مری خواہش کے پیمانے ادھورے ہیں

محبّت کے مرے ہونٹوں پہ افسانے ادھورے ہیں

ادھورے پن کی اِک دنیا

مرے چاروں طرف ہے،

پھر بھی اپنے دل کی

سب گہرائیوں کے ساتھ

سب سچّائیوں کے ساتھ

یہ اقرار کرتا ہوں

"میں تم سے پیار کرتا ہوں!"

★。 ° ✦ ° 。★

ہسپتال سے نکلنے کے بعد اس نے افضال کو پک کیا اور دونوں سیدھا کمپلیکس کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔

معافی مانگنے کے بعد اس کا دل کافی حد تک ہلکا ہو گیا تھا، مگر پھر بھی کچھ تھا جو اس کے سینے پر بوجھ بن کر رکھا ہوا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل اب بھی کسی نامعلوم وزن تلے دبا ہوا ہو۔ کچھ تھا جس کی کمی اسے شدت سے محسوس ہو رہی تھی، مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر وہ کون سا سرا تھا جسے اس کا دل مسلسل تلاش کر رہا تھا۔

کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد وہ دونوں واپس کمپلیکس پہنچ گئے۔ افضال گاڑی سے اترا، اس کا شکریہ ادا کیا اور ہاسٹل کی طرف بڑھ گیا، جبکہ ولی وہیں گاڑی میں بیٹھا رہا۔

وہ اب بھی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

دل کی بے چینی کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اس نے اچانک گاڑی موڑی اور دوبارہ کمپلیکس سے باہر نکل آیا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی لاہور کے ریڈ لائٹ ایریا میں داخل ہو چکی تھی۔

کافی عرصے بعد اس نے دوبارہ ایسی جگہ کا رخ کیا تھا۔ لاہور کا یہ علاقہ جسم فروشی، شراب نوشی، سٹے بازی اور نہ جانے کتنے ہی گناہوں کا کھلا اڈا تھا۔

اس نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور ایک مکان کی طرف بڑھ گیا۔

وہ خاموش قدموں سے اندر داخل ہوااور ارد گرد دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔عام طور پر ایسی جگہوں پر آکر اس کے اندر کی بے چینی دب جایا کرتی تھی، مگر آج معاملہ بالکل برعکس تھا۔

اس کا دل پہلے سے کہیں زیادہ بے چین ہو گیا تھا۔

اس نے ایک شخص کے ہاتھ میں چند نوٹ تھمائے اور اس کے بتائے ہوئے کمرے کی طرف

بڑھ گیا۔دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہاں پہلے ہی ایک لڑکی موجود تھی۔

اس پر نظر پڑتے ہی ولی کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

''اے اطمینان والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔''وہی مانوس آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجی۔

اس نے اسے جھٹک دینا چاہا، مگر ناکام رہا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''میں تم سے پیار کرتا ہوں۔''کچھ دیر پہلے اپنے ہی منہ سے نکلے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔

اس نے ایک اور قدم پیچھے لے لیا۔

دل اب زور زور سے دھڑکنے لگا۔پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔

''کیا تم، حنین خان آفریدی، مجھ سے شادی کرو گی؟''ایک بار پھر اس کی اپنی آواز اس کے ذہن میں گونجی۔

وہ ایک لمحہ بھی مزید وہاں نہ ٹھہر سکا۔اچانک مڑا اور پاگلوں کی طرح باہر کی طرف دوڑ پڑا۔

اس کے قدم تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔راستے میں آنے والے لوگوں سے ٹکراتا، انہیں دھکیلتا ہوا وہ بس باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔کسی نے پیچھے سے بلند آواز میں اسے پکارا، کسی نے گالی دی، مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

نہ اسے اپنے پیسوں کی پروا تھی، نہ وہاں موجود لوگوں کی۔اسے بس اس جگہ سے نکلنا تھا۔

وہ تیزی سے بیرونی دروازہ عبور کر کے گلی میں آ گیا۔باہر پہنچتے ہی دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر جھک گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

حیرت انگیز طور پر، جس گھبراہٹ نے اندر اس کا دم گھونٹ دیا تھا، باہر آتے ہی وہ یک دم کم

ہونے لگی۔

کچھ دیر یونہی سانسیں بحال کرنے کے بعد وہ سیدھا ہوا اور تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ

گیا۔

گاڑی کے پاس پہنچتے ہی اس نے اسے اَن لاک کیا، اندر بیٹھا اور اگلے ہی لمحے گاڑی تیزی سے وہاں سے آگے بڑھا دی۔

کچھ دیر وہ یونہی لاہور کی سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔سڑکیں بدلتی رہیں، راستے پیچھے چھوٹتے رہے اور وہ خاموشی سے اسٹیئرنگ تھامے آگے بڑھتا رہا۔رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔شہر کی مصروف سڑکوں پر ٹریفک اب پہلے کی نسبت خاصی کم ہو چکی تھی۔کہیں کوئی گاڑی تیزی سے اس کے پاس سے گزر جاتی تو کہیں سڑک کے کنارے جلتی اسٹریٹ لائٹس خاموشی سے رات کے اندھیرے کو چیر رہی تھیں۔

کافی دیر یونہی آوارہ گردی کرنے کے بعد بالآخر تھک ہار کر اس نے کمپلیکس کا رخ کر لیا۔

جب وہ واپس کمپلیکس پہنچا تو رات کے دو بج رہے تھے۔
اس وقت پورا کمپلیکس تقریباً خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دن بھر لوگوں کی آمد و رفت سے آباد رہنے والی سڑکیں اب سنسان پڑی تھیں۔ جگہ جگہ نصب اسٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہاسٹل کی عمارتوں کی بیشتر کھڑکیاں تاریک تھیں۔ کہیں کہیں کسی کمرے کی روشن کھڑکی رات کے اس پہر بھی
کسی کے جاگنے کا پتا دے رہی تھی۔
اس نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی، انجن بند کیا اور کچھ لمحے یونہی اپنی نشست پر بیٹھا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر گاڑی سے باہر نکل آیا۔
رات کی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے گاڑی لاک کی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہاسٹل کی طرف چل دیا۔
اس کے قدم تھکے ہوئے تھے۔ جسم بھی تھکا ہوا تھا اور شاید روح اس سے کہیں زیادہ۔
ہاسٹل کی طرف جانے والا راستہ مسجد کے قریب سے گزرتا تھا۔ سفید رنگ کی وہ مسجد رات کی خاموشی میں دور ہی سے نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔
اس کے بلند سفید مینار اندھیرے آسمان کے پس منظر میں خاموشی سے کھڑے تھے اور صحن کے اطراف جلتی چند مدھم روشنیاں اس کی سفید دیواروں پر ہلکی سی روشنی بکھیر رہی تھیں۔
وہ مسجد کے قریب سے گزرنے لگا تو بے اختیار اس کی نگاہ اس پر جا ٹھہری۔ اس کے قدم رک گئے۔ وہ مسجد کی دائیں جانب، راستے کے کنارے کھڑا اسے غور سے دیکھنے لگا۔ چند لمحے گزر گئے۔
رات کی خاموشی میں دور کہیں سے کسی گاڑی کے گزرنے کی مدھم آواز سنائی دی اور پھر ہر طرف دوبارہ سکوت چھا گیا۔ ولی اب بھی وہیں کھڑا تھا۔
پھر جیسے خود کو کسی خیال سے نکالتے ہوئے اس نے نظریں مسجد سے ہٹائیں اور ہاسٹل کی طرف ایک قدم بڑھا دیا۔
''خدا سے اپنے کیے کی معافی نہیں مانگو گے؟'' جیسے ہی اس نے قدم بڑھایا، اس کے من میں کہیں سے ایک آواز ابھری۔
وہ وہیں ٹھٹھک کر رک گیا۔
ایک لمحے کے لیے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اس کے قدم مضبوطی سے جکڑ لیے ہوں۔ اس نے بے اختیار اپنے پاؤں کی طرف دیکھا، جیسے واقعی وہاں کوئی چیز اسے روکے کھڑی ہو۔
پھر آہستہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان ویسا ہی خاموش تھا۔ گہرا، تاریک اور لاتعلق۔
وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر نظریں جھکا کر دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔
''وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔
''مگر وہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔'' پھر سے اس کے دل میں کسی نے سرگوشی کی۔
اس بار بھی اس کے قدم وہیں رک گئے۔
ایک ہی لمحے میں جیسے اس کی پوری زندگی اس کے سامنے کھل گئی ہو۔ ایک کے بعد ایک منظر ذہن میں ابھرنے لگا۔ کتنے چہرے، کتنی غلطیاں، کتنی نافرمانیاں اور کتنے گناہ۔
وہ سب کچھ جنہیں وہ برسوں سے نظر انداز کرتا آیا تھا، آج یکایک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
اس نے پھر سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''کون ہو تم؟ کوئی روح ہو؟ کوئی انسان کی مانند جسم ہو؟ کوئی سایہ ہو؟ یا کوئی بہت بڑا دیوتا ہو؟ آخر ہو کیا؟''اس نے نرم لہجے میں آسمان کو دیکھتے ہوئے ہی کہا۔

آسمان خاموش رہا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ مگر نہ جانے کیوں آج اسے پہلی بار یہ خاموشی خالی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''کیا تم سچ میں میرے سارے گناہ بخش دو گے؟''وہ پھر سے زیرِ لب بڑبڑایا۔

''وہ سچ میں سب کچھ معاف کر دے گا۔''اس کے اندر سے پھر کسی نے سرگوشی کی۔

اس نے آہستہ سے گردن موڑ کر سفید میناروں والی اس خوبصورت مسجد کو دیکھا۔ اس بار اس کی نگاہ مسجد پر ٹھہری تو ہٹ نہ سکی۔ اچانک اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

وہ خاموشی سے وہیں کھڑا اس خدا کے گھر کو دیکھتا رہا جو بار بار اسے اپنی طرف لوٹ آنے کے

لیے پکار رہا تھا۔

''اگر اس اذیت سے نجات چاہتے ہو جس میں پچھلے کئی عرصے سے تم مبتلا ہو تو لوٹ جاؤ ولی اپنے

خدا کی طرف۔ چھوڑ دو اپنی ساری زد، اس دفعہ خدا کے واسطے اپنی انا کو جھکا لو۔''اس کے اندر مسلسل کوئی سرگوشی کر رہا تھا۔

وہ چند لمحے ساکت کھڑا رہا۔

ایک طرف ہاسٹل کی طرف جاتا راستہ تھا۔ وہ راستہ جس پر چل کر وہ اپنے کمرے میں جا سکتا تھا، سو سکتا تھا اور اگلی صبح پھر اسی زندگی میں آنکھ کھول سکتا تھا جسے وہ برسوں سے جیتا آیا تھا۔

اور دوسری طرف خدا تھا اور اس کا گھر تھی۔

وہ دیر تک دونوں کے درمیان کھڑا رہا۔ پھر بالآخر وہ تھک گیا۔

اپنے آپ سے لڑتے لڑتے، اپنے اندر کی آواز کو دباتے دباتے، ہر چیز سے بھاگتے بھاگتے۔ آخر کار اس نے اپنے سارے ہتھیار ڈال دیے۔ اس نے اپنی ساری ضدیں چھوڑ دیں۔

اس ایک لمحے میں اس نے خدا کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی انا کو مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ مسجد کی طرف مڑ گئے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا مسجد کے دروازے تک پہنچا اور وہیں رک گیا۔ دروازہ اس کے سامنے تھا۔ بس ایک قدم کا فاصلہ تھا۔

وہ آنکھوں میں نمی لیے دیر تک مسجد کے دروازے کو دیکھتا رہا۔

'' وہ مجھے دھتکار تو نہیں دے گا؟''اس نے مسجد کے دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اس سوال کے ساتھ ہی نہ جانے کتنے خوف اس کے دل میں ایک ساتھ جاگ اٹھے۔ کیا اتنے برسوں کی نافرمانی کے بعد بھی وہ اندر جا سکتا تھا؟ کیا اتنے گناہوں کے بعد بھی اس کے لیے کوئی

جگہ باقی تھی؟

وہ کچھ دیر یونہی دروازے پر کھڑا رہا۔

پھر نہ جانے کہاں سے ہمت جمع کر کے اس نے اپنا پہلا قدم مسجد کے اندر رکھ دیا۔ قدم رکھتے ہی اسے اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس ہوئی۔

وہ سکون بہت گہرا نہیں تھا، نہ ہی اس کی ساری بے چینی ایک لمحے میں ختم ہوئی تھی، مگر جیسے کسی نے اس کے اندر اٹھتے طوفان پر پہلی بار ہاتھ رکھ دیا ہو۔

کتنے ہی گناہ تھے جو اس نے کیے تھے۔ کتنی ہی نافرمانیاں تھیں جو اس سے سرزد ہوئی تھیں، مگر پھر بھی اسے اس گھر میں آنے سے کسی نے نہیں روکا تھا۔

"اللہ معاف کر دیتا ہے محمد!" افضال کا کہا گیا فقرہ اس کے کانوں میں گونجا۔

اس کی آنکھ سے ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑتا ہوا نیچے گرا اور مسجد کے صحن کے فرش میں جذب ہو گیا۔

اس نے دھیرے سے دوسرا قدم اٹھایا اور مسجد کے صحن میں رکھ دیا۔ سے کسی نے نہیں دھتکارا تھا۔ کسی نے اسے خدا کے گھر سے نہیں بھگایا تھا۔ خدا نے اسے نہیں کہا کہ "جاؤ واپس اسی دنیا کے پاس جس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تم مجھے بھلا بیٹھے تھے۔" یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھوں سے مزید آنسو بہنے لگے۔

وہ آہستہ آہستہ صحن عبور کرتا مسجد کے ہال کی طرف بڑھ گیا۔

رات کے اس پہر مسجد کا ہال مکمل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سفید دیواریں، فرش پر بچھی صفیں، سامنے محراب اور چھت سے آتی مدھم روشنی، سب کچھ اس کے لیے اجنبی تھا۔ باہر کی نسبت اندر کی فضا قدرے ٹھنڈی تھی اور اس گہری خاموشی میں اس کے اپنے قدموں کی ہلکی سی آواز بھی اسے واضح سنائی دے رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک ستون کے پاس جا بیٹھا۔ اس کے آنسو اب کچھ دیر کے لیے تھم چکے تھے۔ وہ خاموش بیٹھا سامنے محراب کو دیکھتا رہا۔

ایک منٹ۔

پھر دوسرا منٹ۔

وقت جیسے وہیں رک گیا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

وہ یہاں تک تو آ گیا تھا، مگر اس کے بعد؟

نہ اسے نماز پڑھنی آتی تھی، نہ دعا مانگنے کا طریقہ معلوم تھا۔ نہ وہ جانتا تھا کہ خدا سے بات کہاں سے شروع کی جاتی ہے۔

وہ بس خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو نکل پڑے۔

شروع میں اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ پلکیں زور سے بھینچیں، چہرہ دوسری طرف موڑا، مگر اگلے ہی لمحے جیسے برسوں سے بندھا کوئی بند ٹوٹ گیا ہو۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

"مجھے۔۔۔ مجھے معاف کر دیجیے۔" اس کی ٹوٹی ہوئی آواز ہال کی خاموشی میں گونجی۔

چند لمحے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ صرف اس کی سسکیاں سنائی دیتی رہیں۔

"مجھے نہیں معلوم۔۔۔ معافی کیسے مانگتے ہیں۔" اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے، مگر نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

''مجھے نماز بھی نہیں آتی۔۔۔مجھے دعا بھی نہیں آتی۔۔۔مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تیرے سامنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے۔''اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔

''میں۔۔۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ۔۔۔کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔''اس نے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے گرد لپیٹ لیے اور گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

کچھ دیر صرف اس کی سسکیوں کی آواز مسجد کی خاموش فضا میں گونجتی رہی۔

''میں ہر وہ چیز ڈھونڈتا رہا۔۔۔جس میں سکون ملنے کی امید تھی۔۔۔مگر ہر بار پہلے سے زیادہ خالی ہو گیا۔۔۔اور آج۔۔۔آج میرے پاس آپ کے سوا کوئی نہیں بچا۔''اس نے گھٹنوں سے سر نہیں اٹھایا۔

''میں جانتا ہوں کہ۔۔۔میں بہت گنہگار ہوں۔میں نے ہر وہ گناہ کیا جسے کوئی بھی انسان کرنے کا سوچ سکتا ہے۔میں نے ہمیشہ آپ کی نافرمانی کی۔مگر۔۔۔میں نے سنا ہے کہ آپ۔۔۔آپ سب گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔''وہ ویسے ہی بیٹھا بچوں کی طرح زار و قطار رو رہا تھا۔اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ بار بار ٹوٹ رہے تھے۔

''میں آج۔۔۔زندگی کے اس موڑ پر اکیلا رہ گیا ہوں،ہر وہ انسان۔۔۔جس سے مجھے محبت تھی وہ۔۔۔وہ مجھ سے دور ہو گیا۔''وہ ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔آنکھیں سوجنے لگی تھیں،مگر آج جیسے برسوں سے دل میں جمع ہر بات باہر آنا چاہتی تھی۔

''مجھے معلوم ہے۔۔۔کہ آپ کے یہاں عبادت گزاروں کی کمی نہیں ہے۔۔۔آپ ہماری نمازوں کے۔۔۔ہماری توبہ کے اور ہماری نیکیوں کے محتاج نہیں ہیں۔مگر اے اللہ! میں آپ کا محتاج ہوں،مجھے آپ کی ضرورت ہے۔''آج کتنے ہی سالوں بعد اس کے منہ سے لفظ اللہ نکلا تھا۔کتنے ہی سالوں بعد اس نے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا تھا۔

اور شاید پہلی بار اسے پوری شدت سے احساس ہوا تھا کہ اپنی تمام دولت،طاقت،ضد اور انا کے باوجود وہ اپنے خدا کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

''ہر انسان زندگی کے۔۔۔کسی نہ کسی موڑ پر تنہا رہ جاتا ہے،اس وقت اگر اس کے ساتھ کوئی ہوتا ہے تو۔۔۔وہ اس کا خدا ہوتا ہے۔میں آپ سے آپ کی مدد کا سوال کرتا ہوں۔میں آپ سے آپ کے ساتھ کا سوال کرتا ہوں۔اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔'' اس نے بھیگی نظریں اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا۔

آنکھوں کے سامنے سب کچھ دھندلا رہا تھا۔

''آپ نے مجھ سے کہا میں آپ کی طرف لوٹ آؤں،میں آپ کی طرف لوٹ آیا۔اب مجھے اکیلا مت چھوڑیے گا۔''

اور پھر جیسے اس کے اندر باقی بچی آخری مزاحمت بھی ختم ہو گئی۔وہ روتے روتے سجدے میں گر گیا۔

''مجھے معاف کر دیجیے میرے اللہ! میں جانتا ہوں کہ میرے سر پر بہت سے گناہوں کا بوجھ ہے،لیکن میں آپ سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔''

وہ جانے کتنی دیر وہیں سجدے میں پڑا روتا رہا۔اسے وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

کبھی اس کی ہچکیاں بلند ہو جاتیں،کبھی آواز حلق میں ہی دب جاتی اور کبھی وہ صرف خاموشی سے آنسو بہاتا رہتا۔وہ بار بار اپنے خدا سے معافی مانگتا رہا۔

جب جسم میں مزید سجدے میں رہنے کی طاقت نہ رہی تو وہ آہستہ سے اٹھا اور قریب کی دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

مسجد اب بھی ویسی ہی خاموش تھی۔

مگر اس کے اندر کچھ بدل چکا تھا۔

اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں۔پورے دن کی تھکن،ذہنی کشمکش اور مسلسل رونے کے بعد جسم میں اب مزید طاقت باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے ہونٹ ہلکے سے ہلے۔

''اللہ! مجھے معاف کر دیجیے۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہی اس کی پلکیں مکمل طور پر بند ہو گئیں۔

چند ہی لمحوں بعد،اسی مسجد کی پر سکون اور خاموش فضا میں،دیوار سے سر ٹکائے روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

★。° ✦ °。★

وہ ایک سیاہ آسمان تلے کھڑا تھا۔سامنے ایک وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا۔ایسا کھلا میدان جس کا کوئی کنارہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔جہاں تک نظر جاتی،بس خالی زمین ہی نظر آتی تھی۔نہ کوئی درخت،نہ کوئی عمارت،نہ کوئی انسان۔

صرف وہ تھا۔ایک خاموش میدان تھا۔اور اس کے اوپر پھیلا ہوا ایک بے کنار سیاہ آسمان۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ آج اس کے دل میں کوئی بے چینی نہیں تھی۔وہ خاموشی سے وہیں کھڑا تھا،جیسے کسی چیز کا منتظر ہو۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔سیاہ آسمان پر چھوٹے چھوٹے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔چاند کہیں نہیں تھا۔یہ ایک بے چاند،سیاہ رات تھی۔

وہ خاموشی سے آسمان کو دیکھتا رہا۔پھر اچانک اس کی نگاہ ایک ستارے پر جا ٹھہری۔اسے محسوس ہوا کہ اس ستارے کی روشنی دھیرے دھیرے بڑھ رہی ہے۔

پہلے وہ باقی ستاروں کی طرح ایک چھوٹا سا روشن نقطہ تھا،مگر پھر اس کی چمک بڑھنے لگی۔ولی کی نظریں اس پر جم گئیں۔

''یہ ستارہ اتنا چمک کیوں رہا ہے؟''اس ستارے کی بڑھتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک،نہ جانے کیوں،اس کے دل میں ایک خیال ابھرا اور لاعلمی میں اس کی زبان سے الفاظ نکل گئے۔

''نہیں،یہ کوئی ستارہ نہیں ہے۔''روشنی مسلسل بڑھ رہی تھی۔

پھر اس نے دیکھا کہ آسمان سے ایک روشنی اس کی طرف بڑھتے ہوئے پھیلنے لگی ہے۔بالکل ایسے جیسے اندھیرے میں ٹارچ جلائی جائے تو اس سے نکلنے والی روشنی آگے بڑھتے ہوئے پھیلتی چلی جاتی ہے۔

وہ ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔روشنی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔اور پھر اچانک اس کے کانوں میں ایک جملہ گونجا۔

''اللہ! ایک نور ہے۔''

ایک بھاری آواز۔

ایسی آواز جو نہ جانے کیوں اسے جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔

وہ آواز اسی لمحے اس کے کانوں میں گونجی جب روشنی آسمان سے اس کی طرف پھیل رہی تھی۔

جیسے ہی یہ جملہ اس کے کانوں میں پڑا، وہ روشنی واپس سمٹنے لگی۔ ولی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ روشنی جس طرح پھیلی تھی، اب اسی طرح آہستہ آہستہ سمٹتی جا رہی تھی۔ سمٹتے سمٹتے وہ دوبارہ ایک چھوٹے سے روشن نقطے میں بدل گئی۔

اور پھر مکمل طور پر غائب ہو گئی۔

ولی وہیں کھڑا، سر اٹھائے آسمان کو دیکھتا رہا۔

سیاہ آسمان ایک بار پھر ویسا ہی ہو چکا تھا۔

خاموش۔ بے کنار۔ ستاروں سے بھرا ہوا۔

پھر اچانک ایک آواز نے اس کی توجہ آسمان سے ہٹا دی۔

"اَللّٰہُ اَکبَرُ، اَللّٰہُ اَکبَرُ۔" ایک بلند آواز نے مسجد کی خاموش فضا کو چیر دیا۔

"اَللّٰہُ اَکبَرُ، اَللّٰہُ اَکبَرُ۔" آواز دوبارہ گونجی۔

اس کی بند پلکوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں۔

چند لمحوں تک وہ دیوار سے سر ٹکائے سامنے دیکھتا رہا۔ نیند اور تھکن کے باعث اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ سامنے سفید دیواریں، فرش پر بچھی صفیں اور مدھم روشنیاں اسے اجنبی سی محسوس ہوئیں۔

پھر شعور آہستہ آہستہ لوٹنے لگا۔ رات کے واقعات ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں ابھرے، مسجد۔ اس کا رونا۔ اس کی معافی۔ اس کا سجدے میں گر جانا۔

وہ آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

جسم اکڑا ہوا تھا۔ گردن میں درد محسوس ہو رہا تھا اور مسلسل رونے کے باعث آنکھیں بھاری اور سوجی ہوئی تھیں۔

چند لمحوں کے لیے اس کی نگاہ بے اختیار مسجد کی کھڑکی سے دکھائی دیتے آسمان پر جا ٹھہری۔

خواب کی وہ روشنی اب بھی اس کے ذہن میں کہیں باقی تھی۔

"اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔" اذان کی آواز ایک بار پھر مسجد میں گونجی۔

اس نے زندگی میں نہ جانے کتنی بار یہ آواز سنی تھی۔ کبھی گاڑی چلاتے ہوئے، کبھی کسی عمارت میں بیٹھے، کبھی کسی مصروف بازار سے گزرتے ہوئے۔ مگر اس نے کبھی رک کر اسے سنا نہیں

تھا۔

مسجد کی کھڑکیوں سے باہر آسمان ابھی پوری طرح روشن نہیں ہوا تھا۔ رات کی سیاہی آہستہ آہستہ نیلے رنگ میں گھل رہی تھی۔ باہر درختوں کے ساکت پتوں میں کبھی کبھار صبح کی ٹھنڈی ہوا سرسراہٹ پیدا کر دیتی۔

اذان ختم ہوئی تو مسجد میں دوبارہ چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

ولی وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد مسجد کے بیرونی دروازے سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ ایک لڑکا اندر داخل ہوا، پھر دوسرا۔ آہستہ آہستہ چند اور لوگ بھی مسجد میں آنے لگے۔

ولی نے بے اختیار خود کو سمیٹ لیا۔ آنے والوں میں سے کچھ کی نظریں لمحہ بھر کے لیے اس پر پڑیں، مگر پھر وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔
ولی انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا، کوئی خاموشی سے بیٹھ گیا اور کچھ لوگ اگلی صفوں کی طرف بڑھ گئے۔
وہ ان سب کے درمیان بالکل اجنبی تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔
وہ اٹھے؟
بیٹھا رہے؟
ان لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے؟
مگر اگر کھڑا ہو گیا تو کرے گا کیا؟
اسے نماز پڑھنی ہی نہیں آتی تھی۔
اس خیال نے اسے اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا۔
کچھ دیر بعد وہ سب صفیں بنانے لگے۔ ولی ستون کے قریب بیٹھا خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔
اس کے اندر عجیب سی جھجک پیدا ہونے لگی تھی۔
وہ رات کے اندھیرے میں تو یہاں آ گیا تھا، جب اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ مگر اب صبح ہو رہی تھی۔ اب لوگ موجود تھے۔
ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ اٹھے اور خاموشی سے یہاں سے نکل جائے۔
اس نے فرش پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ رات کے اپنے الفاظ یاد آ گئے۔
''آپ نے مجھ سے کہا میں آپ کی طرف لوٹ آؤں، میں آپ کی طرف لوٹ آیا۔ اب مجھے اکیلا مت چھوڑیے گا۔'' اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔
وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا اور پھر دوبارہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی۔
نہیں۔
وہ بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اس بار نہیں۔ ولی حیرت سے دیکھتا رہا۔
سب ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ ایک ساتھ جھکے۔ پھر ایک ساتھ زمین پر سجدے میں چلے گئے۔
وہ خاموشی سے ستون کے پاس بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
مگر نہ جانے کیوں، سامنے سجدے میں جھکے اتنے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس کی نظریں وہیں ٹھہر گئیں۔ رات کو وہ بھی اسی طرح زمین پر گرا تھا۔
فرق صرف اتنا تھا کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ جو کر رہا ہے، اسے کیسے کیا جاتا ہے۔
نماز ختم ہوئی۔
لڑکے آہستہ آہستہ مسجد سے باہر جانے لگے۔ کوئی دعا میں مصروف تھا، کوئی قرآن کھول کر بیٹھ گیا
تھا۔
ولی نے نظریں جھکا لیں۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔
''ولی پُتر، طبیعت ٹھیک ہے؟'' اچانک قریب سے آنے والی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔
قاری ذیشان عزیز اس کے سامنے کھڑے تھے۔ چہرے پر ہلکا خط، سادہ لباس اور چہرے پر صبح کی سی تازگی تھی۔ ولی نے چند لمحے انہیں دیکھا۔

''جی۔''اس کی آواز بھاری تھی۔

ذیشان صاحب اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور بکھری حالت کو دیکھتے رہے۔

''ساری رات یہیں تھے؟''ولی نے نظریں جھکالیں۔

چند لمحوں بعد آہستہ سے سر ہلادیا۔

ذیشان صاحب اس کے قریب بیٹھ گئے۔ولی خاموش رہا۔

اس کے اندر ایک سوال کافی دیر سے گردش کر رہا تھا، مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے زبان پر کیسے لائے۔

''آخر لے ہی آیا اللہ تمہیں اپنی طرف۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اس نے سامنے بیٹھے چند نمازیوں کو دیکھا اس میں افضال بھی موجود تھا جو قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا، وہ پھر دوبارہ ذیشان صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نماز کے لیے آئے تھے؟'' انہیں نہیں معلوم تھا کہ ولی کو دین کے ''دال''کا بھی علم نہیں تھا۔

''مجھے۔۔۔''وہ کہتے کہتے رک گیا۔

لفظ جیسے زبان پر آکر اٹک گئے تھے۔ولی نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے نماز پڑھنی نہیں آتی۔''یہ اعتراف کرتے ہوئے اس نے نظریں جھکالیں۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

وہ شاید کسی حیرت، کسی سوال یا کسی ملامت کا منتظر تھا۔مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

''سیکھ لو۔''ولی نے فوراً سر اٹھایا۔

ذیشان صاحب نے بڑے ہی سادھا الفاظوں میں اسے کہا۔

بس اتنا ہی؟ نہ کوئی سوال کہ کیوں نہیں آتی۔نہ کوئی طعنہ کہ اتنی عمر گزر گئی۔نہ کوئی حیرت۔صرف دو لفظ۔

''سیکھ لو۔''

ولی دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔

پھر پہلی بار اس صبح اس کے دل میں ایک خیال ابھرا۔

شاید لوٹ آنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے پہلے ہی سب کچھ آنا چاہیے تھا۔

شاید لوٹ آنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ وہ پہلا قدم اٹھالے۔

باقی راستہ اسے چلتے چلتے سیکھنا تھا۔

''سر! مجھے نماز پڑھنی ہے، اور مجھے وضو بھی کرنا ہے۔مگر مجھے وضو بھی نہیں آتا۔''

شرم کے مارے اس کا سر پھر سے جھک گیا۔

ذیشان صاحب اس کی طرف دیکھ کر ایک بار پھر مسکرا دیے۔

''لاہوری پُتر! ادھر آؤ۔'' اُنہوں نے دھیمی آواز میں افضال کو پکارا۔

افضال الماری میں قرآن رکھ رہا تھا جب وہ ان کی آواز سن کر مڑا۔ وہ چلتا ہوا ان دونوں کے پاس آن کھڑا ہوا۔

''جا! بھائی کو وضو کروالا۔'' ذیشان صاحب نے ولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

افضال چند لمحے یونہی کھڑا انا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگا پھر ولی کو ساتھ لے کر وضو خانے کی طرف آ گیا۔

''کہاں تھے محمد تم ساری رات؟'' افضال نے وضو خانے کے قریب پہنچ کر اس سے پوچھا۔

''اپنے خدا کے پاس۔'' ولی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

افضال کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی مگر وہ اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا۔ افضال کو کبھی کبھی وہ بہت عجیب لگتا تھا، وہ کبھی کبھی اس کے سامنے بڑی عجیب باتیں کرتا تھا اور افضال اس کی باتوں پر مسکرا کر رہ جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ وضو کر کے واپس اندر آ گیا، ذیشان صاحب نے نماز میں ادا ہونے والے اسے کچھ ضروری کلمات بتائے کہ ایک ہی دفعہ میں پوری نماز یاد کرنا اس کے لیے مشکل تھا اور پھر نماز کا طریقہ بتایا۔

آج کتنے ہی سالوں بعد وہ اپنے خدا کی طرف لوٹ آیا تھا۔ آج اُسے اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا تھا، وہ جو پوچھا کرتا تھا کہ آخر خدا کیا ہے؟ اُسے آج اس کا جواب اس کے خدا نے دے دیا تھا۔ آج برسوں بعد اس نے سچے دل

سے اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کی تھی۔ اس نے برسوں بعد آج نماز ادا کی تھی۔

سمندر چھوڑ آئے کوہ و دریا چھوڑ آئے ہیں
نئی دنیا کی خاطر ایک دنیا چھوڑ آئے ہیں

پہن کر ہم لباسِ اجنبیت کس طرف جائیں
کہ ہم اپنا بدن لائے ہیں چہرہ چھوڑ آئے
زمیں تو وہ بھی زرخیز تھی مگر ہم نے
وہاں کے دکھ سہے اور ساری دنیا چھوڑ آئے

محبت میں عجب اک کیفیت ہم پر بھی گزری
جسے آواز دی اس کے لیے کیا کیا چھوڑ آئے

★。° ✦ °。★

تین سال بعد۔

''اللہ پاک نے یہاں لفظ ''صُدُورِ'' ہی کیوں استعمال کیا؟'' وہ اس وقت قرآن کھولے سورۃ الناس پر تدبر کر رہا تھا۔

سامنے میز پر قرآنِ مجید کھلا ہوا تھا، اس کے برابر ایک ڈائری رکھی تھی جس کے کئی صفحات اس کی بے ترتیب مگر گہری تحریروں سے بھرے ہوئے تھے۔ کہیں کسی عربی لفظ کے نیچے لکیر کھینچی گئی تھی، کہیں اس کے مختلف معانی درج تھے اور کہیں ایک ہی سوال کے نیچے کئی ممکنہ جواب لکھے ہوئے تھے۔

پچھلے تین سالوں میں وہ خود کو جتنا بدل سکتا تھا، بدل چکا تھا۔

آج سے تین سال پہلے اس نے گناہ کی طرف لے جانے والے ہر راستے کو ترک کر دیا تھا۔ جب اس نے توبہ کی تھی تو سچے دل سے کی تھی، مگر توبہ کر لینا اور اس توبہ پر قائم رہنا دو مختلف آزمائشیں تھیں۔

اور پچھلے تین سال اس کے لیے آسان نہیں رہے تھے۔ وہ کئی بار پھسلا تھا۔ کئی بار اپنے نفس سے لڑتے لڑتے تھک گیا تھا۔ کئی بار شیطان کے بہکاوے میں آ کر منہ کے بل گرا بھی تھا۔

مگر ہر بار دوبارہ کھڑا ہوا۔ اس نے ہار نہیں مانی تھی۔ اس نے اللہ سے کیا اپنا وعدہ نہیں توڑا تھا۔

گرنے کے بعد اٹھنا، پھر چلنا اور دوبارہ گرنے کے خوف کے باوجود چلتے رہنا، شاید یہی اس کے پچھلے تین سالوں کی سب سے بڑی جنگ تھی۔

ان تین سالوں میں وہ دین کو گہرائی سے سمجھتا آیا تھا اور آج بھی یہی کر رہا تھا۔ اس نے قاری ذیشان عزیز سے قرآن لکھنا سیکھ لیا تھا، ماڈرن کیلی گرافی میں مہارت حاصل کر لی تھی اور قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ بھی کر لیا تھا۔

مگر جتنا وہ قرآن کو پڑھتا، اتنا ہی اسے محسوس ہوتا کہ ابھی تو اس نے کچھ جانا ہی نہیں۔ اس نے دوبارہ سامنے کھلے قرآن کی طرف دیکھا۔

''اللہ پاک یہاں پر لفظ ''قُلوب'' بھی استعمال کر سکتے تھے مگر اللہ پاک نے لفظ ''صُدُورِ'' ہی کیوں استعمال کیا؟'' وہ لیڈ پینسل کو دانتوں میں دبائے سوچنے لگا۔

اس کے بال نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی زیادہ چھوٹے۔ چہرے پر ہلکی سی داڑھی تھی اور وہ اس وقت گرے رنگ کے سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔

تین سال پہلے کے ولی اور آج کے ولی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ کان کی بالی اب کہیں نہیں تھی۔ کلائیوں سے بریسلٹس غائب ہو چکے تھے۔ جن چیزوں کو کبھی وہ اپنی شخصیت کا حصہ سمجھتا تھا، آج ان کی غیر موجودگی بھی اسے محسوس نہیں ہوتی تھی۔

وہ اس وقت ذیشان صاحب کے گھر کے ہال میں موجود تھا۔ ہال کے ایک طرف لکڑی کے ریک میں کتابیں اور قرآنِ مجید ترتیب سے رکھے تھے، جبکہ شیشے کے دروازے کے پار صحن واضح دکھائی دے رہا تھا۔ باہر ذیشان صاحب ایک چھوٹے برش سے کینوس پر کام کر رہے تھے۔

ولی نے پینسل دانتوں سے نکالی اور ڈائری پر جھک گیا۔

''لفظ قلب کا مطلب ہوتا ہے ''دل'' جبکہ قرآن میں جو لفظ آیا ہے وہ ہے صدور اور یہ صدور، صدر کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ''سینہ یا اوپری حصہ''۔ تو شیطان جب بھی وسوسہ ڈالتا ہے تو سیدھا دل میں نہیں ڈالتا بلکہ وہ سینے میں ڈالتا ہے، یعنی شیطان پہلے وار میں براہِ راست ہمارے دل تک رسائی نہیں رکھتا۔'' وہ سوچ سوچ کر لکھنے لگا تھا۔

کچھ لمحوں کے لیے اس کی پینسل رکی۔ پھر ذہن میں ایک مثال ابھری اور وہ دوبارہ لکھنے لگا۔

''اس کی مثال ہم ایسے لیں گے جیسے اگر ہمارے گھر کوئی آنا چاہے تو وہ پہلے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اب اس کا انحصار ہم پر ہے کہ ہم اُسے اپنے گھر میں داخل ہونے دیتے ہیں یا پھر اُسے باہر سے واپس موڑ دیتے ہیں۔'' اس لفظ کی گہرائی آہستہ آہستہ اس پر کھلنے لگی تھی۔

اس نے قرآن کی آیت پر دوبارہ نگاہ ڈالی۔

''بالکل ویسے ہی جب شیطان کوئی وسوسہ ہمارے سینے میں ڈالتا ہے تو پھر ہم پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ ہم اُس وسوسے کو اپنے دل میں آنے دیتے ہیں یا پھر اللہ پاک کے ذکر سے اُسے باہر سے ہی دھتکار دیتے ہیں۔'' وہ ہاتھ میں پینسل تھامے مسلسل لکھ رہا تھا۔

''اس سے ہمیں یہ بھی معلوم پڑتا ہے کہ ہر گناہ اور ہر برے خیال کے ذمہ دار ہم خود کیوں ہوتے ہیں، کیونکہ ہم ہی ہیں جو شیطان کے وسوسے کو اپنے دل میں آنے کی اجازت دیتے ہیں پھر چاہے ہم ساری غلطیوں کا پلندہ اٹھا کر شیطان پر ہی کیوں نہ رکھ دیں، اس سے کچھ بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ تو بروزِ حشر بھی مکر جائے گا کہ اس نے یہ سب تم سے زبردستی نہیں کروایا۔'' پینسل چند لمحوں کے لیے دوبارہ رک گئی۔

پھر اس نے آخری سطر لکھی۔

''یہی وجہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔'' اس نے پینسل ڈائری کے درمیان رکھی اور اسے بند کر دیا۔

وہ کافی دیر سے قرآن کھولے بیٹھا تھا۔ مسلسل پڑھنے اور لکھنے کے باعث اب اسے تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے قرآنِ مجید بند کیا، دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پھر انہیں چہرے پر پھیر لیا۔

قرآن کو احترام سے ریک میں رکھنے کے بعد وہ ہال سے نکل کر صحن میں آ گیا۔ یہ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔

رات صاف تھی۔ آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور آج چاند بھی اپنی روشنی زمین پر بکھیر رہا تھا۔ صحن میں نصب سفید بلب کی روشنی ایک محدود دائرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف مختلف سائز کے کینوس دیوار کے ساتھ ٹکے ہوئے تھے، جبکہ درمیان میں رکھی میز پر برش، رنگ اور پانی کا ایک چھوٹا سا برتن موجود تھا۔

ذیشان صاحب اسی میز کے سامنے بیٹھے کینوس پر کام کر رہے تھے۔

''ہو گیا آپ کا قرآن پر تدبر؟'' ذیشان صاحب نے مسکرا کر، بغیر نظریں اس کی طرف کیے پوچھا۔

''آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ قرآن کی گہرائی کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا، یہ وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائی کبھی ماپی نہیں جا سکتی۔'' ولی نے ان کی بات پر مسکرا کر جواب دیا۔

ذیشان صاحب نے برش روکا اور نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ولی اس وقت سفید بلب کے عین نیچے کھڑا تھا۔ وہ چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ یہ وہ ولی نہیں تھا جس نے آج سے تین سال پہلے اس کمپلیکس میں قدم رکھا تھا۔

وہ لڑکا جس کے اندر غصہ، ضد، بے چینی اور خود سے بھاگنے کی ایک مسلسل کوشش تھی، اب کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ یا شاید مکمل طور پر نہیں۔

شاید اس کے کچھ حصے آج بھی ولی کے اندر موجود تھے، مگر اب وہ ان حصوں سے بھاگتا نہیں

تھا۔ ان سے لڑنا سیکھ چکا تھا۔

ذیشان صاحب کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری اور وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد اچانک ان کا فون بجنے لگا۔ انہوں نے ایک نظر سکرین پر ڈالی۔

''ولی پُتر! اسے ذرا آخری ٹچ دے دو میں تب تک کال سُن لوں۔'' انہوں نے برش ولی کی طرف بڑھا دیا اور کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا لیا۔

ولی نے ان کے ہاتھ سے برش لے لیا۔ ذیشان صاحب فون پر بات کرتے ہوئے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئے، جبکہ ولی کینوس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اس نے چند لمحے خاموشی سے پوری پینٹنگ کا جائزہ لیا۔ پھر انتہائی احتیاط سے برش چلانے لگا۔ کہیں رنگ کی ہلکی سی تہہ بڑھائی، کہیں ایک لکیر کو مزید واضح کیا اور کہیں صرف برش کی نوک سے معمولی سا لمس دیا۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کینوس مکمل ہو چکا ہے اور اب مزید کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، تو اس نے برش ٹرے میں رکھا اور ایک طرف رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔

اس نے سر اٹھا کر سامنے پھیلے آسمان کو دیکھا۔

چاند۔

ستارے۔

اور ان کے درمیان پھیلی ہوئی بے کنار تاریکی۔ ایسا ہی ایک آسمان اسے آج سے تین سال پہلے خواب میں بھی نظر آیا تھا۔

وہ رات اس کی زندگی کی سب سے خاص راتوں میں سے ایک تھی۔ شاید اسی لیے جب بھی وہ کسی کھلے آسمان تلے بیٹھتا، کچھ دیر کے لیے دنیا سے بے خبر ہو کر اسے دیکھنے لگتا۔

جیسے وہاں کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ کافی دیر یونہی آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر اچانک اس کی جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔

اس نے جیب سے فون نکالا، سکرین پر نظر ڈالی اور کال ریسیو کر کے کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز سنائی دی۔

''حنین کوما سے باہر آ گئی ہے۔'' ولی کی آنکھوں میں موجود سکون ایک لمحے میں ساکت ہو گیا۔

اس کے ہاتھ میں پکڑا فون وہیں کان سے لگا رہا۔

تین سال۔

پورے تین سال۔

اور صرف ایک جملے نے ان تین سالوں کے فاصلے کو ایک لمحے میں مٹا دیا تھا۔ تین سال پہلے پیش آنے والا پورا واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک جھماکے سے ابھر آیا۔

وہ اپنی اتنی بڑی غلطی کو کیسے بھول سکتا تھا؟

وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ چکا ہے، مگر کچھ گناہ انسان کی زندگی سے کبھی مکمل طور پر نہیں جاتے۔ انسان توبہ کر لیتا ہے، مگر ان کے چھوڑے ہوئے زخم اسے مدتوں اپنی غلطی یاد دلاتے رہتے ہیں۔

کچھ غلطیوں پر انسان ساری زندگی پچھتاتا ہے۔ کچھ یادوں کے سامنے سر ہمیشہ جھکا رہتا ہے۔ حنین کوما سے باہر آ چکی تھی۔ یہ خبر خوشی کی تھی۔ بہت بڑی خوشی کی۔ مگر اسے اس حالت تک پہنچانے کا ذمہ دار بھی تو وہی تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خوشی کا اظہار کرے یا اپنی غلطی پر آنسو بہائے۔ دوسری طرف موجود شخص سے اس نے چند الفاظ کہے اور پھر کال ختم کر دی۔ فون واپس جیب میں رکھتے ہوئے اس کی انگلیوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

اسے اب اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔ مگر وہ ذیشان صاحب کو بتائے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے وہیں بیٹھا ان کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی نظریں ایک بار پھر آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

''آسمان پر کسے ڈھونڈتے رہتے ہو؟''

ذیشان صاحب کی آواز پر اس نے نظریں آسمان سے ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ واپس صحن میں آ چکے تھے۔

ولی مسکرایااور خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی لمحے تین سال پہلے خواب میں سنے گئے الفاظ ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجے۔

''اللہ!ایک نور ہے۔''

''اپنے خدا کو۔''مختصر سا جواب۔

ذیشان صاحب چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔

''اس کے علاوہ۔''انہوں نے پھر پوچھا۔

ولی کی آنکھوں میں موجود مسکراہٹ آہستہ آہستہ مدھم پڑ گئی۔

''محمد کو۔''اس نے پھر مختصر سا جواب دیا۔

محمد کا نام آتے ہی دونوں کے درمیان خاموشی اتر آئی۔

جو دو چہرے کچھ دیر پہلے مسکرا رہے تھے،اب ان پر ماضی کی کسی گہری یاد کا سایہ تھا۔چند لمحے کوئی کچھ نہ بولا۔

''میں چلتا ہوں سر!''ولی دھیمے لہجے میں کہتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

اس نے انہیں خدا حافظ کہا،ان سے ملا اور پھر بیرونی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔اس کے قدم تیز تھے۔

تین سال سے رکا ہوا وقت ایک بار پھر چل پڑا تھا۔

ہے نسیمِ بہار گرد آلود
خاک اڑتی ہے اس مکان میں کیا

یوں جو تکتا ہے آسمان کو تُو
کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا

★。° ✦ °。★

وہ واپس اپنے کمرے میں آیا تو کمرہ بالکل خالی تھا۔افضال اپنی ڈگری مکمل کر کے جا چکا تھا اور اب اس کمرے میں اس کے سوا کوئی نہیں رہتا تھا۔اس نے میز پر پڑی گاڑی کی چابی اٹھائی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی اسلام آباد کی جانب رواں دواں تھی۔

چند گھنٹوں کے طویل سفر کے بعد وہ اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔لاہور سے وہ سیدھا اسی ہسپتال آیا تھا جہاں اس وقت حنین موجود تھی۔گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ ہسپتال کی طویل

راہداریوں سے گزرتا ہوا مطلوبہ کمرے کے قریب پہنچا۔

وہاں اس وقت تقریباً سبھی موجود تھے۔اس نے سب سے پہلے سلام کیا اور باری باری سب سے حال احوال پوچھنے لگا۔ تین سال بعد حنین کا ہوش میں آنا ان سب کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ہر چہرے پر خوشی تھی۔ کوئی مسکرا رہا تھا، کوئی بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

سب سے ملنے کے بعد اس کی نگاہ بند دروازے پر جا ٹھہری۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر آہستگی سے آگے بڑھا، ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اندر آ گیا۔

کمرے میں خاموشی تھی۔ ہوا میں دواؤں اور جراثیم کش محلول کی مخصوص بو رچی ہوئی تھی۔ بیڈ کے قریب موجود مانیٹر کی اسکرین پر سبز لکیریں حرکت کر رہی تھیں اور وقفے وقفے سے ابھرتی ہلکی سی آواز اس خاموشی میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔

حنین آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی تھی۔

تین سال۔

پورے تین سال بعد وہ اسے ہوش میں دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس کی خاطر اتنی رات کو اتنی دور سے چلا آیا تھا۔ اُسے اس سے ملنا تھا، اُسے اس سے ہر حال میں ملنا تھا۔

اس کے قدم خود بخود سست ہو گئے۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ تین سال کے طویل عرصے نے حنین کے چہرے سے بہت کچھ چھین لیا تھا۔ وہ پہلے سے کمزور دکھائی دے رہی تھی، مگر وہی مانوس نقوش اب بھی باقی تھے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب رکھی کرسی تک آیا۔ شاید قدموں کی آہٹ نے حنین کو متوجہ کر دیا تھا۔ اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور پھر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

چند لمحوں تک وہ سامنے کھڑے شخص کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اس کی نگاہ پہلے اس کے چہرے پر ٹھہری، پھر جیسے وہ کسی بھولی ہوئی یاد کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

اچانک اس کی آنکھوں میں ایک مانوس سی چمک ابھری۔

"محمد؟"

اس کے لبوں سے نکلی وہ مدھم سی آواز ولی کے قدم وہیں روک گئی۔ حنین کی آنکھوں میں اب حیرت کے ساتھ خوشی بھی اترنے لگی تھی۔

"محمد تم؟"

ولی نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے کرسی کھینچی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"حنین!"

اس کی آواز سن کر حنین کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن ابھری۔ محمد کی آواز ایسی تو نہیں تھی۔ وہ محمد اور ولی کی آواز میں باخوبی فرق کرنا جانتی تھی۔

"میں محمد نہیں ہوں۔" ولی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حنین کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ سمٹ گئی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں ولی ہوں، حنین۔" کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

حنین کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ جیسے وہ ان تین سالوں کو اس ایک چہرے پر تلاش کر رہی ہو۔

''ولی...؟''اُسے یقین نہیں ہوا تھا۔

''ہاں۔''اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

حنین نے اسے دوبارہ غور سے دیکھا۔ شاید اب اسے تین سال پہلے والا ولی اس چہرے کے پیچھے کہیں نظر آ رہا تھا۔

''تم... اتنے بدل گئے ہو۔'' حنین نے کے چہرے پر حیرت بھی تھی اور انجانی سے خوشی بھی۔

ولی کے لبوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

''تین سال کم نہیں ہوتے۔'' اُس نے حنین پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

حنین چند لمحے خاموش رہی، مگر پھر اس کی نگاہ ایک بار پھر دروازے کی جانب اٹھ گئی۔

جیسے وہ کسی اور کے اندر آنے کا انتظار کر رہی ہو۔ ولی اس نگاہ کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ حنین نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔

''محمد کہاں ہے؟''اس ایک سوال نے ولی کے چہرے سے باقی ماندہ مسکراہٹ بھی چھین لی۔

اس نے نظریں جھکا لیں۔ حنین اسے دیکھتی رہی۔

''وہ مجھ سے ملنے نہیں آیا؟''ولی کی انگلیاں بے اختیار ایک دوسرے میں الجھ گئیں۔

وہ جانتا تھا، یہ حقیقت اسے بتانی ہی تھی۔ مگر تین سال کی بے خبری سے جاگنے والے انسان کو یہ کیسے بتایا جاتا ہے کہ جس شخص کو وہ ابھی تک اپنی زندگی کا حصہ سمجھ رہا ہے، وہ تین سال پہلے ہی اس دنیا سے جا چکا ہے؟

''حنین!''اس نے آہستہ سے اسے پکارا۔

حنین کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

ولی نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، پھر اس کی طرف دیکھا۔

''آج سے تین سال پہلے ہمارے ساتھ بھی ایک حادثہ پیش آیا تھا۔''

حنین کے چہرے پر الجھن ابھرنے لگی۔

''کیا وہ ٹھیک ہے؟''حنین نے فوراً کہا۔

ولی خاموش رہا۔

بس چند لمحوں کی وہ خاموشی ہی شاید حنین کو بہت کچھ بتا گئی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔

''ولی...؟''اس بار اس کی آواز میں خوف تھا۔

ولی نے بمشکل اپنے لہجے کو قابو میں رکھا۔

''محمد اس حادثے میں زندہ نہیں بچ سکا تھا۔''

حنین کی پلکیں ساکت ہو گئیں۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

جیسے اس نے الفاظ تو سن لیے ہوں، مگر ان کا مطلب اس کے ذہن تک نہ پہنچا ہو۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

ولی خاموش رہا۔

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

ولی کی نگاہیں جھک گئیں۔

حنین نے دوبارہ دروازے کی طرف دیکھا۔

شاید اسے اب بھی امید تھی کہ اگلے ہی لمحے وہ دروازہ کھلے گا اور محمد اندر آ کر اس پوری بات کو جھوٹ ثابت کر دے گا۔

مگر دروازہ بند رہا۔

اور پہلی بار حنین کو محسوس ہوا کہ اس کے لیے صرف چند لمحے گزرے تھے مگر دنیا واقعی تین سال آگے بڑھ چکی تھی۔

''وہ آج سے تین سال پہلے ہم سب کو چھوڑ کر جا چکا ہے۔''

حنین نے ایک بار پھر نظریں موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ نہ بولی اور پھر وہ دوبارہ پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگی۔ جب یزمان نے اُسے بتایا کہ اُن کے ممی بابا آج سے تین سال پہلے ہی اس

دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، تب وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی تھی اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ جانے کتنی ہی مشکل سے یزمان اور مسز ہمایوں نے اُسے سنبھالا تھا۔

اب جب محمد کے موت کی خبر اُسے ملی تو ایک دفعہ پھر اُسے گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ آخر کیسے وہ ان تین لوگوں کی

موت کو قبول کرے گی؟ آخر کیسے وہ اس گہرے صدمے سے باہر آ پائے گی؟

''تم اب کیسی ہو؟'' ولی نے اچانک بات کا رُخ اس کی طرف موڑ دیا۔ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا مگر یہ ایسا سچ تھا جو اگر نہ بتایا جاتا تو شاید اسے مزید دکھ دیتا۔

''پچھلے تین سالوں سے میں اس دنیا میں ہو کر بھی اس دنیا میں نہیں تھی، میرے ہوش آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ تین لوگ میری زندگی سے جا چکے ہیں۔ تم ہی بتاؤ میں کیسی ہوں گی؟'' اُس نے نم آنکھوں سے ولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ولی اس پر کچھ بھی نہ کہہ سکا اور اس نے نظریں جھکا لیں۔

''تمہیں معلوم ہے، میں پچھلے تین سالوں میں ہر ویک اینڈ پر تم سے ملنے آیا کرتا تھا۔ تمہارے لیے پھول بھی لایا کرتا تھا، وہ دیکھو پچھلے ہفتے لائے گئے پھول ابھی بھی وہاں رکھے ہیں۔'' اُس نے انگلی سے ایک طرف رکھے مرجھائے ٹیولپس کی طرف اشارہ کیا۔

حنین نے نظریں گھما کر ان مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرف دیکھا۔

''تین سال پہلے جو ہوا اسے بدلا تو نہیں جا سکتا مگر۔۔۔ جو ہوا شاید اس کی وجہ سے

ہم کبھی دوبارہ صحیح سے اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو پائیں۔'' وہ رک رک کر بول رہا

تھا۔

''میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ تم اب جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤ۔'' اُس نے چہرے پر مسکراہٹ

لاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

حنین اسے یوں مسکراتا دیکھ اپنی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔وہ دونوں ایک ساتھ مسکراتے ہوئے کتنے ہی اچھے لگتے تھے۔وہ دونوں مسکرائے تو کمرے میں پھیلی ساری اداسیاں دم توڑ گئیں۔

''ہو ہی جاؤں گی انشاءاللہ۔'' اس نے پورے یقین سے کہا۔

''مگر۔۔۔یہ بات صرف تم جانتی ہو کہ میں ولی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' اس کی بات پر حنین نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

''سب مجھے محمد کے نام سے جانتے ہیں۔وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی شناخت بدلنی پڑی۔'' اس کے ذہن کے پردے پر محمد کا خون میں لت پت وجود ابھرا۔

''یہ بات تم اپنے تک رکھنا۔'' اس نے رازدارانہ انداز میں اس سے کہا۔

حنین نے بنا کسی تاثر کے سر ہلا دیا۔

''گڈ!'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک بات بتاؤ، کیا تمہیں وہ سب باتیں یاد ہیں جو میں یہاں بیٹھ کر تم سے پچھلے تین سالوں سے کرتا آیا ہوں؟'' ولی نے اچانک اس سے پوچھا۔

حنین نے نفی میں سر ہلا دیا۔ولی کو اس کے کچھ بھی یاد نہ ہونے پر افسوس ہوا تھا۔اس نے کیا کچھ نہیں کہا تھا ان تین سالوں کے دوران۔وہ گھنٹوں یہاں اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہتا تھا۔

''مریض کو آرام کرنے دیں۔'' کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نرس نے اندر جھانک کر کہا۔

ولی نے گردن موڑ کر اس نرس کی طرف دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر دو منٹ کا اشارہ کیا۔

''تمہیں مریض کہہ کر گئی ہے وہ۔'' جب وہ نرس پلٹ گئی تو ولی نے حنین کو چھیڑا۔

''اِسے تو میں بعد میں دیکھوں گی۔'' حنین نے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دانت کچکچائے۔

ولی اس کی اس حرکت پر ہنس دیا۔

★。° ✦ °。★

چند سالوں بعد۔

آج کی صبح اسلام آباد پر نہایت خوشگوار انداز میں اتری تھی۔ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا درختوں کی شاخوں کو نرمی سے ہلا رہی تھی جبکہ سنہری دھوپ آہستہ آہستہ دیوان ریان خان آفریدی کی وسیع و عریض حویلی پر پھیلتی جا رہی تھی۔لان میں کھلے ہوئے پھول شبنم کے قطروں سے بھیگے ہوئے تھے اور فضا میں تازہ مٹی اور پھولوں کی ملی جلی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

یہ اس رات کے بعد والی صبح تھی جب ولی نے لاہور سے واپس آکر اپنی پوری فیملی کے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ محمد علی نہیں، بلکہ ولی محمد ہے۔

چند سال پہلے، جب حنین کوما سے باہر آئی تھی تو مسز ریان نے ضد کر کے اسے اپنے ہی گھر رکھ لیا تھا۔ارحم صاحب اور مسز ارحم حادثے میں دنیا سے جا چکے تھے، اس لیے وہ کبھی نہیں چاہتی تھیں کہ حنین خود کو تنہا محسوس کرے۔ان کے نزدیک وہ اب اس گھر کی بیٹی تھی۔

حنین کے ہوش میں آنے کے تقریباً ایک سال بعد ولی اپنی ڈگری مکمل کر کے لاہور سے اسلام آباد واپس آ گیا تھا۔

ان چند برسوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔

حنین نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ ماڈرن کیلی گرافی میں بھی اپنا نام بنالیا تھا۔اس کے فن کی نمائشیں مختلف شہروں میں لگتی تھیں اور لوگ اس کے کام کو بے حد پسند کرتے
تھے۔

دوسری طرف ولی نے اپنے بابا کے کاروبار کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔اس نے اپنی محنت اور دیانت داری سے کمپنی کو مزید ترقی دی۔مگر صرف یہی نہیں، گزشتہ چند برسوں سے وہ مختلف شہروں، جامعات اور مساجد میں جاکر اسلام کی تعلیم بھی دیتا آرہا تھا۔اس کے لہجے میں اب وہ سختی نہیں رہی تھی جو کبھی اس کی پہچان تھی۔اب اس کی گفتگو میں ٹھہراؤ، عاجزی اور وقار نمایاں تھا۔

اس وقت گھر کے تقریباً سب افراد ناشتے کی میز پر موجود تھے، سوائے ولی کے۔

کشادہ ڈائننگ ہال میں تازہ ناشتے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔میز پر مختلف اقسام کے ناشتے سلیقے سے سجائے گئے تھے۔ملازمائیں خاموشی سے ایک دوسرے کے ساتھ ناشتے کی ڈشیں رکھ رہی تھیں۔

ریان صاحب اخبار کا ایک صفحہ الٹتے ہوئے کبھی کبھار گفتگو میں حصہ لے لیتے، جبکہ مسز ریان سب کو اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ پیش کرنے میں مصروف تھیں۔حنین بھی خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھی، اگرچہ کبھی کبھار سب کی باتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آجاتی۔

پورے ہال میں ایک پُرسکون اور گھریلو سا ماحول قائم تھا۔چند لمحوں بعد سیڑھیوں پر قدموں کی مدھم آواز گونجی۔سب کی نظریں غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھیں۔ولی پرسکون انداز میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔حنین نے بھی بے اختیار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ آج سیاہ رنگ کے نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔اس کے بال حسبِ معمول سلیقے سے سیٹ تھے جبکہ ہلکی سی تراشی ہوئی داڑھی اس کی شخصیت کو مزید باوقار بنا رہی تھی۔

گزشتہ چند سالوں کی آزمائشوں، ٹھوکروں اور توبہ نے اسے اس ضدی، مغرور اور انا پرست ٹین ایجر ولی سے یکسر مختلف انسان بنا دیا تھا۔اب اس کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا، ایسا
سکون جو صرف رب کے قریب ہونے والوں کے حصے میں آتا ہے۔

اسی لمحے اس نے محسوس کیا جیسے کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہو۔اس نے ہلکے سے نظریں اٹھا کر میز کی طرف دیکھا۔حنین چونک گئی۔اس نے فوراً اپنی نظریں جھکا لیں اور ایسے ناشتے میں مصروف ہو گئی جیسے وہ کبھی اسے دیکھ ہی نہ رہی ہو۔

ولی کے ہونٹوں پر بمشکل ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"السلام علیکم۔"اس نے میز کے قریب پہنچتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔"سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"آج تم پھر لیٹ ہو۔"سلام کا جواب دیتے ہی مسز ریان نے ہمیشہ کی طرح مصنوعی ناراضی سے اسے ٹوکا۔

ولی نے کرسی پیچھے کھینچی، بیٹھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور ہمیشہ کی طرح وہی جواب دیا۔

"آپ سب جلدی آگئے ہیں، میں تو اپنے وقت پر آیا ہوں۔"

اس کی بات سنتے ہی میز پر بیٹھے تقریباً سبھی افراد کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔یہ جملہ اب اس کی روزانہ کی عادت بن چکا تھا۔

وہ لاکھ کوشش کرتا، مگر پھر بھی ہر روز ناشتے پر چند منٹ دیر سے ہی پہنچتا۔آخر کار اپنی

غلطی ماننے کے بجائے اس نے یہ اعلان ہی کر دیا تھا کہ اصل مسئلہ اس کا نہیں، بلکہ
باقی سب کا ہے جو وقت سے پہلے آ جاتے ہیں۔
وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قصور اسی کا ہے۔ لیکن اپنے ممی، بابا اور خاص طور پر حنین کو چھیڑنے میں جو مزہ آتا تھا، وہ شاید دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں تھا۔
وہ آرام سے بیٹھ چکا تھا۔ اس نے سامنے رکھی پلیٹوں میں سے ایک پلیٹ اپنی طرف کھینچی ہی
تھی کہ اچانک باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔
وہاں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
''اتنی صبح کون آ سکتا ہے؟'' ریان صاحب نے حیرت سے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے زیرِ لب کہا۔
اب تقریباً سب کی نظریں بیرونی گیٹ کی طرف اٹھ چکی تھیں۔ چند ہی لمحوں بعد مین ڈور کھلا اور ہال میں ہمایوں انصر اپنی فیملی کے ساتھ داخل ہوئے۔
انہیں اس وقت دیوان ریان خان آفریدی میں دیکھ کر سب واقعی حیران رہ گئے تھے۔ چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ سب کی طرف بڑھے۔
''السلام علیکم!'' انہوں نے خوش دلی سے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام!'' سب نے گرمجوشی سے جواب دیا۔
حنین تو ناشتے کا خیال بھی بھول گئی۔ وہ تقریباً خوشی سے اٹھتی ہوئی یزمان کی طرف بڑھی، جبکہ یزمان بھی مسکراتے ہوئے اسی کی طرف آ رہی تھی۔
دونوں ایک دوسرے سے ملیں تو برسوں کی محبت ان کی مسکراہٹوں سے جھلک رہی تھی۔ فہیم اپنی ننھی بیٹی کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ اندر آیا، جبکہ ابراہیم بھی اس کے برابر میں چل رہا تھا۔
آج وہ نیوی بلیو سوٹ میں ملبوس تھا۔
اس کے بال حسبِ معمول وولف ہیئر کٹ میں سیٹ تھے، جو اس کی شخصیت پر ہمیشہ کی طرح خوب جچ رہے تھے۔ صاف شیو کیا ہوا چہرہ اور دائیں گال پر موجود ہلکا سا پرانا زخم اب بھی اس کی پہچان تھا۔
''اتنی صبح کیسے آنا ہوا؟'' مسز ریان نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''ہم نے سوچا، کیوں نہ آج کا ناشتہ آپ سب کے ساتھ کیا جائے۔'' یزمان نے فوراً شرارتی انداز میں جواب دیا۔
''کیوں نہیں، میرا بچہ! آؤ، سب لوگ بیٹھو۔'' مسز ریان نے محبت سے کہا اور فوراً ملازمہ کو آواز دی تاکہ مزید ناشتے کا انتظام کیا جا سکے۔
چند ہی منٹوں میں ناشتے کی میز مزید وسیع کر دی گئی۔ ملازمائیں تیزی سے اضافی پلیٹیں، کپ اور ناشتے کی ڈشیں سجا رہی تھیں، جبکہ ہال ایک بار پھر قہقہوں اور ہلکی پھلکی گفتگو سے بھر گیا۔
کچھ دیر بعد سب دوبارہ اپنی اپنی گفتگو میں مصروف تھے۔
ولی، ابراہیم اور فہیم ناشتے کے بعد ہال کے صوفوں پر جا بیٹھے تھے اور کسی سنجیدہ موضوع پر بات کر رہے تھے، جبکہ حنین اور یزمان میز کے قریب بیٹھی پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے مسلسل ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔

ہال میں ہنسی مذاق اور ہلکی پھلکی گفتگو کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ہر طرف ایک خوشگوار گھریلو ماحول قائم تھا۔کوئی چائے کا گھونٹ بھر رہا تھا،کوئی ناشتے کی پلیٹ سے نوالہ اٹھا رہا تھا،تو کوئی پرانی باتیں یاد کر کے مسکرا رہا تھا۔

ولی،ابراہیم اور فہیم ہال کے ایک جانب رکھے صوفوں پر بیٹھے آپس میں گفتگو میں مصروف تھے۔کبھی فہیم کوئی بات کرتا تو ابراہیم مسکراتے ہوئے اس کی تائید کر دیتا،جبکہ ولی پوری توجہ سے ان کی بات سن رہا تھا۔دوسری طرف حنین اور یزمان بھی ایک دوسرے کے ساتھ برسوں کی باتیں پوری کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

کچھ لمحوں بعد ہمایوں انصر نے گہرا سانس لیا اور جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر صوفے سے ذرا سیدھا ہو

کر بیٹھ گیا۔

''ہم آج آپ سے کچھ لینے آئے ہیں۔''اس کی بات سنتے ہی ہال میں موجود تقریباً سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

ریان صاحب اور مسز ریان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا،پھر ناسمجھی سے ہمایوں صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بھئی،سب کچھ تو تمہارا ہی ہے۔جو چاہو لے لو۔''ریان صاحب نے ہمیشہ کی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

حنین اور یزمان بھی اپنی گفتگو روک کر اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

اس بار مسز ہمایوں نے نرم لہجے میں ریان صاحب کی طرف دیکھا۔

''مگر... ہم چاہتے ہیں کہ وہ چیز آپ خود اپنے ہاتھوں سے ہمارے حوالے کریں۔''ان کے لہجے میں اپنائیت بھی تھی اور احترام بھی۔

ریان صاحب نے ہلکا سا ماتھا سکیڑا۔

''آسان لفظوں میں کہو بھئی... تاکہ ہمیں بھی سمجھ آئے۔''اس مرتبہ مسز ریان نے مسکراتے ہوئے بات کی،مگر ان کی آنکھوں میں تجسس صاف جھلک رہا تھا۔

ہمایوں انصر نے چند لمحے سب کی طرف دیکھا،پھر نہایت سنجیدگی سے بولے،''ہم... آپ سے حنین کا رشتہ ابراہیم کے لیے مانگنے آئے ہیں۔''

ان کے الفاظ ختم ہوتے ہی جیسے پورے ہال پر خاموشی اتر آئی۔چند لمحے پہلے جو جگہ ہنسی سے گونج رہی تھی،وہاں اب سوئی گرنے کی آواز بھی سنی جا سکتی تھی۔

ریان صاحب کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ماند پڑ گئی۔مسز ریان بھی چند لمحوں تک

خاموش بیٹھی رہیں۔پھر نہ جانے کیوں ان کی نظریں بے اختیار ولی کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ اب بھی صوفے پر بیٹھا تھا،مگر اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔

دوسری طرف...

حنین کا دل جیسے ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔اس کے ہاتھ بے اختیار ایک دوسرے میں جکڑ گئے۔سانس سینے میں ہی کہیں اٹک کر رہ گئی۔اسے لگا جیسے کسی نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا...؟کوئی اسے اس گھر سے لے کر کیسے جا سکتا تھا؟اس نے تو ہمیشہ خود کو ولی کے ساتھ دیکھا تھا۔وہ تو ولی کے نکاح میں جانے والی تھی...اسے تو ولی کی محرم بننا تھا...اسے تو پوری زندگی ولی محمد کے ساتھ گزارنی تھی...

اس کی آنکھیں بے اختیار ولی کی طرف اٹھیں،مگر وہ ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔

مسز ریان نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا۔

''مگر... بھائی صاحب...''ان کی آواز میں واضح جھجک تھی۔

''ہم چاہتے ہیں کہ حنین کا رشتہ محمد سے ہو۔''

یہ سنتے ہی ہمایوں انصر نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''مگر... آپ لوگوں نے تو آج تک ہمیں ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔''انہوں نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

ہال میں چھائی خاموشی اب پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل محسوس ہونے لگی تھی۔صوفوں تک بیٹھے سب افراد کی آوازیں آسانی سے ایک دوسرے تک پہنچ رہی تھیں۔

ولی بھی اب ایک ایک لفظ واضح طور پر سن چکا تھا۔اس نے آہستہ سے نظریں جھکائیں۔چند

لمحے خاموش بیٹھا رہا۔پھر اس نے گہرا سانس لیا،صوفے سے اٹھا اور پُر سکون قدموں سے سب کے درمیان آکر کھڑا ہو گیا۔

اسی لمحے مسز ریان نے دوبارہ بولنے کی کوشش کی۔

''ہم بس کچھ دنوں تک۔''

لیکن ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ولی کی پُر سکون مگر مضبوط آواز ہال میں گونجی۔

''میں حنین سے شادی نہیں کر سکتا،مما۔''اس کے الفاظ نہ اونچے تھے،نہ سخت...مگر ان کی شدت نے پورے ہال کو جیسے منجمد کر دیا۔

مسز ریان بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔ریان صاحب کے چہرے پر بھی واضح حیرت تھی۔حنین تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئی۔وہ پلکیں جھپکائے بغیر ولی کو دیکھ رہی تھی۔یقین کرنا اس کے لیے ناممکن تھا کہ ولی یہ الفاظ کہہ سکتا ہے۔

''مگر محمد...''ریان صاحب نے کچھ کہنا چاہا۔

ولی نے احترام سے ان کی طرف دیکھا اور نہایت سکون سے بولا،''بابا... حنین بہت اچھی ہے،مگر میں حنین سے شادی نہیں کروں گا۔''

اس نے ایک لمحے کے لیے بھی کسی کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ مڑا اور آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔اس کے قدم پر سکون تھے،مگر پیچھے رہ جانے والے ہر شخص کے دل میں ایک طوفان چھوڑ گئے تھے۔

کچھ لمحوں تک کسی میں اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ کچھ بول سکے۔آخر کار مسز ریان نے گہرا سانس لیا،اپنی کرسی سے اٹھیں اور خاموشی سے ولی کے پیچھے اس کے کمرے کی طرف چل دیں۔

حنین کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے ایک ہی لمحے میں اس کی پوری دنیا اس سے چھین لی

ہو۔

وہ اب بھی کرسی پر بیٹھی تھی،مگر اس کے کانوں میں آس پاس کی کوئی آواز نہیں پڑ رہی تھی۔ہال میں بیٹھے لوگ شاید اب بھی ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے تھے،مگر اس کے لیے ہر آواز ماند پڑ چکی تھی۔اس کی نظریں بے اختیار اسی سمت پر جمی تھیں جہاں سے ولی ابھی چند لمحے پہلے اوپر اپنے کمرے کی طرف گیا تھا۔

''ایسے... کیسے؟''یہ سوال بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔

اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد اٹھنے لگا تھا۔ آنکھوں میں جمع ہوتے آنسو اب پلکوں کی قید توڑنے لگے تھے۔ وہ مزید وہاں بیٹھ نہیں سکی۔ کرسی کو آہستہ سے پیچھے سرکاتے ہوئے وہ جلدی سے اٹھی اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

یزمان نے جیسے ہی اس کی کیفیت دیکھی، وہ فوراً اس کے پیچھے چل پڑی۔

حنین اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، مگر آنسو پھر بھی انگلیوں کے درمیان سے پھسلتے چلے گئے۔

چند لمحوں بعد یزمان بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور چند قدم چل کر حنین کے قریب آ گئی۔ حنین مسلسل روئے جا رہی تھی۔ یزمان کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

پھر نرمی سے اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"تم... اس طرح رو کیوں رہی ہو، ہانی؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محمد کے انکار کرنے پر حنین اس قدر کیوں ٹوٹ گئی تھی۔

"ہانی؟" اس نے دوبارہ آہستگی سے پکارا۔

حنین نے آہستہ سے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بری طرح سرخ ہو چکی تھیں۔ رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔

اس نے یزمان کی طرف دیکھا اور ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی،

"جس سے تم محبت کرتی ہو... اور وہ تمہیں ایک پل میں ٹھکرا کر چلا جائے... تو تم کیا کرو گی؟"

یزمان کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی۔ وہ چند لمحے حنین کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"تم... کب سے محمد سے محبت کرنے لگی؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

حنین کے لب لرزے۔ اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ... محمد نہیں ہے، یزمان۔" اس کی آواز رونے کی وجہ سے بھاری ہو چکی تھی۔

"وہ ولی ہے..." وہ ایک لمحے کو رکی، پھر جیسے برسوں سے سینے میں چھپا راز باہر نکال دیا۔

"ولی محمد... وہ ولی محمد ہے، محمد علی نہیں۔"

"کیا؟" یزمان بے اختیار اپنی جگہ سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ... تم کیا کہہ رہی ہو؟" اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

جسے وہ گزشتہ کئی برسوں سے محمد علی سمجھتی آئی تھی... وہ ولی محمد کیسے ہو سکتا تھا؟ آخر کوئی انسان اس حد تک کیسے بدل سکتا ہے؟

مگر یزمان کیا جانتی تھی... ولی محمد تو کبھی مرا ہی نہیں تھا۔ ان کی زندگیوں سے جانے والا تو صرف محمد علی تھا۔ حنین نے روتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

"وہ... ولی ہی ہے، یزمان۔"

"اس نے یہ بات سب سے چھپا کر رکھی تھی۔"

وہ بے ترتیب سانسوں کے ساتھ بولے جا رہی تھی۔ یزمان خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زیادہ حیران کس بات پر ہو۔

اس حقیقت پر...

یا اس بات پر کہ حنین اس انسان کے لیے اس طرح ٹوٹ رہی تھی، جس نے چند لمحے پہلے سب کے سامنے اسے اپنانے سے انکار کر دیا تھا۔

اس نے گہرا سانس لیا۔

''مگر، ہانی... اس میں اس کی کیا غلطی ہے؟'' اس نے نرمی سے کہا۔

حنین نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا اس نے کبھی تمہیں کوئی خواب دکھایا؟'' یزمان نے بات جاری رکھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔

''کیا اس نے کبھی تم سے کہا کہ وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے؟''

حنین نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔

''محبت...''

اس نے بمشکل الفاظ ادا کیے۔

''محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی، یزمان...'' وہ رکی۔ ایک آنسو اس کے رخسار پر بہہ نکلا۔

''وہ... محسوس کی جاتی ہے۔''

''اور میں نے محسوس کیا ہے...'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''وہ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے... جتنی میں اس سے کرتی ہوں۔'' یہ کہتے کہتے

اس کی آواز پھر بھر آئی۔

وہ سر جھکا کر روتی چلی گئی۔ یزمان خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

''اگر ایسا ہی ہے...''

''تو پھر اس نے تمہیں اپنانے سے انکار کیوں کر دیا؟''

یہ سوال سنتے ہی حنین کے آنسو جیسے رک گئے۔

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اگر جواب ہوتا... تو شاید وہ خود بھی اس قدر بے بس نہ ہوتی۔ کمرے میں ایک گہری خاموشی پھیل گئی۔ یزمان نظریں جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

وہ بار بار اسی بات پر غور کر رہی تھی کہ آخر ایسی کون سی چیز ہے جو حنین اور ولی کے درمیان دیوار بن کر کھڑی ہے۔ چند لمحوں بعد اچانک اس کے ذہن میں جیسے کوئی گرہ کھلی۔ اس نے فوراً سر اٹھایا اور حنین کی طرف دیکھا۔

''ہانی...''اس کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ سنجیدہ تھی۔

''یہ... تمہاری سزا ہے۔''

''ہاں، جانتی ہوں۔ وہ مجھے اس سے محبت کرنے کی سزا دے رہا ہے۔''حنین نے اسی طرح بیٹھی بیٹھی روتے ہوئے کہا۔

''نہیں، ہانی! وہ تمہیں سزا نہیں دے رہا۔''

یزمان نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ حنین نے نم آنکھوں سے نظریں اٹھائیں اور نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہیں معلوم ہے نا کہ نامحرم، نامحرم ہی ہوتا ہے؟'' یزمان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

حنین نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر ولی کے معاملے میں تم یہ بات کیوں بھول گئی تھی؟'' یزمان نے اسی نرمی سے اگلا سوال کیا۔

حنین اب بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہانی! تم نے ولی کے معاملے میں محرم اور نامحرم کے سارے اصول بھلا دیے تھے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے ہم سب کے لیے حدود قائم کی ہوئی ہیں۔ تم ولی کی محبت میں وہ ساری حدود بھول گئیں۔ تم یہ بھی بھول گئیں کہ وہ بھی تمہارے لیے نامحرم ہے۔''

یزمان کا لہجہ نرم تھا، مگر اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ حنین کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔

''اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم دین میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو اصول ہیں، وہ ہیں۔ وہ ہماری کسی دلیل یا خواہش سے بدلنے والے نہیں ہیں۔''

حنین خاموش بیٹھی سنتی رہی۔

اسے اپنے وہ دن یاد آنے لگے جب وہ محرم اور نامحرم کے معاملے میں کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی تھی۔

پھر اسے وہ دن بھی یاد آئے جب ولی کے معاملے میں وہ انہی اصولوں کو پسِ پشت ڈال چکی تھی۔

''جب تم کسی انسان کی محبت کو اللہ پر ترجیح دینے لگتے ہو، تو پھر اللہ تمہیں اسی کے ہاتھوں توڑتا ہے۔ اللہ نے تمہیں بھی ولی کے ہاتھوں ہی توڑا ہے، تاکہ تمہیں احساس ہو کہ تم کیا بھول بیٹھی
تھی۔''

''مگر یزمان... میں نے کبھی بھی اس کی محبت کو اللہ پر ترجیح نہیں دی۔'' حنین نے روتے ہوئے کہا۔

''نامحرم کی محبت وہ آسیب ہے جو بندے اور اللہ کے تعلق کو نگل جاتی ہے۔''حنین نے اس کی بات پر شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔

''تو پھر اگر وہ میرے لیے تھا ہی نہیں تو اُسے میری زندگی میں بھیجا کیوں گیا؟''

''شاید اس لیے کہ تمہیں علم ہو سکے کہ کچھ لوگ زندگی میں اس لیے آتے ہیں تاکہ وہ ہمیں ایک سبق دے کر جا سکیں۔'' یزمان نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

حنین نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

وہ جان چکی تھی کہ یزمان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سچ تھا۔ اس نے واقعی اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑا تھا۔ اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے وہ ان اصولوں کو بھول بیٹھی تھی جو اسلام نے ہر مسلمان کے لیے مقرر کیے ہیں۔

وہ خود دوسروں کو بھی یہی سمجھایا کرتی تھی کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود میں ہی سلامتی ہے۔ مگر پھر ولی کے معاملے میں نہ جانے کب اس کا نفس اس پر غالب آ گیا۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ انہی حدود سے دور ہوتی چلی گئی۔

انسان جب اللہ کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اسی لمحے اس کے نفس اور شیطان کے ساتھ اصل جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نفسِ امارہ انسان کے اندر رہ کر شیطان کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ اسی کے دل میں خواہشیں جگاتا ہے اور اسی کو اس کے رب سے دور لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

مگر اللہ اپنے بندے کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

جب بندہ بھٹکنے لگتا ہے تو اللہ کبھی کبھی اسی چیز کے ذریعے اسے توڑ دیتا ہے جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، تاکہ اسے اپنی بھولی ہوئی حقیقت یاد آ جائے۔ پھر دنیا کے سارے راستے تنگ ہونے لگتے ہیں اور صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے، اللہ کی طرف لوٹ آنے کا۔

شاید حنین کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اللہ نے اسے اس کی محبت کے ذریعے توڑا تھا، تاکہ وہ دوبارہ اپنی حدود، اپنے رب اور اپنی اصل منزل کو پہچان سکے۔

اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

اب وہ سمجھ چکی تھی کہ اسے اپنی خواہش نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کو قبول کرنا ہے۔

وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔

پھر اس نے آہستہ سے دونوں ہاتھ اٹھائے، آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں بند کیں اور رو رو کر اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگنے لگی۔

اسے معلوم تھا کہ اگر کسی بندے سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی شان یہ نہیں کہ وہ اپنی غلطی پر اڑ جائے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی لغزش کو تسلیم کرے، اپنے رب کے حضور جھک جائے اور اس کی بارگاہ میں معافی مانگ لے۔ اس نے بھی معافی کو چُنا تھا۔ وہ رحمٰن کے بندے کی خاطر رحمٰن کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

★｡ ° ✦ ° ｡★

''تم حنین سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟'' مسز ریان اس کے کمرے میں آ چکی تھیں۔

ولی نے مڑ کر اپنی مما کی طرف دیکھا۔ چند لمحے وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا، مگر اس کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

''مما... مجھے وہ صرف اچھی لگتی ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے نظریں چراتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

مسز ریان چند قدم چلتی ہوئی اس کے قریب آ کر رک گئیں۔

''کیا وہ تمہیں صرف اچھی لگتی ہے؟'' انہوں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے نرمی سے پوچھا۔

ولی خاموش رہا۔

''ولی! کیا تم اسے سے محبت نہیں کرتے؟'' مسز ریان نے آہستگی سے اس کی جھکی ہوئی ٹھوڑی کو اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، مما۔'' اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھنے کے بجائے نظریں جھکا لیں۔

مسز ریان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیا ہم ہانی کا رشتہ ابراہیم کے ساتھ طے کر دیں؟'' انہوں نے نہایت نرم لہجے میں پوچھا۔

وہ جانتی تھیں کہ ولی حنین سے بے حد محبت کرتا ہے، مگر انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اچانک شادی سے انکار کیوں کر رہا تھا۔ انہیں کہاں معلوم تھا کہ وہ برسوں پہلے اپنے بھائی کا کیا ہوا وعدہ نبھا رہا ہے۔

ولی نے آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کے لیے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ہاں جی۔'' آخر کار اس کے لبوں سے بس یہی دو لفظ نکلے۔

یہ الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے ہی گلے پر الٹی چھری پھیر دی ہو۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ حنین کو کسی اور کے حوالے کرنے کا فیصلہ اسے اس قدر

اندر سے توڑ دے گا۔

میں نے سمجھا تھا کہ تُو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے؟

مسز ریان ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہیں۔

ولی خاموشی سے جا کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا اور نظریں جھکا لیں۔

مسز ریان وہیں کھڑی رہیں۔ شاید انہیں امید تھی کہ اگلے ہی لمحے وہ مسکرا کر کہہ دے گا کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔

مگر وہ خود بھی جانتی تھیں کہ ایسے سنگین مذاق نہیں کیے جاتے۔

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

''اگر حنین نہ مانی تو؟'' مسز ریان جب واپس مڑنے لگیں تو ولی نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

وہ چند لمحے رکی رہیں۔

''اور اگر وہ مان گئی تو؟'' انہوں نے بغیر مڑے اتنا ہی کہا۔

بس اتنی سی بات تھی اور ولی کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ آج اس نے اپنی ہی محبت کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کر دیا تھا۔

اتنا ہی وقت لگا تھا، اور ولی محمد کے ہاتھ ایک بار پھر خالی رہ گئے تھے۔

اس نے سوچا تھا کہ اگر حنین اس کی زندگی میں آ جائے گی تو اس کی زندگی سنور جائے

گی، مگر شاید اللہ نے اس کے لیے کچھ اور ہی لکھ رکھا تھا۔

ایک لمحے کو اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید کسی اور جہاں میں جا کر وہ اس سے مل سکے، مگر اگلے

ہی لمحے اسے یاد آ گیا کہ اس کے دین میں سات جنم نہیں ہوتے۔

مسز ریان چند لمحے اس کے جواب کی منتظر رہیں، مگر جب کمرے میں خاموشی ہی باقی رہی تو وہ آہستہ سے باہر نکل گئیں۔

''میں اپنی محبت کو دل میں دفن کر کے، تمہیں اپنی محبت سے آزاد کرتا ہوں۔'' وہ دھیمی آواز میں آنکھیں بند کر کے زیرِ لب بڑبڑایا۔

''میں ولی محمد، تمہاری محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دیتا ہوں۔'' اس نے یہ آخری الفاظ کہے اور آنکھیں کھول دی۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی، وہ نم آنکھوں سے کھڑکی کے پار آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

تُو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا میں نے فقت چاہا تھا کہ یوں ہو جائے

★。 ° ✦ ° 。★

شام پوری طرح سے ڈھل چکی تھی۔رات کی سیاہی آسمان پر پوری طرح پھیل چکی تھی۔وہ باپ بیٹے اس لان میں پچھلے کئی گھنٹوں سے بیٹھے تھے۔اسماعیل چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ابراہیم صاحب اپنے بیٹے کو یہ سب بھی کبھی بتائیں گے،

انہوں نے سوچا نہیں تھا۔

''بابا! کیا آپ کو شادی سے پہلے اس بات کا علم نہیں ہوا تھا کہ محمد انکل ہی ولی انکل ہیں؟'' انہوں نے ابراہیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یزمان نے بتادیا تھا۔میں ولی کے پاس گیا تھا مگر جتنا کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد حنین نے

کبھی نہیں ماننا تھا۔پھر ولی نے بھی مجھے کہا کہ وہ اب اپنی زبان سے نہیں پھرے گا۔اس نے وہ وعدہ نبھایا جو اُس نے کبھی کیا ہی نہیں تھا۔اُس نے میری خوشی اور اپنے بھائی کے وعدے کی خاطر اپنی خوشی کا گلا گھونٹ دیا تھا۔'' ان کی آنکھیں نم تھیں۔

''اس نے اپنے بھائی کے وعدے کی پاسداری کی خاطر اپنی محبت کو قربان کر دیا۔'' ان کی آواز کافی بھاری ہو چکی تھی۔

''اگر مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا کہ وہ ہی ولی ہے تو میں کبھی بھی ان دونوں کے درمیان نہ آتا۔'' وہ اپنی غلطی پر پچھتا رہے تھے۔

''بابا! آپ کی اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔مما کو اللہ نے آپ کے نصیب میں ہی لکھا تھا اور انہیں آپ تک ہی آنا تھا۔'' اس نے اپنے باپ کا گلٹ کم کرنے کی کوشش کی۔

ابراہیم اس کی بات پر کچھ بھی نہ کہہ سکے۔انہیں معلوم تھا کہ جو کچھ ہوا وہ لاعلمی میں ہوا۔

''بابا!'' اسماعیل نے انہیں دھیمی آواز سے پکارا۔

''ولید بلوچ کا کیا بنا جس نے ولی انکل پر گولیاں چلائی تھیں؟''

''ولی کے بابا نے اُسے اُس کے انجام تک پہنچادیا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے ابراہیم انصر کی آنکھوں میں سختی اُتر آئی تھی۔

''مطلب اس کا قتل کروادیا تھا؟'' اسماعیل حیرت سے آنکھیں کھولے اُنہیں دیکھنے لگا تھا۔

''پولیس مقابلے میں مارا گیا وہ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ پولیس مقابلہ فرضی تھا۔''

کچھ دیر خاموشی سے اسماعیل اپنے بابا کو یونہی ٹکر ٹکر کو تکتا رہا۔

''بابا!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسماعیل نے اپنے بابا کو پکارا۔

''ہوں؟'' ابراہیم نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ مجھے ولی انکل سے ملوا سکتے ہیں؟'' اس نے اپنی آخری خواہش ان کے سامنے رکھی۔

وہ اس شخص سے ملنا چاہتا تھا جس نے جس جس سے بھی محبت کی اس نے اسے کھو دیا۔

''اس وقت؟'' ابراہیم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

ابراہیم انصر کچھ دیر اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچتے رہے اور پھر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے روم سے گاڑی کی چابی لاؤ اور اپنے مما کو بتاؤ کہ تھوڑی دیر تک واپس آرہے ہیں۔

اسماعیل یہ سن کر فوراً اندر گیا اور کچھ دیر بعد ہی گاڑی کا ریموٹ لے کر واپس آگیا۔

''کہاں جارہے ہیں آپ دونوں اس وقت؟''حنین بھی اسماعیل کے پیچھے پیچھے لان میں چلی آئی تھی۔

ابراہیم نے نظریں اٹھا کر حنین کی طرف دیکھا۔اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی نرمی اتر آئی۔

وہ گریپ رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی۔کانوں میں آج بھی ننھے ننھے ٹاپس موجود تھے اور چہرے پر ویسا ہی گول فریم کا چشمہ سجا تھا، جیسا وہ آج سے کئی سال پہلے لگایا کرتی تھی۔

آج اس کے ہاتھوں پر مہندی لگی تھی، جس کا رنگ خاصا گہرا تھا۔ابراہیم کی نظر بے اختیار اس کی ہتھیلیوں پر جا ٹھہری۔مہندی اس کے ہاتھوں پر بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، اتنی کہ چند لمحوں کے لیے وہ اپنی نظریں ہٹانا ہی بھول گیا۔

حنین نے اس کی نگاہ محسوس کی تو ہلکا سا مسکرا دی۔

ابراہیم نے جیسے خود کو سنبھالا اور نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔

''کچھ نہیں... بس مہندی اچھی لگ رہی ہے۔''

حنین کے لبوں پر مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی، جتنی پہلے ہوا کرتی تھی، مگر وقت اور حالات نے اس کی روح کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔

حنین کو وہ انسان نہیں ملا تھا، جس کی اس نے آرزو کی تھی، اور ولی محمد کو وہ نہیں ملی تھی، جسے اس نے

دل و جان سے چاہا تھا۔

اب ان دونوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ کیا یہ دونوں سیاہ بخت تھے، یا پھر وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہیں اللہ نے جوانی میں ایک ٹھوکر لگا کر سنبھال لیا تھا؟ واللہ اعلم!

''کچھ ضروری کام ہے۔'' ابراہیم نے حنین کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''زیادہ دیر نہیں لگے گی، ہم جلد واپس آجائیں گے۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

ابراہیم نے اسماعیل کے ہاتھ سے گاڑی کا ریموٹ تھام لیا، جو وہ اندر سے اٹھا کر لایا تھا۔

ریموٹ سے گاڑی اَن لاک کرنے کے بعد اس نے اسماعیل کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور جانے سے پہلے ایک بار پھر پلٹ کر حنین کو دیکھا۔

ابراہیم ہلکا سا مسکرایا، پھر گاڑی میں بیٹھ کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل گیا۔

★。 ° ✦ ° 。★

چند سال قبل۔

رات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اتر چکی تھی۔کشادہ لان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔سفید اور سنہری قمقموں کی قطاریں دور تک پھیلی ہوئی تھیں، جبکہ پھولوں سے سجا ہوا اسٹیج لان کے وسط میں بنایا گیا تھا۔

اسٹیج پر ابراہیم انصر سفید شیروانی میں خاموشی سے بیٹھا تھا۔اس کے دائیں جانب ہمایوں صاحب اور ریان صاحب موجود تھے، جبکہ ارد گرد قریبی رشتہ دار اور مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے نکاح شروع ہونے کے منتظر تھے۔پورے لان میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں پھیلی ہوئی تھیں، مگر سب کی نظریں بار بار قاری صاحب کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

دوسری طرف گھر کے اندر ایک کمرے میں حنین دلہن بنی بیٹھی تھی۔سرخ جوڑے اور دوپٹے میں سمٹی وہ نظریں جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔اس کے ارد گرد خواتین کا ہلکا سا ہجوم تھا۔یزمان اس کے قریب بیٹھی کبھی اس کا ہاتھ تھام لیتی تو کبھی دھیرے سے اس کا دوپٹہ سنوار دیتی۔مسز ریان بھی وہیں موجود تھیں، جبکہ باقی خواتین آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔کمرے میں عجیب سی خاموش بے چینی رچی ہوئی تھی جیسے ہر کوئی اسی لمحے کا انتظار کر رہا ہو جب قاری صاحب اندر آ کر حنین سے اس کی رضامندی پوچھیں گے۔

چند لمحوں بعد قاری صاحب نکاح نامہ ہاتھ میں لیے آہستہ آہستہ دلہن کے کمرے کی طرف بڑھے۔کمرے میں موجود خواتین خاموش ہو گئیں اور سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔

قاری صاحب حنین کے سامنے مناسب فاصلے پر بیٹھ گئے۔انہوں نے نکاح نامہ کھولا

اور نرم لہجے میں اس سے اس کی رضامندی دریافت کی۔

" حنین بنتِ ارحم خان، آپ کا نکاح ابراہیم بن ہمایوں انصر کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا جا رہا ہے۔کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

کہاں آ کے رُکنے تھے راستے

کہاں موڑ تھا اُسے بھول جا

حنین نے چند لمحے نظریں جھکائے رکھیں، پھر دھیرے سے کہا،

"قبول ہے۔"

" حنین بنتِ ارحم خان، آپ کا نکاح ابراہیم بن ہمایوں انصر کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا جا رہا ہے۔کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

وہ جو مل گیا اُسے یاد رکھ

جو نہیں ملا اُسے بھول جا

"قبول ہے۔" اس کی آواز کسی کھائی سے آتے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔

" حنین بنتِ ارحم خان، آپ کا نکاح ابراہیم بن ہمایوں انصر کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا جا رہا ہے۔کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

وہ تیرے نصیب کی بارشیں

کسی اور چھت پر برس گئیں

"قبول ہے۔" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر جھولی میں آ گرا۔

قاری صاحب نے نکاح نامہ حنین کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے پین اٹھایا۔ دستخط کرتے ہوئے دو مرتبہ پین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ تیسری کوشش میں وہ دستخط کرنے میں کامیاب ہوئی۔

آخری حرف مکمل ہوتے ہی وہ اپنی زندگی ہمیشہ کے لیے ابراہیم انصر کے نام کر چکی تھی۔

دلِ بے خبر میری بات سُن

اُسے بھول جا اُسے بھول جا

قاری صاحب نے نکاح نامے پر ضروری کارروائی مکمل کی، دعا دی اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئے۔

لان میں پہنچتے ہی وہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ چاروں طرف پھیلی سرگوشیاں یک دم تھم گئیں۔ سب کی نظریں اب قاری صاحب اور فہیم کی طرف تھیں۔ قاری صاحب نے نکاح نامہ اپنے سامنے رکھا، خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا اور پھر ابراہیم انصر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ولی کہاں ہے؟'' ابراہیم نے دھیمی آواز میں فرہیم سے پوچھا۔

''وہ گھر کے پیچھے لان میں بیٹھا کوئی پینٹنگ بنا رہا ہے۔'' فہیم نے جھک کر دھیمی آواز میں ابراہیم کو بتایا۔

''اس کو یہاں آنے کا کہا؟'' ابراہیم نے اس سے پوچھا۔

فہیم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا جواب دیا اس نے؟''

''کہتا ہے کہ پانچ منٹ میں آ رہا ہے۔''

ابراہیم یہ سن کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

'' ابراہیم بن ہمایوں انصر! آپ کا نکاح حنین بنتِ ارحم خان کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟''

قاری صاحب نے اس کی رضامندی لینا چاہی۔

''جی قبول ہے۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں کہ شاید ولی بھی یہیں کہیں ہو، مگر وہ جانتا تھا کہ یہ لمحہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہو سکتا تھا اس لیے وہ اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ ابراہیم کو دل سے بُرا محسوس ہو رہا تھا مگر وہ ولی لاکھ سمجھانے کے بعد بھی نہیں مان سکا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جتنا سب کچھ ہو چکا ہے حنین نے بھی اپنی ضد پر اڑ جانا تھا۔

'' ابراہیم بن ہمایوں انصر! آپ کا نکاح حنین بنتِ ارحم خان کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟''

''قبول ہے۔''

'' ابراہیم بن ہمایوں انصر! آپ کا نکاح حنین بنتِ ارحم خان کے ساتھ حق مہر مبلغ ایک لاکھ روپے، سکۂ رائج الوقت، پر کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟''

''قبول ہے۔'' اس نے جیسے ہی آخری دفعہ یہ الفاظ کہے تبھی کسی نے اس کے کان میں آ کر سرگوشی کی۔ اس نے نظریں گھما کر اپنے آس پاس دیکھا تو وہاں ریاں صاحب اور ہمایوں صاحب بھی موجود نہیں تھے۔ اس نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو فہیم پریشان چہرہ لیے اس کے پاس کھڑا تھا۔

★.˚ ✦ ˚.★

وہ گھر کے پچھلے لان میں بیٹھا تھا۔ مہمانوں کی دھیمی دھیمی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں، مگر وہ ان سب سے بے نیاز ایک کینوس پر پینٹنگ بنانے میں محو تھا۔ پینٹنگ تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔

اس نے برش سے آخری اسٹروک لگایا، پھر اسے ایک طرف رکھ کر چند لمحے خاموشی سے اپنی تخلیق کو دیکھنے لگا۔ کینوس پر ایک نوجوان آف وائٹ شرٹ میں تھا، جبکہ اس کے ساتھ ایک لڑکی سیاہ جیکٹ پہنے بیٹھی تھی۔

اس نے دوبارہ برش اٹھایا، جھک کر پینٹنگ کے بائیں کونے میں اپنا نام لکھا،

''ولی محمد''،

اور اس کے نیچے تاریخ درج کی۔

''۲۱ نومبر''

کچھ دیر وہ خاموشی سے اپنی پینٹنگ کو دیکھتا رہا، پھر سامنے رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔ آج اس نے بھی آف وائٹ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ قمیص کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں اور بال ہمیشہ کی طرح سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔

وہ ملے تو یہ پوچھنا ہے مجھے

اب بھی ہوں میں تیری امان میں کیا

اس کے چہرے پر نہ کوئی کرب تھا، نہ کوئی بے چینی۔ صرف ایک گہرا سکون تھا، ایسا سکون جو ہر احساس سے ماورا معلوم ہوتا تھا۔

وہ آہستہ سے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، جیسے سیاہ آسمان کی وسعتوں میں اسے کوئی اپنا دکھائی دے گیا ہو۔

''میں نے جسے بھی چاہا، اُسے کھو دیا۔'' وہ دھیرے سے زیرِ لب بڑبڑایا۔

چند لمحوں بعد ریان صاحب لان میں آئے۔ ان کی نظر دور کرسی پر بیٹھے ولی پر پڑی۔ وہ بدستور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا، جیسے کسی گہری سوچ میں کھو گیا ہو۔

''ولی!'' انہوں نے معمول کے انداز میں آواز دی۔

کوئی جواب نہ آیا۔

''ولی...!'' انہوں نے دوبارہ ذرا بلند آواز میں پکارا۔

پھر بھی خاموشی رہی۔

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر انہوں نے محسوس کیا کہ ولی کی آنکھیں اب بھی آسمان کی طرف تھیں اور لبوں پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ موجود تھی۔

''بیٹا...؟'' انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

جیسے ہی ان کی انگلیاں اس کے کندھے سے ٹکرائیں، ولی کا سر آہستہ سے ایک طرف ڈھلک گیا۔

ریان صاحب کا دل زور سے دھڑکا۔

''ولی...!''

انہوں نے فوراً دونوں ہاتھوں سے اس کے کندھے تھام کر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی، مگر اس کا جسم بے جان سا ان کے ہاتھوں میں ڈھلکتا چلا گیا۔

ان کی سانس جیسے سینے میں ہی اٹک گئی۔

انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے ولی کے گال تھپتھپائے۔

''ولی... آنکھیں کھولو بیٹا... ولی!''

مگر نہ اس کی پلکیں جنبش میں آئیں، نہ لبوں کی وہ خاموش مسکراہٹ بدلی۔

ریان صاحب چند لمحوں تک ساکت کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وقت اچانک تھم گیا ہو۔ آس پاس مہمانوں کی آوازیں اب بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔

کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے فوراً فون نکالا اور ہمایوں اور فہیم کو لان میں آنے کے لیے کہا۔

چند ہی لمحوں میں وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔

کرسی پر بیٹھے ولی کو دیکھتے ہی ان کے قدم وہیں رک گئے۔ دونوں کے چہروں کا رنگ یک دم اڑ گیا۔

ولی محمد اسی سکون کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا، مگر اس سکون میں اب زندگی باقی نہ رہی تھی۔

وہ بغیر کسی شور، بغیر کسی آخری الوداع اور بغیر کسی کو تکلیف دیے، بڑی ہی خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

آج ولی محمد کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا تھا۔

فہیم کے ہاتھ سے موبائل تقریباً چھوٹ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ الٹے قدموں دوڑ پڑا۔

جب وہ ابراہیم کے پاس پہنچا تو قاری صاحب اس سے نکاح کی رضامندی لے رہے تھے۔

اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں، چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور آواز کانپ رہی تھی۔

''ولی کی... ڈیتھ ہو گئی ہے۔''

یہ الفاظ سنتے ہی ابراہیم نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔ چند لمحوں تک وہ جیسے سمجھ ہی نہ سکا کہ فہیم نے کیا کہا ہے۔ پھر اس نے ارد گرد دیکھا اور اس کی نظر فہیم کے کانپتے ہوئے چہرے پر جا ٹھہری۔

فہیم کی آنکھیں اس خبر کی گواہی دے رہی تھیں جس پر یقین کرنا ممکن نہیں تھا۔

یوں جو تکتا ہے آسمان کو تُو

کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا؟

★。 ° ✦ ° 。★

''بابا! ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' ابراہیم انصر نے جیسے ہی قبرستان کے سامنے گاڑی روکی، اسماعیل نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''ولی سے ملنے۔'' انہوں نے مختصر سا جواب دیا اور گاڑی سے نیچے اتر گئے۔ اسماعیل بھی خاموشی سے ان کے پیچھے اتر گیا۔

ہوا میں ہلکی سی خنکی گھلی ہوئی تھی۔ قبرستان میں غیر معمولی سکوت چھایا ہوا تھا۔ کہیں دور درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی، باقی ہر طرف خاموشی تھی۔

ابراہیم انصر آہستہ آہستہ پکی روش پر چلتے رہے۔ اسماعیل خاموشی سے ان کے پیچھے تھا۔ چند قدم آگے جا کر وہ دو قبروں کے سامنے رک گئے۔ دونوں قبریں ایک دوسرے کے بالکل ساتھ بنی ہوئی تھیں، جیسے زندگی کی طرح موت نے بھی انہیں جدا نہ ہونے دیا ہو۔

ابراہیم نے ایک قبر کی طرف دیکھا، پھر دوسری کی طرف۔

''یہ ولی محمد کی قبر ہے اور یہ اس کے بھائی محمد علی کی۔''

اسماعیل نے حیرت سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں تک وہ دونوں قبروں کو دیکھتا رہا۔

''تو کیا ولی انکل نے خودکشی کر لی تھی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں۔'' ابراہیم نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر۔۔۔ یہ سب کب اور کیسے ہوا؟'' ابراہیم کی نظریں بدستور قبر پر جمی رہیں۔

''جس دن میرا نکاح تھا۔۔۔ اسی دن ولی کی موت ہو گئی تھی۔'' اسماعیل کے چہرے پر حیرت اور گہری ہو گئی۔

''مگر کیسے؟''

ابراہیم نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اس کے دماغ کی ایک رگ پھٹ گئی تھی۔'' بس اتنے ہی الفاظ تھے... مگر ان چند لفظوں کا بوجھ صرف ابراہیم جانتا تھا۔

ہر بار یہ جملہ دہراتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ دوبارہ اسی دن میں لوٹ گیا ہو، جس دن اس نے اس انسان کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔

اسماعیل بنا پلک جھپکائے اپنے باپ کو دیکھتا رہا۔ پھر خاموشی سے نظریں جھکا کر قبروں کی تختیوں پر لکھی عبارت پڑھنے لگا۔

''محمد علی''

''تاریخِ پیدائش: ۲۲ ستمبر''

''تاریخِ وفات: ۲۸ اگست''

اس کی نظریں دوسری قبر پر منتقل ہوئیں۔

''ولی محمد''

''تاریخِ پیدائش: ۲۲ ستمبر''

''تاریخِ وفات: ۲۱ نومبر''

''دونوں کی تاریخِ پیدائش ایک ہی ہے...؟'' اسماعیل نے آہستہ سے کہا۔

ابراہیم کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

''ہاں... دونوں جڑواں تھے۔ زندگی بھی ساتھ گزاری... اور اب ہمیشہ کے لیے ساتھ سو رہے ہیں۔''

چند لمحوں تک وہاں مکمل خاموشی رہی۔

''تم اس سے محبت کرتے تھے اور ہانی یہ بات جانتی تھی۔ مگر اُس نے تمہاری محبت پر اللہ کی مرضی کو ترجیح دے دی۔'' وہ دھیمی آواز میں ولی کی قبر کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑائے۔

کچھ دیر بعد ابراہیم نے ہاتھ اٹھائے۔ اسماعیل نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہاتھ اٹھا لیے۔ دونوں نے خاموشی سے دعائے مغفرت کی۔ دعا ختم ہوئی تو ابراہیم نے آہستہ سے چہرے پر ہاتھ پھیر لیا اور ایک آخری نظر دونوں قبروں پر ڈالی۔

''چلو۔'' وہ مڑ کر واپس چل دیے۔

ان کے قدموں کی آہٹ آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی۔ پھر وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی، قبرستان کے دروازے سے باہر نکلی اور سڑک پر گم ہو گئی۔

ان دونوں قبروں کے پاس ایک بار پھر وہی خاموشی اتر آئی، جو ان کے آنے سے پہلے تھی۔

ہوا کا ایک نرم جھونکا آیا، چند سوکھے پتے قبروں پر آ گرے، پھر سب کچھ پہلے کی طرح ساکت ہو گیا۔

''ہم دیکھ رہے ہیں تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا۔'' (سورۃ البقرہ)

★。° ✦ °。★

ختم شد۔

حرفِ آخر

ہر کہانی کا اختتام آخری صفحے پر نہیں ہوتا، کچھ کہانیاں کتاب بند ہونے کے بعد قاری کے دل میں شروع ہوتی ہیں۔

اگر آپ یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو آپ کا شکریہ۔ آپ نے صرف ایک ناول نہیں پڑھا، بلکہ میرے احساسات، میری سوچ، میری دعاؤں اور میرے کئی برسوں کی محنت کا سفر میرے ساتھ طے کیا ہے۔

اگر اس کہانی نے آپ کو اپنے کسی بچھڑے ہوئے بھائی کی یاد دلائی، اگر اس نے آپ کے دل میں اپنے والدین، اپنے عزیزوں یا اپنے ہمسفر کی قدر بڑھا دی، اگر اس نے آپ کو اپنے رب کی طرف ایک قدم بھی قریب کر دیا، یا اگر اس نے آپ کو اپنی زندگی کے کسی فیصلے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کیا، تو یہی اس ناول کی اصل کامیابی ہے۔

انسان چلا جاتا ہے، مگر اس کے اعمال، اس کے الفاظ اور اس کی چھوڑی ہوئی نیک نشانیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ ''ولی محمد'' بھی اُن نشانیوں میں شامل ہو جو کسی دل میں خیر کا ایک چراغ روشن کر دیں۔

اگر اس ناول نے آپ کے دل کو چھوا، آپ کی سوچ میں کوئی تبدیلی پیدا کی، یا آپ کو کوئی نئی بات سکھائی، تو اپنی رائے ضرور دیجیے۔ آپ کے تاثرات میرے لیے صرف الفاظ نہیں، بلکہ آئندہ سفر کا حوصلہ ہیں۔

آپ مجھے انسٹاگرام پر (itsmuhammadfaizan_) کے ذریعے اپنے خیالات سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ آپ کا ہر پیغام میرے لیے باعثِ مسرت ہو گا۔

آخر میں صرف ایک دعا...

اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرمائے جن کی کہانیاں ختم ہو جائیں، مگر جن کے نیک اثرات کبھی ختم نہ ہوں۔

آپ کی دعاؤں کا منتظر

محمد فیضان